

حضرت شاد ولی اللہ محدث دہلوی کی شہرہ آفاق تصنیف

انفاس العانیین

مترجم  
علامہ حکیم محمد اصغر اعظمی فاروقی

نوری بک پبلیشرز و انارڈر مارکر لاہور

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

انفاس العارفين

نوری کتب و پوسٹل ہاؤس

جملہ حقوق بحق نوری بک ڈپو محفوظ ہیں

# انفاس العارین

— تقدیم —

راجہ رشید محمود ایم اے ماہر مضمون اردو  
پنجاب ییکسٹ بک بورڈ

بیتناؤں اللہ محمد بن عبد اللہ

— ترتیب و ترجمہ —

حضرت علامہ حکیم محمد اصغر اطہر فاروقی مدظلہ العالی

نوری بک ڈپو - لاہور

ناشر و ناشر  
پنجاب بک بورڈ  
آر۔ آر۔ پرنٹرز لاہور

معضوم منزل - اسلام گنج - لاہور

بازار داتا صاحب - لاہور

مرکزی دفتر :

مرکز فروخت :

# تقدیم

اسلام اس صداقت کا نام ہے جو ازل سے ابد تک رہے گی اس  
 سچائی کی تبلیغ کے لیے حضرت آدم کی خلقت ہوئی اسی صراط مستقیم کی طرف  
 رہنمائی کی خاطر حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لاتے۔ یہی وہ منزل  
 ہے جس کی نشان دہی تمام انبیائے کرام نے کی اور یہی معتقدات ہیں جن  
 کو بنی نوع انسان کے دلوں میں راسخ کرنے کے لیے سرکارِ دو عالم نور مجسم  
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مبعوث ہوئے حضور خاتم النبیین ہیں آپ کے بعد رشد  
 و ہدایت کے لئے نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم ہو گیا اب دنیا کی رہنمائی  
 سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤں اور خداوندِ کریم کے دوستوں کی طرف  
 منتقل ہو گئی۔ مجددین ملت اولیاء اللہ اور علماء کرام نے اس فرض کو نبھایا  
 اور عالم انسانیت کو حقیقت و معرفت کی راہ دکھانے کی سعی میں عمریں گزار  
 دیں لیکن چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی ازل سے ستیزہ کار رہا ہے  
 سچائی کے ساتھ دروغ و کذب کی مبارزت پرانی ہے نیکی اور بدی کا سمجھوتہ  
 آج تک نہیں ہو سکا انسان کو سیدھی راہ سے بھٹکانے کے کام میں شیطان  
 اپنے راندے جانے کے دن سرگرم عمل ہے چنانچہ وقت گزرنے کے  
 ساتھ ساتھ اس کا جادو سرور کائنات فخر موجودات علیہ السلام والصلوة کی  
 امت کے کمزور لوگوں پر چلتا رہا اور وہ کچھ ایسوں کو بھی راہِ راست سے بھٹکانے  
 میں کامیاب ہوتا رہا جو ملتِ اسلامیہ کے افراد کہلاتے تھے ایسے لوگ سوادِ  
 اعظم سے کٹے رہے، معتقداتِ اسلام میں ایسے لوگوں کی اصلاح کا  
 ڈول ڈالا، جو محبوبِ کبریا کی تعلیمات کا خاصہ تھے۔ پھر امتدادِ وقت

کے ساتھ یہ ”مصلحین اسلام“ ذرائع ابلاغ پر قابض ہوتے گئے انہوں نے دنیوی برتری کے زور سے، سیدھی راہ سے نہ بھٹکنے والوں پر کفر و شرک کی کلونخ اندازی شروع کر دی اور ظاہر ہے کہ اس کا دائرہ عملی طور پر فزون اولیٰ کے مسلمانوں تک پھیل گیا لیکن ابھی ابھی ان کے لئے صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور دیگر بزرگان دین کو کھلم کھلا ان فتوؤں کی زد میں لانا ممکن نہ تھا۔ اس کام کے لئے وقت درکار تھا اب تو خیر ان میں سے ایک صاحب ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی (کراچی) حضور غوث اعظم جیلانی خواجہ معین الدین چشتی حضور داتا گنج بخش۔ مولانا جلال الدین رومی رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے بزرگوں کو کافر و مشرک قرار دے کر ان کے خلاف فتاویٰ چھاپ رہے ہیں اس لئے ان لوگوں نے ایک مجدد دین و ملت، اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کو بدف بنایا اور اسلام کے شعار و عقائد پر سختی سے عاقل مسلمانوں کو ”بریلوی“ کہہ کر پکارنا شروع کر دیا۔

”بریلویت“ کو دشنام طرازی قرآن و احادیث کے ارشادات اور بزرگان دین کی تعلیمات کے ہوتے ہوئے چونکہ مشکل تھی اس لئے ان حضرات نے قرآن مجید اور احادیث نبویٰ کو اپنی تادیلات اور ترجموں کی بوقلمونی سے مجروح کرنے کی کوشش کی اور بزرگوں کی تعلیمات کو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل کرنے کا کام شروع کر دیا۔ اس مقصد کے لئے مختلف حربے استعمال کئے گئے، جن میں سے ایک یہ تھا کہ اسلاف کرام کی راہ سے ہٹے ہوئے معتقدات کو بزرگوں ہی کے ملفوظات اور ان کی تحریروں کے نام سے لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے اور ان بزرگوں کی اصلی تحریروں عامۃ الناس کی نگاہوں سے پوشیدہ کر دی جائیں۔

اس وقت ہمارے پیش نظر محدث دہلوی حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات کرامی ہے۔ خاندان ولی اللہ نے اسلامیان ہند کو پورے عالم اسلام پر اپنی ہمنیت،

فقاہت اور حکمت کے گہرے اثرات مرتب کئے ہیں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نہیں  
 برزۃ العزیز جتید عالم دین، والا مرتبت فقیر و محدث، عظیم تباہ قوم اور حکیم امت اسلامیہ  
 تھے۔ انہوں نے دین کی روح کو اپنی تعلیمات کے ذریعے لوگوں کی ارواح و قلوب میں  
 راسخ کر دیا اور مسلمانوں کو سچائی کی راہ پر چلانے کی کوشش میں عمر عزیز گزار دی لیکن  
 دین کو سمجھنے والوں کی تعلیمات سے لوگوں کو محروم رکھنے کے خواہش مندوں نے حضرت  
 شاہ ولی اللہ کی کسی تصانیف کو منظر عام پر آنے سے روکا اور ان کے نام سے کئی کتابیں  
 خود لکھ کر چھاپ دیں تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ گمراہ ہو سکیں۔ قارئین کرام انفاس العارفین  
 کے مطالعہ سے جان لیں گے کہ حضرت محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کے خیالات ان معتقدات  
 کے بارے میں کیا ہیں جن پر کفر و شرک کی خود کار مشینیں حرکت میں ہیں۔ تو تسل استمداد،  
 تصرفات، کشف پر اعتقاد رکھنے سے آپ کو کچھ لوگ سارا دن منع کرتے ہیں۔ آپ یہ  
 دیکھیے کہ ان معاملات میں اسلام کے بطل جلیل شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے آپ کی کیا  
 رہنمائی کی ہے۔

دین کی اصل کو مسلمانوں کے دلوں سے محو کر دینے کے خواہش مندوں نے  
 انفاس العارفین کبھی نہیں چھاپی۔ اس کی جلدیں بازار سے غائب کرنے کی کوششیں کی گئیں  
 تاکہ لوگ حضرت شاہ ولی اللہ کے ارشادات سے مستفید نہ ہو سکیں۔ اس کے برعکس تو تسل  
 استمداد، تصرفات اور کشف کو ماننے والوں کے خلاف کفر و شرک کے فتوے لکھ کر ان پر  
 شاہ ولی اللہ کا نام چھاپ دیا گیا تاکہ عامۃ المسلمین کو دھوکہ دیا جاسکے۔ محققین نے ان  
 موضوع تصانیف کی نشاندہی کر دی ہے لیکن جب دل میں خوفِ خدا نہ رہے تو آدمی  
 اسی چیز سے نہیں ڈرتا، جھوٹ تو کوئی چیز ہی نہیں۔

ارباب تحقیق نے ثابت کر دیا ہے کہ مندرجہ ذیل کتابیں شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی نہیں  
 ہیں۔ بوجہ لوگوں نے ان کے نام لگا دی ہیں۔

۱۔ تحفۃ الموحدين ۲۔ البلاغ المبين ۳۔ قول سديد ۴۔ اشارہ مستمرہ ۵۔ قرۃ العینین فی ابطال  
شہادۃ الحسینؑ ۶۔ جنت العالمیہ فی مناقب معاویہؓ ۷۔ رسالہ اوائل ۸۔ فیما یجب حفظ للنظار  
مؤخر الذکر دونوں رسالے ناشرین کی عدم توجہ سے شاہ صاحب کی فہرست تصانیف  
میں شامل ہو گئے حالانکہ پروفیسر محمد ایوب قادری کی تحقیق کے مطابق پہلا رسالہ شیخ محمد سعید  
کلبے اور دوسرا شاہ صاحب کے کسی شاگرد کا۔

مذکورہ بالا کتابوں کو دیگر تاریخی شواہد و دلائل کے علاوہ ان کی زبان و بیان اور  
اعتقادات کے لحاظ سے شاہ صاحب کی تخریب سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ قرۃ العینین اور  
جنت العالمیہ کو تذکرۃ گلشن ہند میں مرزا علی لطف نے شاہ ولی اللہ سے منسوب کیا ہے  
لیکن مولانا شبلی نعمانی۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق اور دوسرے محققین نے اس کی تردید  
کی ہے۔ شبلی نعمانی نے لکھا ہے کہ پہلی کتاب "قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین" ہے جس میں  
شہادت امام حسین علیہ السلام کے ابطال کا سوال ہی نہیں اور دوسری کتاب بالکل فرضی ہے  
حضرت معاویہؓ کے مناقب میں شاہ صاحب نے کوئی کتاب نہیں لکھی۔ مولوی محبوب علی دہلوی  
"تنبیہ الضالین" میں لکھتے ہیں کہ "شاہ ولی اللہؒ پر رافضیوں نے تہمت اور بہتان کیا کہ  
انہوں نے شہادت حسینؑ کا رد کیا ہے۔"

شاہ صاحب کے نمائندان کے ایک فرد اور ان کی تصانیف کے مشہور ناشر

ظہیر الدین نواسہ شاہ رفیع الدین دہلوی نے شاہ صاحب کی کتاب "تاویل الاحادیث فی روزہ  
قصص الانبیاء" کے آخر میں بھی قارئین کی اطلاع کے لئے لکھا ہے کہ بعض لوگوں نے بعض  
تصانیف شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کے نام منسوب کر دی ہیں  
ظہیر الدین صاحب الفاس العارین، مطبوعہ مطبع احمدی دہلی کے آخر میں ان جعلی اور  
مصنوعی کتابوں کا ذکر کرتے ہوئے تحفۃ الموحدين اور البلاغ المبين کے ساتھ مولانا عبدالعزیز  
رحمہ اللہ علیہ کے نام منسوب تفسیر موضع القرآن مطبوعہ مطبع خادم الاسلام دہلی اور مولانا شاہ

عبدالعزیز علیہ الرحمۃ کے نام منسوب ملفوظات مطبوعہ میرٹھ کا بھی تذکرہ کیا ہے۔  
 جعلی رسائل شاہ صاحب قدس سرہ کے نام نامی سے منسوب کرنے کا نللم زیادہ تر اس  
 لئے کیا گیا کہ بعض لوگ اہل سنت و جماعت کے عقیدوں کو ختم کر کے دین کو کمزور کر دینا چاہتے  
 تھے۔ شاہ صاحب کی شہرت اور عظمت کو اپنے مقاصد مذمومہ کے لئے استعمال کرنے کی کوشش  
 کتنی مکروہ ہے اہل علم و دانش اس کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔ تحفۃ المؤمنین سب سے پہلے  
 ایک اہل حدیث حاجی عبدالغفار دہلوی علی جان والے نے شائع کی (حیات ولی مطبوعہ اہل  
 المطابع بحوالہ شاہ صاحب (ولی اللہ) اور ان کا خاندان از حکیم محمود احمد برکاتی۔ قیام پاکستان  
 کے بعد مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان نے اسے دوبارہ شائع کیا۔ اس طرح اس طبقے  
 نے اس جعلی کتاب کے متعدد ایڈیشن نکال کر عامۃ الناس کو گمراہ کرنے کی پوری کوشش کی۔  
 پروفیسر محمد ایوب قادری نے مجموعہ وصایا اربعہ مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد کے صفحہ  
 ۲۷-۲۸-۲۹ پر دلائل و براہین کے ساتھ اس کتاب کو جعلی ثابت کیا ہے۔ مولانا وکیل احمد  
 سکندر پوری نے بھی اپنی کتاب وسیلہ جلیلیہ میں اس کتاب کے شاہ صاحب سے انتساب کو  
 غلط بتایا ہے۔

البلاغ المبین ۲ پہلی بار مطبع محمدی سے ایک اہل حدیث عالم فقیر اللہ نے شائع کی۔ اس  
 میں اکثر خیر مستند اور وضعی احادیث کا سوارا سے کر سواد اعظم کے عقائد کو مطعون کیا گیا ہے  
 اس کتاب کے بارے میں مولانا سید سلیمان ندوی نے بھی فرمایا ہے کہ ”یہ شاہ ولی اللہ دہلوی  
 کی تصنیف ہے ہی نہیں بلکہ کسی نے کچھ کہان کی طرف منسوب کر دی ہے تاکہ شاہ صاحب  
 کو ماننے والے ان عقائد کو مان لیں“ (تذکرہ سلیمان از غلام محمد بی اے عثمانیہ بحوالہ مجموعہ وصایا  
 اربعہ مولانا وکیل احمد سکندر پوری لکھتے ہیں۔ ”یہ کتاب کسی وہابی کی تصنیف ہے جسے کافی  
 لیاقت نہ تھی مگر اعتبار و اسناد کے لئے مولانا شاہ ولی اللہ کی طرف منسوب کی گئی“ (وسیلہ جلیلیہ)  
 مشہور اہل حدیث محقق و مؤرخ غلام رسول مہر کو بھی کہنا پڑا۔ ”البلاغ المبین تو یقیناً شاہ



ولی اللہ کی کتاب نہیں اس کا اسلوب تحریر و طریق ترتیب مطالب شاہ صاحب کی تمام تصانیف سے متفاوت ہے۔ (بحوالہ مجموعہ وصایا اربعہ مترجمہ پر فیبر الیوب تاورس)۔

’قول سدید‘ کو بھی انہی لوگوں نے لکھا اور شاہ صاحب کا نام استعمال کر ڈالا۔ شاہ ولی اللہ اور تقلید میں مولانا محمد علی کاندھلوی خواہر زادہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی کہتے ہیں ”میری حیرت کی کوئی انتہا نہیں جب میں سنتا ہوں کہ لوگ غیر تقلدیت کو پرہیز خانے کے لئے حضرت شاہ صاحب کی کتابوں سے ادھوری اور تراشیدہ عبارتیں نقل کر کے بچائے عوام کو دھوکا دیتے ہیں یہی نہیں بلکہ ’قول سدید‘ کے نام پر ایک من گھڑت کتاب کو شاہ صاحب سے منسوب کرتے ہیں۔“ اس طبقے کی اس علمی بددیانتی کے بارے میں حکیم محمود احمد برکاتی نے فاران کراچی کے جون ۱۹۶۵ء کے شمارے میں لکھا ہے ”ایک گروہ — اہل حدیث نے شاہ صاحب اور ان کے اخلاف کی طرف ایسی تحریروں کو منسوب کر دیا جو حقیقتاً ان کی نہیں تھیں اس سلسلے کا آغاز ۱۸۵۷ء سے قبل ہی ہو گیا تھا چنانچہ قاری عبدالرحمن پانی پتی اور نواب قطب الدین خان نے اس زمانے میں اس کی تردید کر دی پھر موجودہ صدی کے آغاز میں سید ظہیر الدین احمد ولی اللہی نے بار بار اس کی تردید کی لیکن ’ابلاغ البیین اور تحفۃ المؤمنین‘ جیسے رسائل آج تک شاہ صاحب کے نام سے چھپ رہے ہیں۔“ (بحوالہ پیش لفظ الطاف القدس از حکیم محمد موسی امرتسری)

محمد شمس الدین جالندھری نے مختلف مسائل میں غلامی کے کام کے فتاویٰ حاصل کر کے ۱۳۱۰ھ میں ”فتاویٰ علمائے حنفیہ“ کے نام سے قیسری پریس جالندھری سے شائع کئے ان میں عالم محقق حضرت مولانا مشتاق احمد انبیٹھوی لدھیانوی کا ”ابلاغ البیین“ کے بارے میں تحقیق فتویٰ شامل ہے اس فتویٰ کے آخر میں بہت سے تائیدی فتاویٰ بھی شامل ہیں یہ تحریر محولہ بالا کتاب کے صفحہ ۸۸ پر مشتمل ہے اس طویل اقتباس کے لئے معذرت خواہ ہوں مگر مسئلے کی اہمیت کے پیش نظر اس کو منوعاً نقل کرنا افادہ عام کے لئے ضروری ہے اس تحریر میں مولانا مرحوم و مغفور نے شاہ صاحب کی دوسری اہم

کتابوں کے حوالے سے ابلاغ المبین "کار و کیا ہے فراتے ہیں" رسالہ ابلاغ المبین "کو آخر نے نظر  
 خوردیجا اور جہاں تک تامل و فکر کیا یہ رسالہ تصنیفات حضرت شیخ الحدیث مولانا شاہ ولی اللہ صاحب  
 سے معلوم نہیں ہوا ہر چند اس میں ان عوام کا لانعام کو جو شب و روز بدعات سیئہ میں مستغرق رہتے  
 ہیں اور قید شرع شریف سے آزاد ہو کر ملقب بلقب قبر پرست بن گئے ہیں سب طور پر نہدید و  
 تویح کی گئی ہے لیکن بہت جگہ حد اعتدال سے تجاوز کر کے اور صلحاء کو بھی ان عوام ہی کے ہمراہ  
 ملا کر ایک ہی قسم کے کلمات ناشائستہ سے یاد کیا ہے اور اصل مسئلہ کو پس پشت ڈال دیا گیا  
 ہے۔ صفحہ ۱۷ میں کہتے ہیں "وہیں صورت نفع زیارت قبور اہل اسلام وغیر انہیں برابر است"  
 صفحہ ۲۸ میں صوفیہ کرام کو "ایں گردہ شقاوت پڑو" کے لفظ سے یاد کیا ہے اور مثیلاً شقاوت  
 کی سند میں صوفیہ کا یہ شعر پیش کیا ہے۔

علم حق در علم صوفی کم شود  
 ایں سخن کے باور مردم شود  
 حالانکہ حضرت شاہ صاحب نے نکات تصوف اپنے رسائل ہوامع الطاف القدس، سلطات و نیوایا  
 میں ایسے لکھتے ہیں جو علمائے نلوامبر کی سمجھ سے باہر ہیں اور خاص اس شعر کا ذکر بھی حضرت کے  
 مکتوبات مطبوعہ کے صفحہ ۱۲ میں موجود ہے۔ علاوہ انہیں چند قرائن دیگر موجود ہیں جو اس مطالبہ  
 کے مؤید ہیں

اول یہ کہ بعد حمد و صلوة اس رسالہ ابلاغ المبین میں حسب قاعدہ منفقین شاہ صاحب  
 کا نام نامی نہیں ہے اور یہ امر شاہ صاحب کی نادت کے بالکل خلاف ہے شاہ صاحب اپنے ہر  
 رسالہ میں حمد و صلوة کے بعد اپنا نام نامی ضرور لکھتے ہیں۔ ۲۲ تصانیف خورد و کلاں حدیث و  
 تفسیر و تصوف وغیرہ جو احقر کے پاس موجود ہیں ہر ایک میں شاہ صاحب نے اپنا نام لگا  
 فرمایا ہے حتیٰ کہ رسالہ تراجم بخاری میں بھی جو صرف ایک ورق کا رسالہ ہے نام لکھا ہے ان ۲۲  
 علاوہ چند تصانیف دیگر دستوں کے پاس دیکھنے کا اتفاق ہوا اسی طرح ان میں ۱۱ مولانا  
 عبدالحق صاحب مکنوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مولانا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے صفحہ ۲۶ میں شاہ صاحب

کی اکثر تصانیف کو نام بنام لکھا ہے وہاں بھی "ابلاغ المبین" کا نام نہیں لکھا۔

دوم یہ کہ ابلاغ المبین میں چند جگہ ترجمہ مشکوٰۃ شریف حضرت مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (ترجمہ مشکوٰۃ شیخ کے معتبر ہونے میں کسی کو شک نہیں لیکن حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اگر کہیں اپنی تصانیف میں حدیث بھی نقل کرتے ہیں تو صحاح ستہ وغیرہ سے لیتے ہیں مشکوٰۃ شریف سے بھی نہیں لیتے اور ترجمہ مشکوٰۃ کا حوالہ دینا تو ان سے بمنزلہ مجال عادی کے پہلے کا حوالہ دیا ہے (صفحہ ۲۷۰-۲۷۱) اور بعض جگہ اخبار الاخبار کی عبارت نقل کی ہے (صفحہ ۲۷۰-۲۷۱) اور کسی جگہ تفسیر حسینی سے بھی لیا ہے (صفحہ ۶۴) یہ تمام امور شاہ صاحب کی مصنفات کے خلاف ہیں۔

تیسرے یہ کہ اس رسالہ میں حدیث عُلَمَاءِ أُمَّتِي كَانِيَاءَ بَنِي إِسْرَائِيلَ كُو سَنًا نقل کیا ہے (صفحہ ۲۹) اور یہ حدیث یاس الفاظ بے اصل ہے صَرَحَ بِهَا الْمُعَدِّتُونَ كَمَا فِي فَوَائِدِ مَجْمُوعَةٍ (صفحہ ۹۴) و موضوعات کبیر ملا علی قاری (صفحہ ۵۷) پس ایک بے اصل حدیث کا لانا ہرگز شاہ ولی اللہ صاحب کا نام نہیں ہے۔

چوتھے یہ کہ اس رسالہ میں اذل سے آخر تک اسی امر پر زور دیا ہے کہ بنظر حصول فیضان جیسا کہ سو فیہ کہتے ہیں قبور اولیاء بلکہ انبیاء پر جانا درست نہیں ہے اور نہ ارواح سے کسی قسم کا فائدہ پہنچ سکتا ہے اور یہ امر شاہ صاحب کے مسلک کے خلاف اور ان کی دیگر مشہور تصانیف کے معارض ہے شاہ صاحب نے رسالہ فیوض الحرمین اور رسالہ در الثمین فی بشرات النبی الامین میں صرف انہی فیوضات اور برکات کا ذکر کیا ہے جو ارواح طیبہ انبیاء و اولیاء سیما امام الانبیاء خواجہ بر دوسرا علیہ من الصلوٰۃ املہا و من التحیات تمہا سے ان کو یا ان کے والد صاحب حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کو حاصل ہوئے ہیں۔ رسالہ جزء التلطیف میں فرماتے ہیں کہ مجھے اپنے والد کی قبر پر بیٹھنے سے علم توحید اور سلوک کا راستہ کھلا۔ عبارت بلفظ یہ ہے۔

بعد از وفات حضرت ایشاں دوازده سال کم و بیش برورس کتب دینیہ و عقلیہ

مواظبت نمود و در علم تو من واقع شد و توجہ بر قبر مبارکش بیش گرفت و در ان  
ایام فتح توحید و کثا و راه جذب و جانے عظیم از سلوک میر آمد۔  
فیوض الحرمین میں قبورِ ائمہ اہل بیت پر جانے ہونے اور فیض اٹھانے کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں۔  
لَوَجَّهْتُ إِلَى قُبُورِ آئِمَّتِهِمْ أَهْلِ الْبَيْتِ رِضْوَانُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ  
فَوَجَدْتُ لَهُمْ طَرِيقَةً خَاصَةً هِيَ أَصْلُ طَرِيقِ الْأَشْيَاءِ إِلَى آخِرِ  
الْعَبْدَةِ (صفحہ ۶۳)

اور مکتوبات کے صفحہ ۳ پر حضرت تاج الدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر تحریر فرما کر لکھتے ہیں کہ میں  
نے مکہ منظر کے قیقان پار میں ان کی قبر کی زیارت کی ہے عبارت بلفظ یہ ہے۔

”شیخ تاج الدین بعد وفات خواجہ محمد باقی قدس سرہ بمکہ رفت و متوطن شد و اہل مکہ  
ازوے اخذ کردند کرامات بسیار دیدند سلطان روم نائبانہ اعتقاد بہم رساند و من فصلی  
از کرامات نسخ از ثقات اہل مکہ شنیدم و در الربعین بعد الالف بر حمت حق پورت  
و در قیقان کہ جلیست بمکہ مدفون شد و فقیر زیارت قبر شریف سے کردہ انتہی“

غرض یہ کس طرح قباس میں آسکتا ہے کہ جس مضمون فیضان ارواح طیبہ کو حضرت شاہ صاحب فخریہ  
اپنے رسائل مشہورہ میں ظاہر کریں اور حسب ارتداد و اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ شُكْرًا لِنِعْمَةِ اللَّهِ  
اسے جتاویں پھر اس کی تردید اور تضحیک ”رسالہ البلاغ المبین“ میں لکھیں۔

احقر کے نزدیک زیادہ رکیک اور خسیں نہ رسالہ البلاغ المبین میں وہ مضمون ہے جو صفحہ  
میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علیٰ آلہ و صحبہ وسلم سے وفات کے بعد تو سئل پکڑنا درست  
نہیں کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وقت استسقا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے  
وسیلہ پکڑنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات پاک کو بوجہ نائب ہونے اور گزر جانے کے  
وسیلہ نہیں بنایا۔ عبارت بلفظ یہ ہے۔

در عمد خلافت امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ امساک باران شدہ بود و خلیفہ

علیہ السلام باجم غفیر برائے استسقا در مدینہ منورہ رقت وعباس رضی اللہ عنہ  
 کہ تم آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم بود تو تسل نمود وگفت اَللّٰهُمَّ اِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ بِنَبِيِّكَ  
 وَنَحْنُ الْاَلَان نَتَوَسَّلُ بِعَجْرِ نَبِيِّكَ۔ یعنی اے بار خدایا بودیم کہ می کریم تو تسل بہ پیغمبر  
 تو و الحال تو تسل می مانیم بعجم پیغمبر تو از نیجا ثابت شد کہ تو تسل بگزشتگان و عباسان  
 جائز نہ داشتہ اندر وگرنہ عباس رضی اللہ عنہ از سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بہتر نہ بود۔  
 چرا نہ گفت کہ تو تسل می کریم بہ پیغمبر تو و الحال تو تسل می کنم بروح پیغمبر تو... الخ  
 ابہما الناظرین! ہرگز امید نہیں ایسا رکیک استنباط خلاف جمہور حضرت شاہ صاحب کے قلم جو ہر رقم  
 سے لکھا جاوے کیونکہ بالاتفاق ذات پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وسیلہ ہے اور جملہ انبیاء  
 گزشتگان و تمامی عالمیان کا پیدائش عالم سے پہلے عالم ارواح میں اور پھر دنیا اور عالم بندخ پھر قیامت  
 میں چنانچہ فرمایا حضرت مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جذب القلوب میں۔

انا تو تسل واستشفاع بحضرت سید رسل واستغاثہ واستمداد بجاہ جناب او صلی اللہ علیہ وسلم  
 فعل انبیاء و مرسلین و سیرت سلف و خلف صالحین ست چہ پیش از ان وقت کہ روح پاکش  
 لباس جسمانیت پوشید و چہ بعد از ان وقت ہم در حیات دنیویہ و ہم در عالم بندخ و ہم در  
 عرصہ قیامت کہ انبیاءے مرسل را مجال نطق و تاب دم زدن نہ باشد و صلی اللہ علیہ وسلم  
 فتح باب شفاعت کند۔ اولین و آخرین را مستغرق بجا نعمت و مشمول الوار حمت گرداند  
 و در استمداد از جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دریں ہر چہ ہر موطن اخبار و آثار  
 بور و در پیوستہ الی آخر العبارة۔

اور اس استنباط کے رکیک ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس حدیث میں نام حضرت عباس سے وسیلہ  
 نہیں پکڑا بلکہ حضرت امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ ایزدی میں قرابت نبوی کو بتلایا  
 اور ان الفاظ سے عرض کیا وَنَحْنُ الْاَلَان نَتَوَسَّلُ بِعَجْرِ نَبِيِّكَ اب ہم وسیلہ پکڑتے ہیں تیرے نبی  
 کے چچا کو یہی الواقع حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے وسیلہ پکڑا ہے۔

دوسرے یہ کہ صحابہؓ ہی کے زمانہ فیض نشانہ میں قحط شدید مدینہ منورہ میں پڑا۔ سب نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس شکایت کی حضرت ممدوح نے مزار مقدس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آسمان کے بائیں روزن کھلوا دیا پھر یہاں تک بارش ہوئی کہ گھاس اگی اونٹ تازہ موٹے ہو گئے۔ اس سال کا نام عام الفتح رکھا گیا۔ الفاظ حدیث یہ ہیں:-

قَالَ قُحْطَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ قَحْطًا شَدِيدًا فَشَكُوا إِلَى عَائِشَةَ فَقَالَتِ النَّظْرُ وَالْقَبْرُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاجْعَلُوا آمِنَهُ كَوَالِي السَّمَاءِ حَتَّى لَا يَكُونَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ السَّمَاءِ سَقْفٌ قَالَ فَفَعَلُوا فَمَطَرٌ نَامِطٌ حَتَّى بَنَتِ الْعُشْبُ

وَسَمَّيْتَ الْإِبِلَ حَتَّى تَفْتَقَتْ مِنَ الشَّعْمِ فَسَمِّيَ عَامَ الْفَتْحِ (داری شریف نظامی صفحہ ۲۵)

جذب القلوب میں بعد نقل ترجمہ اس حدیث کے فرماتے ہیں:-

وامرے رضی اللہ عنہا بکثا دن دیکھ امرے واضح است بانکہ موجب فتح باب مطلوب

مطلوب دعا و سؤل آنحضرت ست صلی اللہ علیہ وسلم از درگاہ رب العالمین جل جلالہ انتہی۔

تیسرے یہ کہ جذب القلوب میں بحوالہ روایت صحیح ایک قصہ استقنا زمانہ حضرت امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ کا یہی لکھا ہے جس میں قبر شریف کی طرف رجوع کیا گیا ہے عبارت یہ ہے:-

و ابن ابی شیبہ بسند صحیح آوردہ است کہ در زمان عمر رضی اللہ عنہ قحط افتاد و شخصی بقبر

شریف نبوی آمد و گفت یا رسول اللہ! اسْتَسْقِي لِأُمَّتِكَ فَإِنَّهُمْ قَدْ هَلَكُوا آنحضرت

در خواب او آمد و فرمود برو و بعمر بشارت وہ کہ باران خواهد شد

چوتھے یہ کہ خود حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصانیف معتبرہ مشہورہ میں جن الفاظ

سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جناب میں استعاذہ کیا اور وسیلہ پکڑا ہے وہ بذاتہ دلالت

کر رہا ہے کہ رسالۃ البلاغ المبین حضرت شاہ صاحب موصوف کے مصنفات سے نہیں۔

قصیدہ بانید کے صفحہ ۲۸ میں فرماتے ہیں:-

وَ صَلَّى عَلَيْكَ اللَّهُ يَا خَيْرَ خَلْقِهِ

اے بہترین خلایق تم پر خدا کی رحمت نازل ہو۔

وَيَا خَيْرَ مَا مُوَلِّ وَيَا خَيْرَ وَاهِبِ

اور اے بہترین امید کئے گئے اور اے بہترین بخشش فرمانے والے

وَيَا خَيْرَ مَنْ يُرْجَى لِكَشْفِ رِذْيَتِهِ

اور اے بہترین اس ذات کے جس سے مصیبت کے دور ہونے کی امید کی جاتی ہے

وَمَنْ جُودُهُ تَدْفِئُ فِتَاكَ جُودَ السَّحَابِ

اور جن کی بخشش و سخاوت بادلوں کی بخشش پر غالب ہے

وَأَنْتَ مُجِبُّرِي مَنْ هُجِرِمِ مِلْمَتِهِ

اور آپ ہی پناہ میں نازل ہونے والے غموں سے

إِذَا نَشَبَتْ فِي الْقَلْبِ شَرُّ الْمُخَالِبِ

جب کہ دل میں بری چنگل چھو دے

فَإِنِّي مِنْكُمْ فِي قِلَاعِ حَصِينَتِهِ

میں آپ کے سب سے مضبوط قلعوں میں ہوں

وَحَدِّ حَدِيدٍ مِنْ سَيُوفِ الْمُحَارِبِ

اور لوہے کی دیوار میں ہوں لڑائی کی تلواروں سے

قصیدہ ہمزہ صفحہ ۴۱ میں ہے

رَسُولَ اللَّهِ يَا خَيْرَ الْبَرَاءِيَا !

اے اللہ کے رسول اور مخلوق سے بہتر

إِذَا مَا حَلَّ خَطْبُ مَدْلِهِمْ

جب وقت نہایت تاریک ماوٹہ پہنچے

أَنْبَلِكَ تَوَجَّهِي وَبِكَ السُّتْنَادِي

آپ ہی کو بلوں سے توجہ ہوتا ہوں اور پناہ پکڑتا ہوں

لَوْ أَلَّاكَ أَبْتَغِي يَوْمَ الْقَضَا يَا

میں فیصلہ کے دن آپ کی بخشش طلب کرتا ہوں

فَأَنْتَ الْحِصْنُ مِنْ كُلِّ الْبَلَا يَا

پس آپ ہر ایک بلا سے پناہ ہیں۔

وَفِيكَ مَطَامِعِي وَبِكَ اِسْتِجَايُ

اور آپ ہی سے امید کرتا ہوں اور رہا کرتا ہوں

الحاصل بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے وسیلہ پکڑنے سے انکار کرنا اور اس قصہ مذکورہ استسقا زمانہ امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ سے انکار کا استنباط کرنا یقینی قرینہ اس امر کا ہے کہ یہ رسالہ ابلاغ البین شیخ مشائخا حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب کی تصانیف میں سے نہیں۔ و فی کفایت لمن لدیرایۃ واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔ حضرتہ العبد العاصی متاقد احمد انبیسوی مدرس لدھیانہ۔

اس فتویٰ کی تائید مولانا ابوالخیر محمد ظہیر احسن عظیم آبادی۔ مولانا محمود (دلیوبند) مولانا عزیز الرحمن دلیوبندی۔ مولانا خلیل احمد۔ مولانا رشید احمد گنگوہی۔ مولانا عبدالرحمن پانی پتی۔ مولانا محمد گوہر علی۔ مولانا ریاست علیا۔ مولانا محمد عبدالرحمن۔ مولانا محمد ارشاد حسین احمدی۔ مولانا محمد حبیب اللہ مولانا محمد ریاست۔ مولانا محمد عبدالغفار۔ مولانا محمد عبداللہ۔ مولانا ابو محمد عبدالحق اور مولانا محمد لطف اللہ نے فرمائی ہے۔  
فتاویٰ علماء کے حنفیہ کے صفحہ ۱۲۳-۱۲۴ پر اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ کا فتویٰ درج ہے۔

رسالہ ابلاغ البین فقیر خضر اللہ تعالیٰ کی نظر سے نہ گزرا۔ نہ کبھی اس کا نام مصنفات شاہ ولی اللہ صاحب میں سنا اور اس کے مضامین کہ مولانا حبیب سلمہ اللہ تعالیٰ نے نقل فرمائے ہیں قطعاً وہ یہ طائفہ نجدیہ میں۔ صراحتاً باطل۔ صدق سے عاجل۔ حق کے معارض تصانیف متواترہ شاہ صاحب کے مناقض ظاہر ہوئی ہے کہ اب کسی نے مخلص سے نمازین شاہ صاحب کا چراغ گل دیکھ کہ یہ بلاغ البین کی بلاغ البین ان کے سر باندھی۔ چلو چال تو اچھی ہے۔ اگر بہال پر چال چل بھی جائے۔ باختر کا وبال وہ کس نے دیکھی ہے۔ اب تو آرام سے گزرتی ہے۔

غرض یہ ہے کہ اِذَا لَمْ تَسْتَخِجْنِي فَاَضْعُ مَا شِئْتَ

بے حیا باشش و آنچه نواہی کن

نہد مصطفیٰ احمد رضا خان محمدی سنی حنفی قادری



حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ اور ان کے خاندان کے ساتھ جہاں ان ظالموں نے یہ سلوک روا سمجھا کہ کتابیں لکھ کر ان کے نام سے چھاپ دی جائیں وہاں ان کی کتابوں میں اپنی مرضی کی عبارتیں بھی داخل کر دیں۔ شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کی تصانیف پر عملی و تحقیقی کام کرنے والوں نے جگہ جگہ اس ظلم کی نشاندہی کی ہے۔ حکیم محمود احمد برکاتی نے اپنی تصنیف لطیف و شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان - میں اس موضوع پر سیر حاصل گفتگو کی ہے اور تاویل الاحادیث - ہمعات - عقدا الجید کے علاوہ شاہ عبدالعزیزؒ کے تحفہ اثنا عشریہ اور تفسیر فتح العزیز وغیرہ میں الحاقات اور اضافوں کو ثابت کیا ہے اور کتب خانہ رام پور سے طے والے مخطوطے "سانگیت شاستر" کو محمد الدین خاں کے علی الرغم شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی تصنیف تسلیم نہیں کیا۔ عبدالرحیم ضیا۔ شاہ رفیع الدینؒ کے ترجمہ قرآن کو نا تمام قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسے دوسروں نے تمام کر کے آپ کے نام سے شہرت دی (مقالات طریقت حکیم محمود احمد برکاتی نے مولانا عبدالحلیم چشتی کے ایک محققانہ مقالے کے حوالے سے شاہ رفیع الدینؒ کے رسالہ "تنبیہ العافلین" کے ترجمے میں اصنافوں کی نشاندہی کی ہے۔ عاشق الہی میرٹھی نے مولانا رشید احمد گنگوہی کی سوانح "تذکرۃ الرشید" کے صفحہ ۱۲۰ (حصہ اول) پر شاہ اسحاق کے فتویٰ پر شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ کی مہر کا تذکرہ کیا ہے۔

جس شخص نے بھی ارشادات شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مطالعہ کیا ہے اسے "تفسیحات الہیہ" کی بہت سی عبارتوں کے الحاق اور محرف ہونے کے بلے میں شبہ نہیں ہو سکتا۔ ایسے میں جب شاہ صاحبؒ کی تحریروں میں تحریفات کی گئی ہوں جیسی کتابیں ان کے نام منسوب کی گئی ہوں۔ ضرورت ہے کہ ان کے اصلی خیالات کو عوام و خواص تک پہنچایا جائے اس مقصد کے لئے "انفاس العارفین" کی اشاعت ایک قابل تحسین فعل ہے۔ اللہ کریم ناشر کو جزائے خیر دے۔

راجا رشید محمود ایم اے

دو۔ پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ۔ لاہور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله رب العالمین و صلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وآلہ و

اصحابہ اجمعین۔ حمد و صلوة کے بعد اہل بصیرت پر پوشیدہ نہیں کہ حکایات  
المشائخ جنود من جنود اللہ اللہ کے لشکروں میں سے لشکر ہے، کے قول کے مطابق صوفیہ  
مشائخ کے اقوال و احوال جو کرامت و استقامت کو عاوی ہیں اور ظاہری و باطنی علوم  
کے جامع ہیں، مبتدیلوں کو شوق و رغبت دلاتے ہیں۔ پختہ کاروں کے لئے دستور و میزان  
ہوتے ہیں خصوصاً اولاد و اخلاف کے لئے آباؤ اجداد کے حالات سننے سے بڑا فائدہ ہوتا  
ہے۔ بسا اوقات صاحب صلاحیت کی غیرت کی رگ حرکت میں آتی ہے اور اسے کسی مقام  
پر پہنچا دیتی ہے۔ اور انصاف پسند شخص کو اپنی غلطی سے آگاہ کرتی اور توبہ کا دروازہ اس  
پر کھول دیتی ہے۔ ان امور کا لحاظ کرتے ہوئے فقیر حقیر ولی اللہ اللہ اس کے گناہوں کو  
معاف فرمانے اور سلف صالحین کے ساتھ ملائے، نے ارادہ کیا کہ اپنے والد بزرگوار

قدوة العارفين زبدة الواصلين صاحب کرامات جزیلہ اور مقامات جلیبہ سیدنا و مولانا  
شیخ عبدالرحیم اللہ ان سے راضی ہو اور انہیں راضی کرے، کے عجیب واقعات و حکایات  
اور نادر کرامات و تصرفات میں سے کچھ فوائد جو کہ آپ اور آپ کے مشائخ کرام سے ظہور پذیر ہوئے  
نیز طریقت و حقیقت کے رموز و نکات جو ان بزرگوں کے سینوں کی زمین نے اہام کے  
بادا سے قبول کئے اور ساکنان طریقت کی ہدایت کے لئے مجالس صحبت اور گوشہائے  
خلوت میں جو اقوال اور ملفوظات ان کی زبان گوہر شاں سے ہوئے اور راقم الحروف  
کے حافظ نے کما حقہ محفوظ کیا۔ جیٹہ تحریر میں ملائے۔

علاوہ ازیں اہل ذوق و وجود کے پیشوا، ارباب معرفت و شہود کے امام حلقہ  
عارفین کاملین کی آنکھ کی پتلی خدائے بے نیاز کے ساتھ وابستہ اپنے بلند پایہ چچا بزرگوار  
سیدنا و مولانا ابو رضا محمد قدس سرہ الامجد کے معارف سے اس احقر کے نزدیک نقل  
صحیح سے ثابت ہوئی ہیں کی تحریر میں مشغول ہوں ان دو اہم مقاصد سے فراغت  
کے بعد ان بزرگوں کے مختصر حالات بھی بیان کروں جن کے ساتھ اس فقیر کو قربت یا شاگردی

کا کچھ تعلق رہا ہے ہو سکتا ہے کہ اہل زمانہ عموماً اور اس خاندان کے لوگ خصوصاً ان سے  
 مستفیض ہوں اور راقم الحروف کو اپنی نیک دعاؤں میں یاد رکھیں۔ میں نے کتاب کو تین  
 حصوں میں تقسیم کیا ہے اور اس کا نام "انفاس العارفين" رکھا ہے۔ میں نے پہلے دو مقاصد  
 میں سے ہر ایک علیحدہ رسالہ کی شکل میں مرتب کیا ہے۔ ایک کا نام "لوارق الولایہ" اور  
 دوسرے رسالہ کا نام "شوارق المعرفة" رکھا ہے۔ تیسرا حصہ پانچ مقامات پر مشتمل ہے۔  
**الامداد فی آثار الاجداد**۔ مصنف کے خاندان کے حالات (۲) عطیۃ الصمدیہ  
 فی انفاس محمدیہ شیخ محمد بھپتی کے حالات (۳) النبذۃ الابریزیہ فی لطیفۃ العزیریہ  
 مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی کے حالات (۴) انسان العین فی مشائخ الحرمین (۵) الخیر اللطیف  
 فی ترجمۃ العبد الضعیف۔ خاکسار خدا سے دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مقامات کو نیک بندوں  
 کے لئے باعث تسکین بنائے۔ بے شک وہ قریب تر ہیں اور سمیع ہے۔ وہی میرے لئے کافی اور  
 بہترین ساتھی ہے۔

## حصہ اول

جناب کرامت مآب قدوة العارفين زبدة الواصلين  
سیدنا و مولانا شیخ عبد الرحیم رضی اللہ عنہ کے عمدہ اور عجیب  
تصرفات و واقعات اور واردات قلبی کے بیان میں -

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله الذي نور قلوب العارفين بلطائف الواردات والتجليات  
ملاعصم و رهم بذوارف العوارف و شرائف المعارف من دقائق الاسماء  
والصفات و اعطاهم مالا عين رأت و لا اذن سمعت و لا خطر على قلب احد سوى  
اولئك الاحرار الثقات فاحاطت بهم من بين ايديهم و من خلفهم و من  
فوقهم و من تحتهم انواع الانواع و صنوف البركات و نطقت السننهم بما  
اضاهم على العاميين طريق السلوك و الوصول من غوامض الحكم و الاسواء  
و نوارد الانفاس و الكلمات فطهر على ايديهم ما ميزهم من سائر البشر من  
قوارع الخوارق و نقائس الايات و الكرامات فسمعان من يهب ما يشاء لمن  
يشاء لا مانع الحكمة و لا راد لقضائه للحامد و لد التحيات و اشهد ان لا  
اله الا الله و حده لا شريك له و اشهد ان محمداً عبده و رسوله شهادة  
من عليها حيا و الهيات صلى الله و على اله و اصحابه نجوم الهدى و قادة  
التقى ما دامت الارض و السموات -

حمد و صلوة کے بعد فقیر ولی اللہ رضی اللہ عنہ یہ چند کلمات قدوة العارفين زبدة الواصلين  
صاحب کرامات جزیلہ و مقامات جلیلہ سیدنا و مولانا حضرت والد بزرگوار شیخ عبد الرحیم  
قدس سرہ العزیز کے اقوال و احوال و واقعات و تصرفات پر مشتمل نے اس کا  
نام بوارق الولاية رکھا ہے اللہ ہمیں کافی ہے اور وہ بہترین کار ساز ہے۔ وہی بدی  
سے باز رکھتا اور نیکی کی توفیق دیتا ہے۔

والد بزرگوار کی ابتدائی حالت - فرماتے تھے مجھے آغاز کار میں شیخ رفیع الدین

کے مزار سے الفت پیدا ہو گئی۔ میں وہاں جاتا تھا اور ان کی قبر کی طرف متوجہ ہوتا تھا۔ بسا اوقات مجھ پر بے خودی طاری ہو جاتی کہ سردی و گرمی کا احساس بھی نہیں ہوتا تھا۔

فرماتے تھے کہ شیخ رفیع الدین نے اپنی زندگی کے آخری دنوں

میں اپنے گھر کا سامان جمع کیا اور اپنے وارثوں میں تقسیم کر دیا

اپنی اولاد میں سے ہر شخص کو اس کی حیثیت کے مطابق دیا۔ جب ان کی سب سے چھوٹی اولاد

شیخ عبدالرحیم کی والدہ کی نوبت آئی تو انہیں مشائخ کرام کا شجرہ اور فوائد طریقت پر

مشتمل ایک رسالہ عنایت فرمایا شیخ کی بیوی نے کہا یہ بچی شادی شدہ نہیں ہے، اسے ان

رسائل تصوف کی بجائے جہیز دینا چاہیے، فرمایا یہ رسائل ہمیں بزرگوں سے وراثت میں

ملے ہیں۔ اس بچی کا ایک فرزند ہو گا جو ہماری اس معنوی میراث کا مستحق ہو گا۔ یہ روحانی

میراث اس کو دیں گے۔ لیکن اسباب تزویج تو وہ خدا تعالیٰ خود مہیا فرمادیں گے ہمیں اس

کا کوئی غم نہیں۔ ایک مدت کے بعد جب میں (شاہ عبدالرحیم) پیدا ہوا اور سمجھ دار ہو گیا تو

خدا تعالیٰ نے ہماری جدہ محترمہ کے دل میں یہ بات ڈال دی۔ انہوں نے وہ رسائل مجھے دے

دیئے۔ میں ان رسائل سے مستفیض ہوا۔ پھر وہ گم ہو گئے۔ اگرچہ بشارت کا لفظ مشترک تھا لیکن

ان رسائل سے نفع اندوزی نے اس بشارت کی تفسیر کو متعین کر دیا کیونکہ مخدومی شیخ

ابوالرضا ان دنوں اس کام کا ذوق نہیں رکھتے تھے اور برادر عم عبدالحمید ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔

فرماتے تھے کہ میرے ماموں شیخ عبدالحی نیک

ہو بہار پر واکے چکنے چکنے پات

مرد تھے۔ دنیا سے روگردان اور اپنے بزرگوں

کے راستہ پر گامزن تھے اور اپنی اولاد کی تربیت میں بہت کوشاں تھے لیکن وہ ان سے

متاثر نہیں ہوئے تھے۔ اس چیز کو دیکھ کر وہ مغموم رہتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک روز انہوں

نے مجھے دیکھا کہ باوجود صغر سنی کے میں نے اپنی دستار اتار کر زانو پر رکھی ہوئی تھی اور سنن

و مستحبات کی پوری اطاعت سے اچھی طرح وضو کر رہا تھا وہ بہت زیادہ خوش ہوئے

نہ خدا تعالیٰ کی حمد کہی اور کہا جب میں نے اپنی اولاد میں تربیت کا کوئی اثر نہ دیکھا تو میں ڈرا

کہ ہمارے بعد اسلاف کا راستہ ہمارے خاندان سے منقطع ہو جائیگا۔ اب معلوم ہوا کہ اس کا پیروکار ہمارے خاندان میں ہے۔ اگر وہ اولاد میں سے نہیں ہے تو کوئی غم نہیں۔ ہماری لڑکی سے تو ہے۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ پیروی اسلاف یہ ہے کہ ہر صدی کے بعد طریقہ چشتیہ کا حامل چلا آتا تھا اور اکثر اوقات پہلے آنے والا بزرگ بعد میں آنے والے کی بشارت دیتا تھا۔ یہ طویل قصہ ہے۔

بلند ہمتی | فرماتے تھے میری عمر نو یا دس سال کی تھی سلسلہ نقش بند یہ کے ایک بزرگ خواجہ ہاشم نامی بخارا سے تشریف لائے اور ہمارے محلہ میں

قیام فرمایا اور مجھ پر بہت نظر کرم رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے فرمایا مجھے ایک ایسا درود شریف معلوم ہے کہ جو شخص اسے پڑھے دو لہتمند ہو جاتا ہے۔ میرا دل اس وقت تمام تعلقات سے منقطع تھا میں نے کہا مجھے خدا تعالیٰ میرے والد بزرگوار کے توسط سے ضرورت کی چیزیں پہنچا دیتا ہے۔ مجھے زیادہ کی ضرورت نہیں خاموش ہو گئے۔ چند روز کے بعد پھر فرمایا ہمارے پاس بزرگوں سے ایک ایسی دعا پہنچی ہے کہ اگر ہم مجزوم پر دم کریں تو وہ صحت یاب ہو جاتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے اس بیماری سے محفوظ رکھا ہے اور اگر مجھے کوئی حذام والا بلا تو میں اسے آپ کی طرف راہنمائی کروں گا۔ انہوں نے سکوت فرمایا۔ چند روز کے بعد فرمایا درود اور دعا سے ہمارا مقصد تمہیں شکار کرنا تھا کیونکہ تم بلند استعداد رکھتے ہو۔ معلوم ہوا کہ تم بہت ہی بلند ہمت ہو۔ میرا اصلی منشا یہ ہے کہ صوفیہ کے اشغال میں سے کوئی شغل اختیار کرو۔ میں نے عرض کیا دل و جان سے حاضر ہوں مجھے انہوں نے شغل اشکاب تلقین کیا۔ یعنی اسم ذات ہمیشہ کا غذا یا تختی پر لکھنا چاہئے تاکہ کثرت بلا بست کی وجہ سے قوت متخیلہ میں مستحکم ہو جائے میں نے یہ شغل اختیار کیا تو یہ مجھ پر غالب آیا۔ ان دنوں شرح عقائد اور حاشیہ خیالی پڑھا کرتا تھا۔ میں نے حاشیہ بلا عبد الحکیم لکھنا چاہا۔ ایک جز کے مقدار اسم لکھتا رہا لیکن مجھے اس کا کوئی شعور نہیں تھا۔

فیض رسالت کی اثر انگیزی | فرماتے تھے میں بارہ یا تیرہ سال کا تھا کہ میں نے

حضرت زکریا علی نبینا وعلیہ السلام کو خواب میں دیکھا۔ مجھے آپ نے اسم ذات کی تلقین

فرانی قوت نبوی سے اس قدر تاثیر ہوئی کہ اس عمر میں باوجود تحصیل علم میں مشغولیت اور ذکر کی طرف کم توجہ ہونے کے اس طرح ظہور پذیر ہوتا تھا کہ قوی الطلب لوگوں سے مشاہدہ نہیں ہوتا تھا۔ شیخ عبدالعزیز قدس سرہ کو میں نے خواب میں دیکھا فرمایا بیٹا! کسکی کے ہاتھ میں دست ارادت نہ دینا یہاں تک کہ حضرت خواجہ تمہیں قبول فرمائیں پھر تمہیں اختیار ہے میں نے اس خواب کو خواجہ خرد کی خدمت میں بیان کیا اور اس کی تعبیر پوچھی اور عرض کیا کہ آپ کے سوا اس شہر کے مشاہیر میں سے کوئی خواجہ کے لقب سے ملقب نہیں فرمایا تھا اسے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ تمہیں خواجہ کائنات علیہ افضل الصلوات وامل التحیات کی بیعت میسر آئے گی کیونکہ اس فقیر کا مرتبہ اس سے بہت فروتر ہے کہ حضرت شیخ عبدالعزیز خواجہ کے لقب سے تعبیر کریں۔ فقیر کو اسی طرح یاد ہے اور بعض دوست عبدالعزیز کی بجائے خواجہ نقشبند کا ذکر کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

فرماتے تھے اس کے بعد میں اس حقیقت کا منتظر تھا اور درود شریف پڑھنے میں بہت زیادہ مصروف رہتا تھا۔ ایک رات میں درود شریف پڑھ رہا تھا کہ چاند کے نور کی مانند ایک نور ظاہر ہوا۔ حالانکہ چاند کی رات نہیں تھی۔ آہستہ آہستہ اس نے زمین پر پھیلنا شروع کیا پھر میری چار پائی اور میرے جسم پر آیا جب تک وہ میرے سر سے نیچے تھا مجھ میں پورا ذوق و شوق تھا جب وہ میرے سر پر آیا میں بے ہوش ہو گیا۔ بظاہر میرا وجود مفقود ہو گیا۔ واللہ اعلم کہ میرے والد نے مجھے تلاش کیا میں انہیں نہ ملا۔ اس وجہ سے وہ بہت بچپن و بے قرار ہوتے میں اسی غیبوبت کے دوران یکے بعد دیگرے آسمان طے کرتا ہوا ان کے اوپر پہنچا۔ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضوری حاصل ہوئی اور آپ نے میری بیعت قبول فرمائی اور مجھے نفی و اثبات کی تلقین فرمائی اس کے بعد افاقہ ہو گیا۔ چند دنوں کے بعد میں نے خواجہ خرد کی خدمت میں عرض کیا جو مقصد تھا وہ حاصل ہو گیا۔ اب میری اصلاح کی کیا صورت ہے۔ فرمایا۔ ظاہر میں بھی کسی سے بیعت ہونا چاہیے۔ میں نے عرض کیا۔ میں آپ سے بیعت ہونا چاہتا ہوں۔ فرمایا میں تمہیں بہت دوست رکھتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہاری بیعت میرے ساتھ ہو۔ میں نے عرض کیا کہ میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ دوستی بیعت نہ کرنے کا

سبب کیوں ہے۔ فرمایا وجہ یہ ہے کہ بعض ممنوعہ امور کا ترکیب ہوتا ہوں اور اتباع سنت میں سستی کر جاتا ہوں ایسا نہ ہو کہ میرے ساتھ ربط کی وجہ سے شرع کے راستے سے تمہارے قدم ڈگمگا جائیں لیکن مجلس میں فیض کیسی قسم کا دینغ نہیں ہوگا۔ میں نے عرض کیا جس سے آپ فرمائیں بیعت ہو جاؤں فرمایا اگر شیخ آدم بنوری قدس سرہ کے خلفاء میں سے کوئی ہو تو بہت مناسب ہے کیونکہ وہ شریعت کی پابندی، ترک دنیا اور تہذیب نفس میں اونچا مقام رکھتے ہیں جو دوسروں کو حاصل نہیں ہیں میں نے عرض کیا ہمارے پڑوس میں آپ کے خلفاء میں سے عبداللہ شرفیاء پذیر ہیں 'فرمایا' غنیمت ہیں ان سے تعلق کر لینا چاہیے۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ باوجودیکہ ان پر علیحدگی اور تنہائی کا غلبہ تھا پہلی ملاقات میں ہی انہوں نے بیعت قبول فرمائی۔ اس کے بعد خواجہ خرد اور سید عبداللہ دونوں کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا اور فیض صحبت حاصل کرتا رہا۔

**قانونِ فطرت**  
 فرماتے تھے کہ شغلِ اسم ذات جو میں نے حضرت زکریا علیہ السلام سے حاصل کیا تھا۔ کا مجھ پر غلبہ تھا اور اس سے مجھے بڑی لذت حاصل ہوتی اور میں نفی و اثبات نہیں کر سکتا تھا۔ اگر کرتا تو لذت حاصل نہیں ہوتی تھی۔ اس وجہ سے میں بہت شرمندہ تھا میں نے سید عبداللہ سے اس کے علاج کی درخواست کی۔ آپ نے چند مرتبہ توجہ فرمائی۔ کوئی فائدہ نہ ہوا فرمایا وہ چیز جو انبیاء کے انفاسِ طیبہ سے مستحکم ہوتی ہو ہم اسے تبدیل نہیں کر سکتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف متوجہ ہو اس کا علاج دہاں سے ہوگا۔ میں نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی تو مجھ پر نفی و اثبات کا شغل جاری ہو گیا اور میرے لئے بہت آسان ہو گیا۔ حتیٰ کہ اس عمر میں ایک سانس میں دو سو بار کہتا اور کسی طالب میں میں نے ایسا جذب و کشش باوجود تحصیل علم اور دوسرے موانع کے نہیں دیکھا۔

**ذکر حضرت حافظ سید عبداللہ قدس بسترہ۔**

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ سید عبداللہ دراصل قصبہ کھیری کے رہنے والے



تھے جو بارہہ کے نواح میں واقع ہے۔ ان کے والد نے کھیری کو وطن بنا لیا تھا۔ کم عمری میں ہی ان کے والدین فوت ہو گئے تھے۔ ان کے دل میں اسی وقت سے خدا طلبی کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ جگہ جگہ اولیاء اللہ کی تلاش کرتے رہے یہاں تک کہ پنجاب کے ایک بزرگ کی خدمت میں پہنچے جو علم قرأت میں مہارت تامہ رکھتا تھا۔ اور صحرا کی ایک مسجد میں اپنا وقت گزار رہا تھا۔ لوگوں کے میل جول اور آمد و رفت سے فارغ انتہائی متوکل تھا۔ سید صاحب ان کی خدمت میں رہ کر راہ حق طلب کرنے لگے۔ انہوں نے سید صاحب سے فرمایا: تمہاری تلقین و ہدایت ایک دوسرے بزرگ سے وابستہ ہے۔ جہاں تم انشاء اللہ ضرور پہنچو گے۔ البتہ حفظ قرآن کی نعمت مجھ سے حاصل کیجئے۔ چنانچہ سید صاحب اسی جنگل میں مدت تک ٹھہرے رہے اور قرآن حفظ کیا۔ ان کے فیض صحبت سے گوشہ نشینی اور ترک دنیا کے آداب سیکھے اور نفس و شیطان کی کج رویوں سے کنارہ کشی کے انداز سیکھے۔

## سماعت قرآن کیلئے آنحضرت کی تشریف آوری

سید عبداللہ صاحب دونوں قرآن مجید کا دور کر رہے تھے کہ کچھ لوگ عرب صورت سبز پوش گردہ در گردہ ظاہر ہوئے۔ ان کے سردار نے مسجد کے قریب کھڑے ہو کر ان قاریوں کی قرأت کو سنا اور کہا: "بارک اللہ اذیت حق القرآن" اور مراجعت فرمائی ان عزیزوں کی عادت تھی کہ قرآن مجید پڑھتے وقت آنکھیں بند کر لیتے تھے اور کسی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے جب سورہ ختم کر لی تو سید عبداللہ سے پوچھا کہ وہ کون لوگ تھے ان کی ہیبت سے میرا دل کانپ اٹھا لیکن قرآن مجید کے احترام کی وجہ سے میں کھڑا نہیں ہوا۔ سید عبداللہ نے کہا کہ اس اہل قسم کے لوگ تھے جب ان کا سردار پہنچا تو میں بیٹھا نہ رہ سکا۔ میں نے اٹھ کر ان کی تعظیم کی۔ اسی گفتگو میں تھے کہ ایک اور آدمی اسی وضع کا آیا اور کہا: گذشتہ رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے مجمع میں تشریف فرما تھے اور اس حافظ کی جو اس جنگل میں ٹھہرا ہوا ہے تعریف فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ علی الصبح میں اس سے ملوں گا اور اس کی قرأت سنوں گا۔ آپ تشریف لائے تھے یا نہیں اور اگر تشریف لائے تھے تو

کہاں گئے۔ ان دونوں نے جب یہ بات سنی تو دائیں بائیں بھاگے لیکن کوئی نشان نہ ملا۔ راقم الحروف کا گمان ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اس واقعہ کے بعد مدت دراز تک اس جنگل سے خوشبو آتی تھی۔

فرماتے تھے جب میں حفظ قرآن سے فارغ ہو گیا۔ انہوں نے اجازت دے دی کہ جہاں کہیں صاحب ولایت ہو اس کی خدمت میں

## مجاہدہ نفس

چلے جاؤ اور پوری کوشش سے اس کی خدمت کرو۔ وہ پھرتے پھرتے سامانہ میں شیخ ادیب سامانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے اور وہ متوکل تھے۔ آمد و رفت کا دروازہ بند کئے ہوئے تھے۔ بڑی مشکل سے گزارہ کرتے تھے اور سلسلہ قادریہ سے منسلک تھے۔ پہلی مرتبہ جب ان سے درخواست کی گئی تو انہوں نے فرمایا فقرا بہت ہیں کسی کے پاس چلے جاؤ۔ میرے پاس تو صرف وہی شخص ٹھہر سکتا ہے جو خورد و نوش اور خلق کی آمیزش سے پورے طور پر منقطع ہو چکا ہو۔ اور حاجت ضروریہ کے بغیر میرے دروازے سے باہر قدم نہ رکھے۔ حضرت حافظ نے یہ تمام شرائط قبول کر لیں اور ان کی خدمت میں راہ سلوک طے کرنے لگے۔ اور مردوں کے آئین کے مطابق اس اختیاری موت پر صابر بلکہ خوش تھے۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے شیخ کی توجہ ان کی طرف بہت ہو گئی۔ اسی اثنا میں شیخ کالا کا ان سے قرآن مجید حفظ کرنے لگا۔ اس اعتبار سے شیخ کی توجہ اور زیادہ بڑھ گئی۔ اور وہ بھی شیخ کی خدمت میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے تھے جنہر ت حافظ فرماتے تھے ان دنوں میری عادت تھی کہ استنجا کے ڈھیلے فقراء کے لئے پتھر سے صاف کرتا تھا۔ ایک روز اس چیز کو دیکھتے ہوئے مجھ میں عجب اور سرور پیدا ہوا۔ شیخ کو اس بات کا علم ہو گیا۔ فرمایا میرے چہرہ اور جسم پر تم تبدیلی دیکھتے ہو۔ میں نے کہا۔ ہاں۔ انہوں نے فرمایا۔ ابتدائے سلوک میں ایک بزرگ کی خدمت میں پہنچا۔ استنجا کے ڈھیلوں کو اپنے چہرہ اور جسم پر گرہ کر صاف کرتا تھا جس سے مجھے بڑا مزہ آتا یہ ان ہی زخموں کے نشان ہیں۔ یہ بھی فرماتے تھے کہ ان دنوں میری عادت تھی کہ میں شیخ اور انکے گھر والوں کے کپڑے پنج شنبہ کے روز نہر پہلے جاتا اور اپنے ہاتھوں سے دھوتا تھا تاکہ جمعہ کی نماز میں دھلے ہونے سے بچ سکوں۔ یہ بھی فرماتے تھے کہ ایک پنج شنبہ کے روز میں فاتحہ سے تھا جسب دستور کپڑے

نہر پر لے گیا اور لوگوں سے الگ ایک جگہ کپڑے دھونے میں مصروف ہوا۔ جب دھوپ تیز ہو گئی بھوک اور پیاس نے غلبہ کیا تو میں بے ہوش ہو گیا۔ اس وقت ایک برقع پوش آدمی میرے پاس پہنچا۔ اس نے مجھے اٹھایا اور برقعہ کے نیچے سے گرم روٹی نکال کر مجھے دی اور فرمایا۔ کیا تو نے نہیں پڑھا۔ وَلَا تَأْتُوا بَأْيِدِ الْكُفْرَانِ الْتَهْلُكَةِ۔ میں ڈرا کہ شیطان نہ ہو جو مجھے دھوکا دے رہا ہو۔ میں نے اس کے ہاتھ سے روٹی نہ لی۔ اسے میرے اس خیال کا علم ہو گیا۔ اس نے کہا یہ خیال مت کرو۔ ان الفاظ کے ساتھ ہی میرا اندیشہ جاتا رہا۔ میں نے روٹی لے کر بیٹ بھر کر کھانی میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ نہر کا پانی گرم ہے۔ کاش ٹھنڈا پانی یہاں ہوتا جسے میں پیتا۔ وہ میرے اس خیال سے بھی مطلع ہوا۔ برقعہ کے نیچے سے ٹھنڈے پانی کا پیالہ نکالا۔ اور مجھے دیا میں نے ٹھنڈا پانی سیر ہو کر پیا۔ اس کے بعد کپڑے دھو کر شیخ کی خدمت میں لایا مجھے دیکھتے ہی فرمایا۔ سید خضر کے ہاتھ سے تم نے روٹی لے لی۔ محمد یوں کو خضر کا احسان نہیں اٹھانا چاہیے۔

فرماتے تھے ایک مرتبہ خواجہ ادریس اپنے حجرہ میں خدا تعالیٰ کی یاد میں

## بے تودی

مستغرق تھے۔ گھر والوں کی عادت تھی کہ ہر سال اس مکان میں جانوروں

کے لئے گھاس پھوس وغیرہ ذخیرہ کیا کرتے تھے۔ اتفاقاً اس وقت بھوسہ وغیرہ ڈالنا شروع کیا۔ انہیں شیخ کی مصروفیت کا علم نہیں تھا۔ شیخ بھی انتہائی عالم استغراق میں تھے انہیں بھی کوئی احساس نہ ہوا۔ انہوں نے اس حجرہ کو بھر کر اس کا دروازہ بند کر دیا۔ جب زیادہ وقت گزر گیا تو انہوں نے شیخ کو تلاش کیا مسجد میں تلاش کیا۔ نہ ملے۔ آنے جانے والے سے پوچھا کوئی خبر نہ ملی۔ وہ مایوس ہو کر تلاش چھوڑ بیٹھے۔ چھ ماہ بعد جانوروں کے چارہ کی انہیں ضرورت ہوئی حجرہ کا دروازہ کھول کر گھاس وغیرہ کو باہر نکالا۔ آخر کار نکالنے والے کا ہاتھ شیخ پر پڑا۔ وہ چونکا ہوا کہ یہاں کوئی آدمی ہے جب انہوں نے اچھی طرح دیکھا تو شیخ کو پہچان لیا۔ لوگوں کا ہجوم ہو گیا۔ اس وقت شیخ کو بھی افاقہ ہوا۔ ان کو نہ تو درازی مدت کی کوئی خبر تھی اور نہ ہی ان کے جسم پر نہ کھانے کا کوئی اثر تھا اور یہ عجیب واقعات میں سے ہے۔ واللہ اعلم۔

سننے میں آیا ہے کہ شیخ بزرگوار حضرت احمد سرمندی کے کمالات

مشہور ہوئے۔ شیخ ادریس نے آپ کی خدمت میں لکھا کہ میں

## راستہ کی الجھن

اگر زمین کی طرف نظر ڈالتا ہوں تو وہ مجھے دکھائی نہیں دیتی اور اگر آسمان کی طرف دیکھتا ہوں۔  
تو وہ بھی نظر نہیں آتا۔ اسی طرح عرش کرسی بہشت اور دوزخ کا وجود بھی مجھے نہیں ملتا۔  
اور اگر کسی کے پاس جاتا ہوں تو اس کا وجود بھی نہیں ہوتا۔ اور اپنا وجود بھی نہیں پاتا اور حق تعالیٰ  
کا وجود بے پایاں ہے۔ اس کی نہایت کو کسی نے نہیں پایا۔ بزرگوں نے بھی یہاں تک بیان کیا ہے اور  
اس جگہ پہنچ کر سیر سے عاجز آگئے ہیں۔ اگر آپ بھی اس کو کمال سمجھتے ہیں تو فیہا اور اگر کوئی دوسرا  
کمال اس کے علاوہ ہے تو مجھے اطلاع دیں تاکہ ہم دوسرے ملک میں جہاں زیادہ طلب ہو  
وہاں جائیں۔ حضرت شیخ احمد سرہندیؒ نے لکھا۔

**جواب مجدد**۔ مخدوم! یہ اور اس قسم کے دوسرے حالات تلون قلب کا نتیجہ ہیں شاید  
بتاتا ہے کہ ان حالات کا حامل مقامات قلب میں ایک چوتھائی سے زیادہ طے نہیں کر سکا بھی اسے  
تین حصے اور طے کرنے چاہئیں۔ تاکہ معاملہ قلب کو مکمل طور پر طے کر کے سمجھ سکے۔ مقام قلب  
سے گزرنے کے بعد مقام روح آتا ہے۔ مقام روح سے آگے مقام سر کا دروازہ کھلتا ہے اور مقام  
سر کو طے کرنے کے بعد مقام نخی تک پہنچتا ہے تب اس پر مقام اخفی کے اسرار و رموز کھلتے ہیں۔  
ان چار حصوں کے علاوہ دل پر کچھ اور اثرات بھی مرتب ہوئے ہیں جن کے احوال و کیفیات جدا جدا ہیں  
ان تمام کو فردا فردا طے کرنا چاہیے۔ (آخر مکتوب تک)

اس کے بعد شیخ ادیس کو شیخ احمد سرہندی کی ملاقات کا شوق ہوا اور ان کی مجلس میں حاضری  
کا پختہ ارادہ کر لیا لیکن بعض موانعات کی وجہ سے یہ خواہش پوری نہ ہو سکی اور شیخ احمد سرہندی کا  
زمانہ ارشاد ختم ہو گیا۔ ہو سکتا ہے کہ دوسرے دوست مراد سید عبداللہ شاہ ہوں۔ میرے دل میں  
خیال گزرتا ہے کہ حضرت والد صاحب اس قصہ کو آدم بنوری کے متعلق بیان کرتے تھے فرماتے  
تھے کہ شیخ ادیس نے شیخ بنوری کی خدمت میں لکھ کر بھیجا کہ مجھے ہر چیز میں خدا دکھائی دیتا ہے۔  
اور اس نور پاک سے درو دیوار بھر پور پاتا ہوں۔ شیخ آدم نے جواب دیا کہ عمدہ اور عجیب  
حالت ہے لیکن کا ملین مقابلہ میں کوچہ تنگ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ شاہراہ عظیم ابھی  
درپیش ہے۔ اس کے بعد ان پر شیخ آدم کی ملاقات کا شوق غالب آیا لیکن انہی دنوں بیمار  
ہو گئے اور رحمت خداوندی کے سایہ میں چلے گئے۔ سید عبداللہ اس واقعہ کی بنا پر ان کی

وفات کے بعد حضرت شیخ آدم کی خدمت میں حاضر ہوئے، معلوم نہیں کہ یہ وہی پہلا قصہ ہے جو غلطی سے ذرا تبدیل ہو گیا ہے یا یہ کوئی دوسرا قصہ ہے۔

حاصل کلام سید عبداللہ شیخ آدم قدس سرہ کی خدمت میں پہنچے، سید صاحب نے انہیں شیخ عالی مقام، متشرع عظیم عارف اور قوی التأثير پایا۔ ان کے طریقہ کو پسند کرتے ہوئے ادھر ادھر کی آمد و رفت کو چھوڑ کر مدت تک ان کی صحبت میں رہے۔

واضح رہے کہ سید عبداللہ کے چچا یا چچا زاد بھائی جن کا نام سید عبدالرحمن تھا بہت خوشحال تھے۔ اور وہ بڑے امرا میں شمار ہوتے تھے اور انتہائی دیندار تھے۔ حضرت والد ماجدان کی دینداری کا بہت ذکر فرمایا کرتے تھے۔ وہ بھی شیخ آدم بنوری قدس سرہ کے مرید تھے۔ اسی لئے شیخ کے انتقال کے بعد سید عبداللہ ہمیشہ سید عبدالرحمن کے ساتھ رہتے تھے اور آپس میں بہت محبت رکھتے تھے۔ حضرت سید عبداللہ عقیف و پاک امن تھے۔ زندگی بھر شادی نہیں کی تھی۔ محلہ کشک نرود میں سید عبداللہ کے قیام کا سبب سید عبدالرحمن کی رفاقت تھی۔ شیخ آدم کے تمام مکتوبات جو سید عبداللہ کے نام لکھے گئے سید عبدالرحمن کا نام بھی ساتھ ملتا ہے۔ شہادت کے طور پر شیخ آدم کے دو مکتوب بعینہ نقل کئے جاتے ہیں جو حافظ عبداللہ اور سید عبدالرحمن کے نام صادر ہوئے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ  
عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ اَجْمَعِیْنَ الْاَكْرَمِیْنَ۔ اللّٰهُ تَعَالٰی دِیْنِیْ اَوْ رِیْوِیْ كَامُوْنَ  
میں اپنی رضا کے مطابق خالص مخلص جمعیت عطا فرمائے۔  
زاں یار دلنوازم شکر سیت نے شکایت گزرتے دان عشقی خوش بشنواں شکایت  
یہ فقیرانہ سلام نامہ برادران معنوی کی خدمت میں بطریق انتباہ مطالعہ سے گزرے کیونکہ  
چل چلاؤ کا وقت ہے اور کل کا کام کل ہی کے عمل میں شمار ہوگا اللہ نیک کی توفیق دینے والا  
ہے اور اس سے راہ راست اور رشد و ہدایت کی توفیق اس کے حبیب آل اطہار اصحاب  
کبار و تابعین ذی وقار کے طفیل حاصل ہوتی ہے۔ ان سب پر صلوات و سلام ہو یہاں کے  
تمام اجاب کی طرف سے برادرانہ تعلیمات قبول فرمائے۔ سیادت پناہ سید عماد حافظ

عبداللہ اور حافظ عبدالرحمن کے نام صادر ہوا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد لله رب العالمین والصلوة علی  
خیر خلقہ محمد وآلہ اجمعین الاکرمین۔ برادران طریقت سیادت پناہ  
توفیق آثار سید عماد و حافظ عبدالرحمن سلام فقیرانہ کے بعد واضح ہو کہ اس طرف کے  
حالات لائق حمد ہیں اور آپ بھائیوں کی سلامتی اور استقامت اللہ تعالیٰ سے مطلوب ہے  
اور اللہ تعالیٰ ہی دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے۔ علاوہ ازیں آنجناب کا ایک گرامی نامہ جو  
اخلاق سے پُر تھا۔ بارہ سے اور دوسرا حافظین (حافظ عبداللہ و حافظ عبدالرحمن) کی  
طرف سے اکبر آباد سے پہنچا اللہ کا شکر و احسان ہے کہ آپ لوگ صحت و سلامتی سے ہیں۔  
اور فقیروں کی یاد سے بھی غافل نہیں۔ بہر حال مجھے توقع ہے کہ یہ اخلاص دونوں جہان  
کی سعادت کا باعث ہوگا۔ اللہ کے فضل و احسان سے۔ اے بھائی! وقت گزرتا جا رہا  
ہے۔ صدق دل سے گریہ و زاری اور دعا ضروری ہے۔ تاکہ حق تعالیٰ باقی عمر اس دار فانی  
میں ضائع ہونے سے بچائے۔

فرماتے تھے کہ سید عبداللہ فرماتے تھے کہ آغاز میں جب میں شیخ آدم کی خدمت میں پہنچا  
میرا دل روحانی نسبت سے بالکل خالی ہو گیا اور جمعیت میں مکمل فتور مشاہدہ میں آیا میں  
پریشان ہو گیا میں نے شیخ کی خدمت میں عرض کیا انہوں نے فرمایا پہلی نسبت سرکہ کا حکم  
رکھتی تھی اور وہ جمعیت جو ہماری صحبت سے حاصل ہوگی گلاب کی مانند ہے۔ اور قاعدہ  
یہ ہے کہ جب بوتل میں سرکہ ہو اور اس میں گلاب ڈالنا چاہیں تو پہلے اس بوتل کو سرکہ سے  
خالی کیا جاتا ہے اور اسے دھو کر سرکہ کا اثر اور وجود ختم کرایا جاتا ہے تب وہ گلاب ڈالنے  
کے قابل ہوتی ہے۔

حضرت والد ماجد شیخ آدم بنوری کی اولاد میں سے کسی سے نقل فرماتے تھے کہ سید عبداللہ  
شیخ آدم کی صحبت کے زمانہ میں ایک روز درخت کے نیچے آنکھیں بند کئے پوری جمعیت کے  
قرآن مجید پڑھ رہے تھے۔ اس درخت سے بہت سی چڑیاں مر کر گر پڑیں اور بعض ماوراء النہر  
کے لوگ جو حضرت شیخ کی بیعت کے لئے آئے ہوئے تھے تمام ذوق سماع سے وجد میں تھے

کسی شخص نے شیخ کو اس صورت حال سے آگاہ کیا انہوں نے آکر کہا حافظ بس کر انہوں نے آنکھیں کھولیں اور احتراماً کھڑے ہوئے اور پڑھنا بند کر دیا۔

حضرت والد ماجد فرماتے تھے جب سید عبداللہ قرآن مجید پڑھتے تھے تو مسجد میں کوئی شخص ایسا نہیں ہوتا تھا کہ ذوق

## قرآن کی اثر آفرینی

سماع سے سر جھکائے ہوئے نہ ہو۔ ایک مرتبہ دارالاشکوہ کے نو قاری ان کے لئے آئے ہر ایک نے ایک قاعدہ جیسے وقت مد تعظیم ترقیق اور بریلوں وغیرہ منتخب کر لیا اور ان نے قرآن پڑھنے کی درخواست کی۔ فرمایا ایک دور کو ع کہو تو ابھی پڑھ دوں اور اگر توقف کرو تو دو پائے نماز صبحی کے بعد پڑھو ننگا۔ توقف کیا۔ ان دو سپاروں میں انہیں ہرگز بحث و اعتراض کی گنجائش نہ ملی۔ قرأت سے فراغت کے بعد حضرت حافظ صاحب نے فرمایا کہ لوگ قرأت سبعماس طرز پر پڑھتے ہیں کہ ہر لفظ کو چند انداز سے پڑھتے ہیں۔ یہ طریقہ میرے نزدیک کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ ایک بار بطریق عاصم تلاوت کی جائے کہ دوسرے کا طریقہ اس میں بالکل نہ ہو اور دوسری بار ابو عمرو کے طریق پر تلاوت کرے اور دوسرے کو اس میں نہ ملانے علیٰ ہذا القیاس تمام قاری عاجز آگئے۔

فرماتے تھے کہ حضرت حافظ صاحب سے یہ نکتہ میں نے کئی بار

## مفہوم کرامت

سنا کہ کفش بر سر کشف یعنی استقامت کا اعتبار ہے۔ کرامت کا نہیں فرماتے تھے کہ حضرت حافظ صاحب کا طریقہ انخار اور خمول تھا۔ اور لوگوں میں عام لوگوں کی طرح رہتے تھے۔ کسی سے ہرگز کوئی امتیازی سلوک نہیں کرتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ پیسوں اور ہواؤں کے دروازوں پر جاتے اور ان کی خدمات مثل پانی لانا غلہ خریدنا وغیرہ کیا کرتے تھے۔ اور اکثر ہوتا ہوتا تھا کہ بوڑھی عورتیں اپنے آقاؤں کا سامان لینے آتیں تو حضرت حافظ صاحب یہ کام اپنے ذمہ لے لیتے اور فرماتے کہ اپنے آقا کو یہ بات مت بتانا وہ تمہیں تکلیف دیں گے۔

باوجود اس گمنامی کے شیخ آدم بنوری کے فیض یا قسگان جیسے عبداللہ کہاتی جن کا لقب حاجی بہادر تھا شیخ بایزید اور اس قسم کے دوسرے لوگ حضرت سید کی انتہائی تعظیم

کرتے تھے۔

والد صاحب فرماتے تھے، سید عبداللہ فرماتے تھے کہ آغاز سلوک میں میں ایک مجذوب کے پاس گیا جو ہمیشہ بازاروں میں برہنہ پھرتا تھا۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو بھاگ کھڑا ہوا میں اس کے پیچھے چلا۔ جب ہم بستی سے باہر نکل آئے وہاں ایک بوڑھی عورت لکڑیاں جمع کر رہی تھی۔ اس مجذوب نے اس کی اوڑھنی لے کر ازار باندھا اور میری طرف متوجہ ہو کر اسلام علیکم کہا۔ پھر ہا میں برہنہ تھا مجھے آپ سے شرم آئی تھی۔ آپ نے میرا پچھا کیوں کیا۔ میں نے کہا میں جانتا تھا کہ تمہاری عادت ہی ایسی ہے۔ اس نے کہا بستی کے لوگ چوپائے ہیں۔ اولئك كالانعام بل هم اضل سبیلار میں ان کی پرواہ نہیں کرتا۔ جب کوئی صاحب دل آجاتا ہے تو لباس پہن لپیتا ہوں۔

والد بزرگوار فرماتے تھے کہ سید فرماتے تھے کہ جب شیخ آدم قدس سرہ نے حج کا پختہ ارادہ کر لیا میں نے بھی ساتھ جانے کے عزم کا اظہار کیا۔ آپ نے اجازت نہ فرمائی اور مجھے رخصت کر دیا۔ میں نے عرض کیا کہ مالدار رفاقت کی دولت سے سرفراز ہوتے ہیں فقیر جو کہ شادی شدہ نہیں ہے اور کسی کے خرچ کا ذمہ دار نہیں کیوں محروم رہ گیا۔ فرمایا تمہارا بنانا حکمت کی وجہ سے ہے جو تمہیں معلوم ہو جائے گی۔ اب معلوم ہوا کہ وہ حکمت تمہاری تربیت تھی۔

والد صاحب فرماتے تھے سید فرماتے تھے کہ تم بچہ تھا اور بچوں میں کھیلتا تھا ہماری طبیعت تمہاری طرف مائل ہوتی تھی۔ میں دعا کرتا تھا کہ خداوند! اس بچہ کو ولی بنا دے اور میرے ہاتھ سے کمال ظاہر کرے۔ الحمد للہ اس کا نتیجہ برآمد ہو گیا۔

والد صاحب فرماتے تھے کہ سید کبھی بھی مجھ سے خدمت طلب نہیں کرتے تھے اگر میں خدمت کرنا چاہتا تو کسی بہانے سے روک دیتے تھے۔ ایک رات اس عمل سے میرے دل میں وسوسہ پیدا ہوا۔ چنانچہ اس خیال کے اظہار کے لئے میں ان کے حجرے میں چلا گیا گرمی کا وقت تھا۔ کپڑے بدن سے اتار رکھے تھے مجھے دیکھتے ہی خوش آمدید کہا اور فرمایا میرے جسم سے میل اتار دو۔ میں انتہائی خوشی سے جسم کی میل اتارنے لگا۔ اسی اثنا میں فرمایا۔



تمام ہاتھ کو کیوں تکلیف دیتے ہو۔ یہ کام دو انگلیوں سے بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ میں نے دو انگلیوں پر اکتفا کی۔ پھر فرمایا راہِ طریقت میں خدمت لینے کی جو شرط تھی وہ پوری ہو گئی، آئندہ ایسے اندیشہ کو دل میں راہ نہ دینا کیونکہ میں نے اپنی طرف سے صحبت ظاہر و باطنی کے تمام حقوق تمہیں معاف کر دیتے ہیں۔

سید صاحب ایک بزرگ سے جو شیخ آدم نبوری کے صحبت یافتہ تھے مصنف کے گمان میں یہ بزرگ سید صاحب کے عم محترم یا ان کے کوئی چچا زاد بھائی تھے۔ سے روایت کرتے تھے کہ سید علم اللہ مجھ سے علم حاصل کیا کرتے تھے۔ اسی دوران انہیں طریقت کا شوق پیدا ہوا اور شیخ آدم نبوری کی خدمت میں حاضری دینے لگے۔ اکثر اوقات حصول علم میں حرج ہونے لگا۔ میں نے انہیں اس بات پر بہت ڈانٹا۔ اسی اثنا میں میری زبان سے نکلا۔ علم سے بے پیرہ عاصی فقیروں سے تجھے کیا فائدہ حاصل ہوگا۔ یہ سن کر سید علم اللہ کی حالت تبدیل ہو گئی اور کہنے لگے کہ تم اور تم جیسے لوگ اور ان کی صحبت میں آئیں تو اپنے آپ کو گونگے اور جاہل مطلق سمجھنے لگیں۔ میں بہت ناراض ہوا اور جوش سے بھر گیا اور علم کلام کا ایک انتہائی مشکل مسئلہ تلاش کر کے انہیں عاجز کرنے کی نیت سے ان کے پاس پہنچ گیا۔ وہ عزت و تکریم سے پیش آئے میں نے اپنا اشکال پیش کیا۔ پہلے تو فرمایا یہ خالص علمی مسئلہ ہے اور فقیر عاصی ہے۔ ہاں البتہ تم عالم ہو۔ مجھے کیا معلوم۔ یہ تو تم ہی سے حل کرانا چاہیے۔ اسی طرح مثال متول کرتے رہے۔ میں نے یقین کر لیا کہ علم لدنی کے دعویٰ کی تو اصلیت نہیں ہے اور اس اشکال میں ان کی عاجزی ظاہر ہو گئی یکدم ان کا چہرہ سرخ ہو گیا اور بلند آواز سے فرمانے لگے کہ یہ ایسا مسئلہ ہے کہ اگر مشرق و مغرب کے علماء جمع ہوں تو بھی اسے حل نہ کر سکیں لیکن ہم اسے حل کریں گے پھر ایسی واضح تقریر کی کہ اشکال رفع ہو گیا۔ وہ اس قدر بلند معارف بیان فرما رہے تھے کہ میں ان کے سمجھنے سے قاصر رہ گیا اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ میں نے خود کو طیفیل مکتب محسوس کیا جب میں وہاں سے اٹھا تو میرے دل میں آیا کہ ان کی حقانیت واضح ہو گئی تو بے کونی چاہیے لیکن ہوائے نفسانی نے نہ چھوڑا ایک اور مسئلہ علم تفسیر میں پہلے مسئلہ سے بھی زیادہ دشوار اپنے ساتھ لے گیا اور ان کے سامنے پیش کیا۔ پہلے دن کی طرح انہوں نے تعظیم کی اور بے انتہا

معذرت کی جب میرے دل میں ان کا عجز مستحکم ہو گیا تو یکدم ان کے چہرہ کا رنگ تبدیل ہو گیا۔ اور واضح تقریر کی تیسرے روز بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ میں نے اپنے آپ سے کہا، اب میں خدا کی تائید حاصل ہے۔ وہ منصف ہیں اور تجھ میں کج روی ہے۔ میں نے توبہ کی قصور کا اعتراف کرتے ہوئے انکساری سے ان کی مجلس میں حاضر ہوا۔ اس دفعہ انہوں نے کوئی توجہ نہ کی، جو تئیں میں بیٹھا تو وہ انکساری کا اظہار کرتا رہا، فرمایا تم تو عالم ہو، سر کے بال کپٹیوں سے نیچے کیوں چھوڑ رکھے ہیں اور تہ بند ٹخنوں سے نیچے کیوں لٹک رہا ہے۔ حجام کو بلوایا سر منڈوا دیا اور تہ بند ٹخنوں سے اوپر کرایا اور جمعیت میں قبول فرمایا۔

سننے میں آیا ہے کہ شیخ ابراہیم طریقہ چشتیہ کے ایک بڑے بزرگ تھے وہ کہتے تھے کہ آغاز طلب میں میں شیخ آدم بنوری کی خدمت میں پہنچا۔ ان کے دوستوں میں سے ایک بزرگ نے میری سفارش کی کہ یہ شخص طالب خدا ہے۔ اسی وقت مجھ پر ایک ایسی نگاہ ڈالی جس سے مجھ میں کیفیت پیدا ہو گئی جو اب تک باقی ہے چند روز قیام کے بعد وہاں سے سفر کیا اور شیخ محمد صادق قدس سرہ کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گیا، وہاں سے بھی بہت فوائد حاصل کئے لیکن تصفیہ اور ریاضت کے بعد معلوم ہوا کہ میری جمعیت کا اصل سرمایہ شیخ کی وہی نگاہ کرم تھی اور ریاضت نے رونق و صفائی کے سوا کچھ اضافہ نہیں کیا۔ سننے میں آیا ہے کہ شیخ با یزید گو جو ایک بے نفس اور سخی مرد تھا، خلق خدا پر بے انتہا شفقت کیا کرتا تھا۔

فرماتے تھے کہ ابتداء میں جب میں شیخ آدم کی خدمت میں پہنچا تو میں نے **نگاہ شیخ** دیکھا کہ تمام ارادت مندوں نے گھر کی تمام خدمات کو اپنے اوپر تقسیم کر رکھا ہے اور کوئی کام باقی نہیں۔ ایک مدت تک میں انتظار کرتا رہا پھر مجھے معلوم ہوا کہ وہ شخص جس کے ذمہ جنگل سے لکڑیاں لانا ہے۔ کمزور اور ناتواں ہے۔ وہ صبح طور پر اس خدمت کو ادا نہیں کر سکتا۔ میں طاقتور جوان تھا میں نے اسے اپنے ذمہ لے لیا۔ روزانہ دو گٹھے لکڑیاں لاتا تھا لیکن شیخ کی مجلس میں بیٹھنے کا مرتبہ مجھے حاصل نہیں تھا۔ ایک عرصہ کے بعد شیخ نہر پر چاکر غسل کر رہے تھے اور ارادت مند میل اتارنے اور آپ کی مالش وغیرہ میں میں مشغول تھے میں بھی اس وقت ان میں شامل ہو گیا میں نے تمام دوستوں سے عمدہ طریق پر

خدمت کی شیخ اسی اثنا میں میری طرف متوجہ ہوئے اور ایک ہی نگاہ سے مجھ میں تصرف کیا کہ اسی ندی میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ دوستوں نے مجھے مردے کی طرح اٹھا کر گھر پہنچایا۔ چھ ماہ کے بعد پھر اسی ندی پر پان کے جسم کی مالش میں مصروف تھا کہ آپ نے پھر میرے حالات دریافت فرمائے اور نظر کرم ڈالی میں پھر بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ میرے پاس جو کچھ ہے یہ اسی نگاہ لطف کے سبب ہے۔

والد صاحب فرماتے تھے ایک شخص شیخ آدم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے توجہ کی درخواست کی۔ فرمایا جاؤ وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرو اور میرے پاس آؤ۔ اس شخص نے منہ بنا کر کہا کہ وضو نماز نص حدیث سے گناہوں کا کفارہ ہے۔ آپ کی توجہ کی کیا ضرورت ہے شیخ نے اس کی گستاخی دیکھ کر اعراض فرمایا تو وہ اٹھ کر چلا گیا۔ اسی وقت خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا۔ کہ ہم نے آپ کو لوگوں میں اس لئے رکھا ہوا ہے کہ تاکہ ان کو ہدایت کریں۔ اور ان کی بے ادبی سے درگزر کریں۔ وید رتن بالحسنۃ السیئہ پر آپ نے کیوں عمل نہیں کیا۔ انہوں نے کسی شخص کو بھیجا کہ اسے واپس لے آئے تاکہ اس گستاخی کا لحاظ کئے بغیر اس پر توجہ ڈالیں اس شخص نے جا کر واپس لانے کی کوشش کی۔ مگر اس نے قبول نہ کیا اور کہا میں واپس نہیں جاتا۔ شیخ نے اس شخص کو کہا کہ اس کے کان میں اللہ کا نام پڑھو۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ وہ یہ نام سنتے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑا اور مردہ کی طرح اٹھا کر اسے لائے۔

والد صاحب شیخ کے ایک رفیق سے نقل کرتے ہیں کہ جب شیخ کے کمالات کی شہرت ہوئی شاہ جہان کو بھی اس کی خبر پہنچی اس نے سعد الشخاں اور ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کو حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ دونوں کے گھر آئے۔ شیخ اس وقت مراقبہ میں تھے۔ کافی دیر تک دروازہ پر بیٹھے رہے جب انہیں آفاقہ ہوا تو ان کے خلوت خانہ میں داخل ہوئے انہوں نے ان کی کوئی تعظیم نہ کی۔ یہ دیکھ کر دونوں بزرگوں کا مزاج بگڑ گیا۔ سعد الشخاں نے کہا میں دنیا دار ہوں اور تعظیم کا مستحق نہیں ہوں لیکن مولانا عبدالحکیم عالم ہیں ان کی تعظیم ضروری تھی۔ فرمایا حدیث شریف میں وارد ہے کہ۔ العلماء امناء الدین عالم یخالطوا الملوك فاذا خالطوهم فهد اللصوص وجب تک بادشاہوں سے دور

رہیں علماء و محافظ دین ہیں لیکن جب بادشاہوں کے دربار میں پہنچ جائیں تو وہ علماء نہیں۔  
 بلکہ چور ہیں پھر انہوں نے پوچھا۔ آپ کا نسب کیا ہے۔ میں نے کہا سید ہوں۔ لیکن چونکہ ہماری  
 امہات افغان قبائل سے ہیں اس لئے عوام میں افغان مشہور ہیں۔ پھر پوچھا ہم نے سنا ہے  
 کہ آپ کے پاس علم لدنی ہے۔ فرمایا ہاں۔ اور اس نعمت پر خدا کی حمد و ثنا بیان کرتا ہوں۔  
 یہ سن کر دونوں اکٹھے کھڑے ہوئے اور شاہ جہان سے جا کر کہا کہ یہ ایک عامی متکبر فقیر ہے جو  
 لمبے چوڑے دعوے کرتا ہے۔ افغان ہے مگر خود کو سید کہلاتا ہے۔ باوجود اس کے افغان  
 اس کے بہت معتقد ہیں۔ اسے کچھ کہنے سے فتنہ و فساد کا خوف ہے۔ یہ سن کر بادشاہ بگڑ گیا  
 کہلا بھیجا کہ آپ حج کو چلے جائیں شیخ انتہائی عجلت سے عازم مکہ ہو گئے جب سورت پہنچے  
 تو حاکم سورت ان کا معتقد تھا۔ آپ نے اسے فرمایا تیری خدمت یہ ہے کہ جلد سے جلد ہزار  
 جہاز پر سوار کر دے۔ جب سوار ہو گئے تو بادشاہ کا حکم پہنچا کہ اس فقیر کو جلد واپس لاؤ کیونکہ  
 میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تیری سلطنت کے زوال کا سبب ان کا تیرے ملک سے نکل  
 جانا ہے۔ حاکم نے معذرت لکھ بھیجی کہ حکم پہنچنے سے پہلے وہ جہاز میں سوار ہو کر روانہ ہو  
 گئے ہیں۔ کہ ان کے بعد جلد ہی بادشاہ گرفتار ہو گیا۔ شیخ کی وفات مدینہ منورہ میں  
 ہوئی اور جنت البقیع میں قبہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے نزدیک مدفون ہوئے۔  
 حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ طالب نامی درویش حضرت سید عبداللہ قدس سرہ  
 کی خدمت میں رہتا تھا۔ وہ ہمیشہ رونا اور ہائے ہائے کے نعرے لگاتا تھا حضرت سید نے  
 اس سے ہمیشہ روتے رہنے کا سبب پوچھا۔ اس نے تیری طرف اشارہ کر کے کہا یہ عزیز تحصیل  
 علم میں مشغول رہتا ہے۔ اور میں فارغ اور کیسوں ہوں۔ اس کے باوجود اس پر روحانی عتھے  
 زیادہ کھلتے ہیں۔ فرمایا اس خیال میں مت پڑو۔ یہ حق تعالیٰ کی عطا ہے۔ ہر ایک کو الگ الگ  
 حوصلہ و ہمت دی گئی ہے لیکن وہ اسی طرح روتارہا۔ حضرت سید نے فرمایا تیری اصلاح  
 اسی میں ہے کہ تو سفر میں رہا کر چنانچہ اس نے دائمی سفر اختیار کیا۔ کبھی کبھی مجھے ملنے کے لئے  
 آتا تھا کہتا تھا کہ حضرت سید صاحب کے منہ سے جو بات نکلی اس کا اثر ہے کہ سفر میں مجھے  
 ہمیشہ جمعیت خاطر اور انبساط حاصل رہتا۔ لیکن ایک جگہ قیام میں تنگی اور غم حاصل ہوتا ہے

کبھی کبھی وہ مغلوب الحال ہو جاتا۔ ایک مرتبہ اسی حالت میں کسی کے گھر گیا۔ اس نے اسے تکلیف دی اور قید کر دیا جس قدر اس کی تکلیف بڑھتی اس کا نقصان اسے پہنچتا۔ اس کا لڑکا مر گیا گھوڑا لنگڑا ہو گیا، اس کا دوسرا لڑکا بیمار ہو گیا ان امور کے مشاہدہ کے بعد وہ شرمندہ ہوا۔ استغفار کیا اور نیاز مندانہ سلوک کیا۔

حضرت والد ماجد فرماتے تھے جن دنوں اوزنگ زیب اکبر آباد میں تھا میں مرزا اہروی محتسب کے پاس پڑھا کرتا تھا اسی تعزیب کے بہانے اپنے والد کے ہمراہ اکبر آباد چلا گیا اور سید عبداللہ سید عبدالرحمن کی رفاقت کی وجہ سے اسی جگہ تھے۔ اسی جگہ وہ بیمار ہو کر رحمت حق سے واصل ہوئے۔ اور وصیت فرمائی کہ مجھے غربا کے قبرستان میں دفن کریں تاکہ کوئی پہچان نہ سکے چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ میں بھی ان دنوں سخت بیمار تھا جنازہ کے ساتھ جانے کی ہمت نہ تھی جب میں تندرست ہوا اور جسم میں طاقت آئی۔ ایک دوست جو دفن کرتے وقت موجود تھا ساتھ لیا اور ان کی قبر کی زیارت کے لئے گیا۔ ان کی آخری وصیت کا کمال تھا کہ اس عزیز نے ہر چند غور و فکر کیا مگر ان کی قبر کو نہ پہچان سکا۔ آخر جنازہ سے ایک قبر کی طرف اشارہ کیا میں وہاں بیٹھ گیا اور قرآن پڑھنے لگا۔ حضرت سید نے میری پشت کی طرف سے آواز دی کہ فقیر کی قبر یہ ہے لیکن جو کچھ تم نے شروع کیا ہے اسے مکمل کرو۔ اور اس کا ثواب اس قبر والے کو بخش دو اور جلدی نہ کرو۔ میں نے جو کچھ شروع کیا تھا اسے اختتام تک پہنچایا اور اس عزیز سے کہا اچھی طرح غور کرو کہ سید کی قبر یہی ہے جس کی طرف تم نے اشارہ کیا ہے یا میری پشت کے پیچھے ہے۔ اس نے غور کیا اور کہا مجھ سے غلطی ہو گئی تھی۔ ان کی قبر تہا ری پشت کے پیچھے ہے۔ میں اس طرف بیٹھ گیا۔ اور قرآن پڑھنا شروع کیا۔ اسی اثنا میں دل گرفتہ اور غمگین ہونے کی وجہ سے اکثر مقامات پر قواعد قرأت کی رعایت نہ کر سکا۔ انہوں نے قبر میں سے آواز دی کہ تم نے فلاں فلاں جگہ میں سستی کی ہے، قرأت کے معاملہ میں حرم و احتیاط کی ضرورت ہے۔

## ذکر خواجہ خرد قدس سرہ فرزند خواجہ محمد بناتی

ذکر والد ماجد فرماتے تھے کہ رسائل صفار شرح عقائد اور حاشیہ خیالی تک کتابیں۔

مخدومی ابوالرضا محمد سے پڑھیں اور دوسری کتب مرزا زاہد ہروی سے ایک روز شرح عقائد اور حاشیہ خیالی کے درس کے دوران میرے دل میں ایک اعتراض پیدا ہوا۔ مخدومی ابوالرضا نے اس کا جواب دینے کی کوشش کی کرنے لگے اس مناظرے نے طول پکڑا اور اس معاملہ نے نجدگی پیدا کر دی۔ میں نے اس کتاب کو پڑھنا ترک کر دیا۔ اس کے بعد ایک روز ہم دونوں خواجہ خرد کی خدمت میں گئے۔ مجھ سے انہوں نے پوچھا کہ تمہاری خیالی کا سبق کہاں تک پہنچ گیا ہے میں نے عرض کیا کہ ایک عرصہ سے میں نے اسے چھوڑ رکھا ہے۔ انہوں نے پوچھا کس وجہ سے؟ میں نے عرض کیا نماز روزے کے ضروری احکام معلوم کر لئے ہیں۔ اس سے زیادہ حاصل نہیں ہوئے۔ انہوں نے حقیقت معلوم کرنے میں بہت مبالغہ کیا۔ آخر کار بات کھل گئی۔ فرمایا تم میرے پاس پڑھا کرو اور اس معاملہ میں بڑی تاکید کی۔ علی الصبح کتاب ان کی خدمت میں پیش کی۔ انہوں نے درس دیا اور اس اعتراض کو بہت پسند کیا۔ اور اعتراض کی قوت کو ظاہر کیا۔ دوسرے اور تیسرے روز بھی اسی طرح چوتھے روز فرمایا تمہارے دادا شیخ رفیع الدین نے مجھے تین اسباق سے زیادہ نہیں پڑھاٹے۔ پھر انہوں نے قصہ بیان کیا کہ آغاز شباب میں میں حسن پرستی کا خیال رکھتا تھا شیخ رفیع الدین کا ایک خوبصورت لڑکا تھا میں اسے ملنے کے لئے گیا۔ اور شرح لمحات بھی ساتھ لیتا گیا کہ لوگ سمجھیں کہ میں تصوف کے مسائل سمجھنے کے لئے آیا ہوں وہ ہمارے شہر میں مشکل مسائل حل کرنے میں معروف اور بے نظیر تھے۔ جب میں ان کی خدمت میں پہنچا تو ہمارے خواجہ (باقی باللہ) سے توسل کے سبب مجھ پر بڑی مہربانیاں فرمائیں اور تعظیم بجالاتے۔ جب میں نے سبق شروع کیا، سرسری طور پر دو تین باتیں کہیں اور زیادہ تحقیق نہ کی، پھر اٹھے اور اسی لڑکے کو بلا کر فرمایا خواجہ کی خدمت میں رہو۔ یہ دیکھ کر میں شرمندہ اور نادام ہوا، لیکن چونکہ جوانی کا زمانہ تھا دوسرے روز اسی نیت اور ارادہ سے واپس گیا وہی سلوک دیکھا تیسرے روز مجھ پر سخت ندامت طاری ہوئی۔ میں نے توبہ کی اور خلوص نیت سے حاضر ہوا وہ احسان اور نیکی سے پیش آئے اور پہلے سے بھی زیادہ توجہ فرمائی۔ آج انہوں نے تصوف کی تحقیق فرمائی اور اس لڑکے کی طرف کوئی توجہ نہ فرمائی۔ جب سبق سے فارغ ہوئے تو فرمایا اگر تمہاری غرض اس فن کی تحقیق ہے تو مجھے فرمائیے میں روزانہ تمہارے مکان پر حاضر ہوتا رہوں گا۔

مخدومی ابوالرضا محمد سے پڑھیں اور دوسری کتب مرزا زاہد ہروی سے ایک روز شرح عقائد اور حاشیہ خیالی کے درس کے دوران میرے دل میں ایک اعتراض پیدا ہوا۔ مخدومی ابوالرضا نے اس کا جواب دینے کی کوشش کی کرنے لگے اس مناظرے نے طول پکڑا اور اس معاملہ نے نجدگی پیدا کر دی۔ میں نے اس کتاب کو پڑھنا ترک کر دیا۔ اس کے بعد ایک روز ہم دونوں خواجہ خرد کی خدمت میں گئے۔ مجھ سے انہوں نے پوچھا کہ تمہاری خیالی کا سبق کہاں تک پہنچ گیا ہے میں نے عرض کیا کہ ایک عرصہ سے میں نے اسے چھوڑ رکھا ہے۔ انہوں نے پوچھا کس وجہ سے؟ میں نے عرض کیا نماز روزے کے ضروری احکام معلوم کر لئے ہیں۔ اس سے زیادہ حاصل نہیں ہوئے۔ انہوں نے حقیقت معلوم کرنے میں بہت مبالغہ کیا۔ آخر کار بات کھل گئی۔ فرمایا تم میرے پاس پڑھا کرو اور اس معاملہ میں بڑی تاکید کی۔ علی الصبح کتاب ان کی خدمت میں پیش کی۔ انہوں نے درس دیا اور اس اعتراض کو بہت پسند کیا۔ اور اعتراض کی قوت کو ظاہر کیا۔ دوسرے اور تیسرے روز بھی اسی طرح چوتھے روز فرمایا تمہارے دادا شیخ رفیع الدین نے مجھے تین اسباق سے زیادہ نہیں پڑھاٹے۔ پھر انہوں نے قصہ بیان کیا کہ آغاز شباب میں میں حسن پرستی کا خیال رکھتا تھا شیخ رفیع الدین کا ایک خوبصورت لڑکا تھا میں اسے ملنے کے لئے گیا۔ اور شرح لمحات بھی ساتھ لیتا گیا کہ لوگ سمجھیں کہ میں تصوف کے مسائل سمجھنے کے لئے آیا ہوں وہ ہمارے شہر میں مشکل مسائل حل کرنے میں معروف اور بے نظیر تھے۔ جب میں ان کی خدمت میں پہنچا تو ہمارے خواجہ (باقی باللہ) سے توسل کے سبب مجھ پر بڑی مہربانیاں فرمائیں اور تعظیم بجالاتے۔ جب میں نے سبق شروع کیا، سرسری طور پر دو تین باتیں کہیں اور زیادہ تحقیق نہ کی، پھر اٹھے اور اسی لڑکے کو بلا کر فرمایا خواجہ کی خدمت میں رہو۔ یہ دیکھ کر میں شرمندہ اور نادام ہوا، لیکن چونکہ جوانی کا زمانہ تھا دوسرے روز اسی نیت اور ارادہ سے واپس گیا وہی سلوک دیکھا تیسرے روز مجھ پر سخت ندامت طاری ہوئی۔ میں نے توبہ کی اور خلوص نیت سے حاضر ہوا وہ احسان اور نیکی سے پیش آئے اور پہلے سے بھی زیادہ توجہ فرمائی۔ آج انہوں نے تصوف کی تحقیق فرمائی اور اس لڑکے کی طرف کوئی توجہ نہ فرمائی۔ جب سبق سے فارغ ہوئے تو فرمایا اگر تمہاری غرض اس فن کی تحقیق ہے تو مجھے فرمائیے میں روزانہ تمہارے مکان پر حاضر ہوتا رہوں گا۔

لیکن میں تمہارے یہاں آنے کی ہرگز اجازت نہیں دوں گا کہ یہ بات ادب سے بعید ہے۔ میں نے عرض کیا مجھے آپ آنے کی اجازت نہیں فرماتے میں آپ کی تکلیف فرمائی تو کیسے گوارا کر لوں۔ ظاہر ہے کہ آپ اس کام کو موقوف رکھنا چاہتے ہیں۔ آپ نے مجھ سے اختلاف کرتے ہوئے فرمایا اس کا ایک اور سبب ہے پھر میرا ہاتھ پکڑ کر مسجد فیروز شاہ میں لے آئے اور ایک جگہ متعین فرمادی کہ تمہیں یہاں بیٹھنا چاہیے اور نصروف کی جو بھی شکل کتاب ہو اس کا مطالعہ کرو۔ اگر پھر بھی حل نہ ہو تو اس کی ذمہ داری مجھ پر ہے اس کے بعد مجھے جو دشواری بھی پیش آتی وہاں جا کر مطالعہ کرتا وہ حل ہو جاتی۔ اگر ایک بالشت بھی اس جگہ سے ادھر ادھر ہو جاتا تو تمام دوسرے مقامات کی طرح ہوتا جب خواجہ نے کہا تو یہاں تک پہنچا یا میں نے عرض کیا کہ تین اسباق پراکتفا کرنا بھی اسی کرامت سے وابستہ تھا۔ آپ بھی اگر ایسا تصرف فرمائیں تو اس سے بڑھ کر کیا ہوگا۔ فرمایا یہی تو عرض کر رہا ہوں کہ اس کے بعد بھی اگر تمہیں کسی علم میں کوئی مشکل پیش آئے اور تم اسے حل نہ کر سکو تو مجھے کہنا کہ فلاں نالائق نے میرا دستہ روک رکھا ہے حضرت والد ماجد فرماتے تھے الحمد للہ اس کے بعد مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ اگرچہ میں نے تکمیل علوم مرزا زاہر سے کی مگر ان کے پاس پڑھنا گویا تحصیل حاصل تھی اکثر اوقات ایسا ہوتا تھا کہ اول سے پڑھتا تھا اور آخر سے درس دیتا تھا۔ فرماتے تھے کہ خواجہ خرد اپنے انگوٹھے سے ہمیشہ اپنی انگلیوں پر کچھ لکھتے رہتے تھے۔ سبق پڑھانے باتیں کرنے وغیرہ میں بھی ایسا ہی کرتے رہتے۔ ایک روز میں نے ان سے اس کے متعلق پوچھا۔ فرمایا یہ ایک ایسا عمل ہے جسے میں ہمیشہ کرتا رہتا ہوں تیرے سوا آج تک مجھے کسی نے اس کے متعلق نہیں پوچھا۔ آغاز حال میں مجھے استکساب سے لگاؤ رہا ہے۔ اب بھی کبھی کبھی کر لیا کرتا ہوں۔

حضرت والد ماجد نے فرمایا خواجہ خرد ایک روز اپنے دوست  
**نسبت کا احترام** | جناب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ پلنگ پر اور دوسرے  
 تمام لوگ چٹائی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اس جگہ میں ان کی خدمت میں پہنچا۔ انہوں نے میری  
 بہت زیادہ تعظیم و تکریم کی۔ خود پلنگ کی پاستی پر بیٹھے اور مجھے صدر پر بٹھایا میں جس



قدر معذرت کرتا وہ نہ مانتے اس معاملہ سے تمام حاضرین کے چہرے متغیر ہو گئے۔ ان کے بیٹے خواجہ رحمت اللہ نے اٹھ کر عرض کیا کہ اس مجلس میں اس سے زیادہ مہمراور تعظیم کے زیادہ لائق موجود ہیں۔ ان کے ساتھ اس تواضع میں کیا راز ہے۔ فرمایا یہ ہم نے اس لئے کیا ہے کہ تم سلوک کا مشاہدہ کرو اور اسی طرح ان سے پیش آؤ۔

جب میں ان کے جد مادری شیخ رفیع الدین کے گھر جاتا تو وہ میرے ساتھ اسی قسم کا سلوک کرتے حالانکہ وہ میرے استاد تھے اور میں نے ان سے فیوض حاصل کئے تھے جب شیخ رفیع الدین ہمارے آقا خواجہ محمد باقی قدس سرہ کی خدمت میں آئے تو وہ بھی قریب قریب ایسا ہی سلوک کرتے تھے۔ اگرچہ شیخ حضرت خواجہ کے خلفا میں سے تھے کیونکہ ابتدائے سلوک میں شیخ قطب العالم کی خدمت میں رہے تھے اور کچھ کتابیں پڑھی تھیں اور فوائد حاصل کئے تھے۔ ہمیں بھی یہی سلوک کرنا چاہیے۔

والد صاحب فرماتے ہیں ایک مرتبہ ہم دونوں بھائی خواجہ کی خدمت میں تھے ان پر بھوک نے غلبہ کیا جس کی وجہ سے وہ سستی نہیں پڑھا سکتے تھے۔ اپنے گھر والوں سے دریافت فرمایا کہ کیا گھر میں کچھ طعام ہے؟ انہوں نے کہا ہاں ایک بچے کے لئے تھوڑا سا کھانا پکایا ہے۔ فرمایا اس میں سے کچھ لاؤ۔ اس میں سے بہت ہی تھوڑا پیالی میں لائے۔ انہوں نے ہاتھ دھوئے اور حاضرین سے فرمایا آؤ کھاؤ یہ سب کے لئے کافی ہوگا۔ تمام لوگ بہت حیران ہوئے ہمیں دوسرے انداز میں پھر فرمایا۔ ہم آگے بڑھے اور تینوں نے بل کر کھایا یہاں تک کہ ہم سب سیر ہو گئے اور پیالی میں کچھ بچ رہا وہ اس بچے کے لئے بھیج دیا۔

حضرت والد صاحب فرماتے تھے ایک شخص نے حضرت خواجہ خرد کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض

## غائبانہ امداد و اعانت

کیا بادشاہ مجھے ایک مہم پر بھیج رہا ہے۔ دشمن کی تعداد اور سامان جنگ زیادہ ہے۔ اور میرے پاس اسباب جنگ نہیں ہیں میں کوئی بھی عذر نہیں کر سکتا۔ آپ توجہ فرمائیں خوش طبعی سے فرمایا۔ کچھ نقدی پیش کرو تاکہ ہمارا دل تمہاری طرف متوجہ ہو اتفاقاً اس وقت

اس کے پاس کچھ نہیں تھا۔ اپنے ساتھیوں سے اس نے طلب کیا۔ اسے کچھ نہ ملا۔ اس نے اپنی کمر سے خنجر نکالا اور گروی رکھ کر دس روپے خدمت میں پیش کئے۔ آپ نے میعاد مقرر فرمادی۔ فرمایا کہ فلاں روز جنگ کرو اور دشمن کی کثرت اور دوستوں کی قلت سے خوف نہ کرنا اور اپنی جگہ سے متزلزل نہ ہونا۔ پھر مجھے فرمایا۔ جب وہ مقررہ وقت پر آئے تو مجھے اطلاع دو جب وہ میعاد پہنچی میں نے یاد دلایا، حجرہ میں تنہا بیٹھ گئے اور مجھے حجرہ کے دروازہ پر بٹھادیا تاکہ کوئی شخص اس وقت داخل اندازی نہ کرے۔ کچھ دیر بعد خوش و خرم باہر نکلے فرمایا دشمن بہت زیادہ تھے اور دوست بہت کم۔ پہلی مرتبہ اجاب کو شکست ہوئی لیکن اس عزیز نے حوصلہ نہ ہارا اور اپنی جگہ سے حرکت نہ کی۔ اسی حالت میں میں ان کے پاس پہنچا، الحمد للہ فتح حاصل ہوئی۔ بہت سے دشمن قتل ہوئے اور باقی بھاگ گئے۔ ایک مدت کے بعد اس عزیز کا عریضہ پہنچا اس میں یہی قصہ تفصیل سے لکھا ہوا تھا۔ اور اس نے نذرانہ بھیجا جسے آپ نے قبول نہ فرمایا۔

حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ محلہ کو شک نہ رکھے ایک شخص نے حضرت خواجہ خرد کی خدمت میں درخواست کی کہ توجہ فرمائیے تاکہ علم سے جلد فراغت حاصل ہو۔ آپ نے فرمایا ہم اس کا جواب دیں گے جب وہ شخص اپنے گھر آگیا تو اس کے پیچھے ایک شخص کو رقعہ دے کر بھیجا، لکھا کہ کل انشاء اللہ تمام علوم سے فارغ ہو جاؤ گے۔ وہ یہ خوش خبری سن کر حیران ہوا۔ دوسرے روز بغیر کسی ظاہری سبب کے نیند کی حالت میں جان جان آفرین کے سپرد کر دی کسی شخص نے قبلہ والد صاحب سے سوال کیا کہ لوگوں میں یہ افواہ پھیلی ہوئی ہے کہ خولجہ خرد نے شراب نوشی کا ارتکاب کیا تھا، اس کا کیا قصہ ہے۔ فرمایا ابتدائے حال میں نہیں ایک سخت بیماری لاحق ہو گئی۔ شہر کے اطباء نے متفقہ طور پر فیصدہ کیا کہ اس کا علاج شراب ہے اور علمائے اس کے مطابق فتویٰ لکھا، اس کے باوجود وہ اس کے لئے راضی نہیں ہوتے تھے خواجہ حسام الدین نے آکر بہت مبالغہ اور اصرار سے انہیں شراب پلائی، شراب نوشی اس سبب سے ہوئی لیکن جاہلوں نے تہمتوں کے طومار باندھے اور ان کے اس فعل کو غلط معنی پہنائے اس کی وجہ سے وہ شریعت کے معاملہ میں مستی اور اباحت کے گرداب میں پھنس گئے۔

## بزرگوں کی نکتہ سنجی

والد صاحب فرماتے تھے کہ ایک روز بہمن یار خاں لباس فلخرہ پہنے خواجہ خرد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت ان کے گھر میں کوئی فرش نہ تھا لوگ زمین پر بیٹھے ہوئے تھے۔ حاضرین مجلس میں سے ایک شخص اٹھ کر خواجہ کے کان میں کہا کہ یہ بہمن یار خاں ہے اس کی تعظیم کرنی چاہیے۔ خواجہ نے بلند آواز سے کہا اگر یار ہے تو تعظیم کا محتاج نہیں اور اگر غیر ہے تو لائق تعظیم نہیں۔ یہ بات سن کر بہمن یار خاں بہت لطف اندوز ہوا۔ یہ قصہ مختصراً بیان کیا گیا ہے۔

فرماتے تھے ان کے ایک خادم نے شراب پی تھی۔ میری اس کے ساتھ بحث ہوتی جو انقباض خاطر کا باعث ہوتی۔ میں نے عزم کر لیا کہ آئندہ وہاں نہیں جاؤنگا۔ دو تین روز کے بعد خواجہ بذات خود تشریف لائے اور میرے دروازہ پر کھڑے ہو گئے اور ایک بوڑھی عورت سے میرا پتہ پوچھا۔ اس نے کہا سویا ہوا ہے۔ فرمایا جب اٹھے تو اسے کہنا کہ خرد تہاری تلاش میں ہے اور مسجد جموٹ میں سویا ہوا ہے۔ اس کی خبر لو جب میں اٹھا تو اس نے مجھے بتایا میں تیزی سے اس مسجد میں گیا۔ انہوں نے اپنی پگڑی سر کے نیچے رکھی ہوئی تھی اور بے تکلف سوئے تھے جب ظہر کی اذان کہی گئی تو بیدار ہوئے مجھ پر مہربانیاں فرمائیں اور خیریت دریافت فرمائی۔

حضرت والد صاحب فرماتے ہیں کہ خواجہ خرد اور خواجہ کلاں دونوں کم سن ہی تھے کہ خواجہ محمد باقی نے وفات پائی۔ اس کے بعد جب وہ سن بلوغ کو پہنچے تو شیخ احمد سرمندی کی خدمت میں پہنچے اور مدت تک وہاں رہے۔ خواجہ کلاں کی حقیقت تو معلوم نہیں لیکن خواجہ خرد نے ان سے طریق سلوک حاصل کیا اور اجازت بیعت پائی پھر واپس آئے اور خواجہ حسام الدین اور شیخ الشداد کہہ دونوں خواجہ کے خلیفہ تھے سے استفادہ کیا اور راہنمائی حاصل کی۔

پوشیدہ نہ رہے کہ خواجہ حسام الدین شروع شروع میں امرائے زمانہ سے تھے اور ان کے والد وقت کے بڑے بڑے امرا میں سے تھے جب خواجہ کی صحبت میں پہنچے اور طریقہ کی کشش نے ان میں اثر کیا تو تمام تعلقات کو چھوڑ کر بڑی خوشی اور رغبت سے

سب کو خیر باد کہہ دیا چونکہ ان کے رشتہ دار فقرا کی وضع اختیار کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ دیوانے بن گئے اور مجمع عام میں کورٹے کرکٹ کے ڈھیر بڑھ گئے اور اپنے کپڑوں کو غلاطت سے آلودہ کر لیا یہ دیکھ کر رشتہ داروں نے ان سے ہاتھ اٹھایا حضرت خواجہ کی اولاد ان کے مریدین ان کے طریق تصوف اور اوراد و اشغال کے بارے میں جس قدر رعایت ان دو بزرگوں خواجہ حسام الدین و شیخ الشدادی سے ظہور پذیر ہوئی اور دوسرے لوگوں سے وقوع پذیر نہیں ہوئی۔

حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ خواجہ خردآغاز جوانی میں ایک بار دعوت اسماء میں مشغول ہوئے کہ جنابت نے زحمت کی اور خواجہ کے جسم میں حلول کر گئے وہ بے ہوش ہو کر مردہ کی طرح گر پڑے خواجہ حسام الدین آ کر تھوڑی دیر ان کی طرف متوجہ ہوئے یہاں تک کہ انہیں افاقہ ہو گیا شیخ الشدادی نے پہلے دوسرے طریقوں سے فیض حاصل کیا تھا اور مہر بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے جب خواجہ محمد باقی کی خدمت میں پہنچے تو گزشتہ تمام دفاتر کو لپیٹ کر رکھ دیا اور کلیتہً ان کی طرف متوجہ ہو گئے اور خواجہ کی خانقاہ کی تمام خدمات اپنے ذمہ لے لیں خواہ ظاہری خدمات مثلاً قیام و طعام کا انتظام خواہ باطنی خدمات یعنی طالبان حق کی مزاج پری دریافت حال اور ان پر پوری توجہ دینا ہو بے خودی و استغراق کی کیفیت جو نسبت نقش بندیر کی حاصل ہے شیخ الشدادی میں اس قدر تھی کہ باوجود ان تمام خدمات اور مشاغل کے وہ ہر وقت اس سے سرمست رہتے تھے کہ دوسروں سے ظاہر نہیں ہوتی تھی۔

پوشیدہ نہ رہے کہ والد ماجد طریقہ نقش بندیر کی مختلف شاخوں میں سے حضرت محمد باقیؒ کی شاخ کو پسند کرتے تھے اور اس کے ساتھ ایسی رغبت رکھتے تھے کہ دوسری شاخوں میں سے کسی کے ساتھ ایسی رغبت نہیں تھی ان کی تمام ہدایت و ارشاد اسی شعبہ سے ہوئی۔ شیخ تاج سنبل جو خواجہ محمد باقی بالشد کے اولیٰ خلفا میں سے ہیں اور آخر عمر میں مکہ معظمہ میں قیام کر لیا تھا اور وہیں دفن ہوئے۔ اس فقیر نے آخری دور کے مشائخ ہند میں سے کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا جس کے ساتھ مکہ کے لوگ شیخ سنبل سے زیادہ عقیدت رکھتے ہوں اور شیخ تاج سے زیادہ اسکی کرامات بیان کرتے ہوں۔ انہوں نے مسئلہ نقش بندیر کی اسی

شاخ یعنی شعبہ با توپ کے اشغال کے بارے میں ایک مستقل عربی زبان میں رسالہ ہے لکھا ہے جو اذراط و تفریط سے پاک ہے حضرت والد ماجد نے فدرسی زبان میں اس کا ترجمہ کیا ہے جسے عبارات و اقوال سلف سے آراستہ کیا ہے۔ اس فقیر رولی اللہ نے دونوں رسالے حضرت والد صاحب کی خدمت میں پیش کئے ہیں۔ واللہ اعلم۔

حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ خواجہ خرد کی طرز زندگی گمنامی اور عزت نشینی تھی۔ ایک بزرگ عالم جن سے ہمارے شہر کے اکثر لوگ استفادہ کرتے تھے اور ان کا اسم محمد صالح تھا۔ مسجد فیروز شاہ میں درس دیتے تھے وہ حضرت خواجہ خرد سے بیعت تھے خواجہ نے انہیں تاکید کہا تھا کہ میرے ساتھ اپنی نسبت کو کسی سے ظاہر نہیں کرنا اور مجھے خلوت میں ہی ملنا چنانچہ یہ ہمیشہ بیگانوں کی طرح رہتے تھے جب یہ اپنے وطن پنجاب جانے لگے تو عرض کیا کہ اگر لوگ پوچھیں کہ تم نے طریقہ فقر کہاں سے حاصل کیا ہے۔ تو میں انہیں کیا جواب دوں۔ فرمایا اگر ضرورت پڑے تو میرا نام بتا دینا ورنہ نہیں خواجہ خرد کبھی کبھار خواجہ محمد باقی باللہ کا عرس کرتے تھے حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ میں نے کئی بار دیکھا ہے کہ کوئی شخص ان کے پاس آکر کہتا ہے کہ چاول میرے ذمہ دوسرا آکر کہتا ہے گوشت میرے ذمہ تیسرا آکر کہتا ہے کہ فلاں قوال کو میں لاؤں گا۔ اسی طرح دوسرے انتظامات بھی ہو جاتے خواجہ خرد اس میں کوئی تکلیف نہیں کرتے تھے۔

حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ خواجہ خرد نے آخری عمر میں نابھے خواجہ محمد باقی کے روضہ میں جوتے اتارنے کی جگہ میں دفن کرنا اور نسبت نبوت کی رعایت سے مقبرہ کے اندر داخل نہ کرنا کیونکہ میں اسی جگہ کے لائق ہوں میں نے عرض کیا یہ کام دوسروں کے سپرد ہو گا۔ مجھے اس میں کیا اختیار ہے۔ فرمایا تم میری وصیت پہنچا دینا خواجہ کی وفات کے بعد میں نے ان کے دار ثول سے کہا کہ خواجہ کی وصیت یہ تھی۔ انہوں نے کان نہ دھرے

## ذکر خلیفہ ابوالقاسم اکبر آبادی قدس سرہ

حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ سید عبداللہ صاحب اکبر آبادی فوت ہو گئے تو میں

بہت رنجیدہ اور ملول ہوا۔ اور کسی ایسے بزرگ کی طلب ہوئی جس سے استفادہ کر سکوں۔ اسی  
اشنا میں کسی شخص نے حضرت خلیفۃ ابوالقاسم کے مناقب و اوصاف بیان کئے چنانچہ میں ان کی  
مجلس گرامی میں پہنچا۔ جب پہلی بار حاضر ہوا تو آپ اپنے گھر کی تعمیر میں مصروف تھے۔ اور معمار کو  
فرما رہے تھے کہ اس طرح کرو اور اس طرح کرو۔ اسی اشنا میں یہ شعر ان کی زبان مبارک سے نکلا

ہر کرا ذرۃ وجود بود  
پیش ہر ذرہ در سجود بود

فقیر نے اس شعر کو اس طرح دہرایا

ہر کرا ذرہ شہود بود  
پیش ہر ذرہ در سجود بود

انہوں نے فرمایا میں نے بہت سے صحیح نسخے دیکھے ہیں۔ اس جگہ وجود کا لفظ مرقوم ہے  
میں نے عرض کیا فقیر نے بھی صحیح نسخوں کا مطالعہ کیا ہے۔ ان میں شہود کا لفظ ہے۔ فرمایا معلوم  
ہوتا ہے کہ علم سے بھی پروردگاری میں نے عرض کیا۔ اگر علم راہ حق میں نقصان دہ ہو تو اس سے توبہ  
کروں فرمایا ہر شخص کے لئے مضر نہیں اور نہ ہی تمام لوگوں کے لئے مفید ہے اور یہ شعر پڑھا

علم را بر تن زنی مارے بود  
علم را بر جبال زنی پارے بود

میں نے عرض کیا آپ کا روشن ضمیر کسوٹی ہے۔ میں آپ سے دریافت کرتا ہوں میرا علم  
میرے لئے نافع ہے یا مضر۔ اس وقت مجلس ختم ہو گئی اور کوئی بات نہ فرمائی۔ دوسرے روز  
میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ عمارت میں مصروف تھے زیادہ تحقیق نہیں فرمائی بات ادھوی  
رہ گئی۔ آج پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیے جب میں وہاں پہنچا تو بڑی مہربانی اور  
خوشی سے ملے۔ فرمایا اکل میں عمارت میں مشغول تھا۔ بات نامکمل رہ گئی۔ اب کہئے کہ اگر شعر  
میں شہود کا لفظ ہو تو اس کے کیا معنی ہیں۔ میں نے عرض کیا جس شخص کو پہلے ذرات عالم میں  
حق سبحانہ و تعالیٰ کا شہود حاصل ہوا وہ لامحالہ ہر ذرے کو سجدہ کرے گا۔ لیکن لفظ وجود  
کی صورت میں وہ مرتبہ جمع میں مستغرق ہوگا اور سجدہ سے فارغ ہوگا کیونکہ وجود کا مفہوم  
یہی ہے۔ فرمایا بعض صحیح نسخوں میں وجود کا لفظ پایا جاتا ہے۔ اس کی کیا  
تاویل ہوگی۔ میں نے عرض کیا ہو سکتا ہے کہ وجود بمعنی وجدان ہو اور یہ شہود کے قریب  
ہے۔ اس بات سے انہیں بوٹے اشنائی محسوس ہوئی۔ کھل اٹھے یہ مجلس بڑی خوش گوار

رہی پھر میں سسل ان کی خدمت میں جانا ہر بے انداز مہربانی فرماتے یہاں تک کہ بعض قدیم لوگ مجھ سے حسد کرنے لگے۔

واضح ہو کہ خلیفہ ابو القاسم ملا عمر کے داماد تھے جو اپنے زمانہ کے معتبر علما میں شمار کئے جاتے تھے۔ شرح ملا پراہوں نے حاشیہ بھی لکھا ہے۔ اور حضرت میر ابو العلیٰ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے تھے۔ اور ملا ولی محمد کے شاگرد تھے۔ یہ بھی اپنے زمانہ کے اکابرین میں سے تھے اور میر ابو العلیٰ کے کبار خلفاء میں سے تھے حضرت امیر کے خلفاء میں انہیں وہی مقام حاصل تھا جو شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کو شیخ نظام الدین دہلوی کے خلفاء میں حاصل تھا۔ ملا ولی محمد کی قبر اکبر آباد میں ہے۔ جانتا چاہیے کہ میر ابو العلیٰ اکبر آبادی آباء کی طرف سے حسینی سید تھے آپ کا سلسلہ نسب میر تقی الدین کرمانی سے ملتا ہے۔ امیر تقی الدین اور خواجہ عبید اللہ احرار کا قصہ رشحات میں تفصیل سے درج ہے اور ان کے جد مادری خواجہ محمد فیضی ابن خواجہ ابو الفیض بن خواجہ عبداللہ بن خواجہ احرار ہے۔ حضرت میر ابو العلیٰ کے والد بزرگوار ابو الوفا خواجہ ابو الفیض مذکور کے نواسے تھے اور ان کے جد محترم میر عبدالسلام خواجہ عبداللہ بن خواجہ عبید اللہ احرار کے نواسے تھے۔ اسی لحاظ سے میر ابو العلیٰ کو دو طرف سے نسبت احراری حاصل تھی۔ میر ابو العلیٰ کے والد اور جدا مجد علاقہ سمرقند سے سفر کر کے ہندوستان کے راستے مکہ معظمہ پہنچے اور وہیں انتقال فرمایا۔ حضرت میر ابو العلیٰ اسی سفر کے دوران پیدا ہوئے اور اپنے والد اور جدا مجد کی وفات کے بعد خواجہ فیضی جوان دہلی مان سنگھ صوبیدار یورپ کے مصاحب تھے کے سایہ عاطفت میں پرورش پائی اور جوان ہوئے اور جب فیضی جوان ہو گئے تو کچھ دن بعد میر ابو العلیٰ نے بھی ان کی روش کے مطابق مان سنگھ کے لشکر میں ملازمت کر لی۔

اسی اثنائیں ایک رات انہوں نے خواب میں دیکھا کہ تین بزرگ آئے اور انہیں فرمایا کہ یہ کیا روش ہے جو تم نے اختیار کر رکھی ہے وضوح تو یہ ہے جو ہم رکھتے ہیں ہماری وضع قطع اختیار کریں اور اگر معاش کی طرف سے تمہیں فکر لائق ہو تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اللہ نور السموات والارض۔ اس کے بعد ان میں سے ایک نے استرہ لے کر ان کا سر موٹھ دیا اور دوسرے نے انہیں قمیص پہنا دی تیسرے نے دستار پہنا کر نعلین بکڑا

دی۔ اس خواب کے بعد ان میں قلق اور اضطراب پیدا ہوا۔ انہوں نے ملازمت چھوڑ دینے کا ارادہ کیا لیکن ملن سنگھ منح کرتا تھا یہاں تک کہ اذرا داللہ شیٹا ہیٹا اسبابا کے تحت آہستہ آہستہ اسباب پیدا ہو گئے کہ چاروناچار ملازمت سے فارغ ہو گئے اور خدا طلبی میں یکسو ہو کر لگ گئے۔ اسی اثنا میں حضرت خواجہ معین الدین قدس سرہ کے مزار پر الوار کی طرف متوجہ رہنے لگے اور خواجہ کی بارگاہ سے عنایات اور فیوض حاصل کئے۔

سننے میں آیا ہے کہ میر ابو یعلیٰ کے گھر والوں نے ان کے بیٹے میر نور العلیٰ کی علالت کی وجہ سے ایک روپیہ اور ایک چادر بطور نیکو خواجہ کے مزار پر بھجوائی تھی حضرت امیر کو اسکی اطلاع نہیں تھی۔ ایک روز اس مزار کی طرف متوجہ تھے کہ قبر میں سے آواز آئی کہ تمہارے گھر سے تمہارے فرزند کی صحت کے لئے اس قدر نیاز آئی ہے اور دوسرے فرزند کی بھی درخواست کی ہے اور یہ التماس منظور ہے۔

یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ اس مزار سے خطاب ہوا کہ یہ نعمت جو تجھے عنایت ہوئی ہے دو سو سال یا تین سو سال بعد بندگان خاص میں سے کسی ایک کو عنایت ہوتی ہے جیسا کہ ہمارے زمانہ میں ہمیں (شاہ عبدالرحیم) عنایت ہوئی تھی۔ اس کے بعد سید تقی الدین کرمانی کے پوتے سید جعفر کی قید سے حضرت میر ابو یعلیٰ کے عم بزرگوار امیر عبدالشکر کی بیعت کی تحریریں ہوئی وہ بظاہر نوکری پیشہ تھے مگر حقیقت میں بہت سے نشانات ولایت کے ظاہر ہوتے تھے اور طریقت میں ان کا ربط اپنے خالو خواجہ یحییٰ کے ساتھ تھا۔ خواجہ یحییٰ اور ان کو اپنے عم بزرگوار خواجہ عبدالحق سے اور ان کو اپنے بزرگوار خواجہ عبید اللہ احرار سے اجازت ملی تھی وہ اسی طریقہ کے مطابق عمل کرتے تھے لیکن حقیقت میں ان کی تربیت اویسانہ تھی۔ آپ کے کلمات طیبہ سے چند یہ ہیں۔

نسبت کی ترقی کشتی کی رفتار کی مانند ہے اس کا سوار سمجھتا ہے کہ وہ ساکن ہے جب وہ ساحل پر پہنچتا ہے تو اچانک وہ قطع منزل سے آگاہ ہوتا ہے۔

سماع اور بے خودی سے مقصد بشری مذموم عادات کو ختم کرنا ہے محض عقل و ہوش کو مغلوب کرنا مطلوب نہیں ہوتا۔ غوطہ زن کا مقصد توفی حاصل کرنا ہوتا ہے ناک اور منہ میں پانی ڈالنا نہیں ہوتا۔



ذبیوی مشاغل کے دوران حق سجاد و تعالیٰ سے آگاہی کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص ایک ٹکے پر دوسرا ٹکے کا رکھ کر سر پر اٹھائے اور باتوں میں مشغول ہو جائے۔ اس اثنا میں ٹکے کی آواز اس کی اندرونی توجہ سے منقطع نہیں ہوتی۔

— اگر کوئی شخص مجلس میں اس طرح راحت و اطمینان محسوس کرتا جیسا کہ شدید گرمی میں خشک کاسفر کرنے کے بعد کوئی شخص لچانک ٹھنڈے سایہ دار درخت کے نیچے پہنچ جائے تو ایسے شخص کے لئے ہماری صحبت مبارک ہے۔ مگر نہ وہ دوسری جگہ چلا جائے یہاں عالم لوندی ہے کشف و کرامت نہیں ہے۔

— میرزا علی جس دم کے ساتھ نفسی اثبات کا ذکر کرتے تھے۔ آپ نے انہیں فرمایا جو کچھ آپ نے اختیار کیا ہے خوب ہے اور سلف کا طریقہ ہے لیکن اسم ذات کی درزش دوسرے اذکار سے زیادہ موثر ہے۔

— اگر آپ سے کوئی وصول حق کی طلب کرتا تو دریافت فرماتے کہ محنت و مشقت سے حاصل کرنا چاہیے ہو یا مفت۔ اگر پہلی صورت اختیار کرتا تو اسے ذکر کا طریقہ لکھ کر دیتے اور اگر دوسری صورت پسند کرتا تو اسے فرماتے کہ ہماری مجلس میں آیا کرو۔

— فرماتے تھے جس شخص نے ہماری صحبت میں آکر کچھ فیوض حاصل کئے بالفرض اگر وہ دولت آباد جا کر گناہ کا مرتکب ہو تو جو کچھ اس نے حاصل کر لیا ہے وہ اس سے زائل نہیں ہوگا۔ لیکن ترقی کا راستہ بند ہو جائے گا۔

نقل ہے کہ امیر کونالوج کی بیماری لاحق ہو گئی جس سے انہیں بڑی تکلیف تھی خصوصاً وضو اور طہارت کے وقت بڑی دقت پیش آتی۔ ایک روز یہ شعر پڑھنے لگے

در دم از بارست و در ماں نیز ہم دل فدائے او شد و جاں نیز ہم

اس شعر سے ان پر قوی وجد طاری ہو گیا اور اس کی حرارت سے اعضا میں کشادگی پیدا ہو گئی۔ اور قوت بحال ہو گئی۔ ایک شخص کو آپ نے اپنی ٹوپی عنایت فرمائی تھی اس نے جنگ کے وقت اسے پہنا ہوا تھا۔ اچانک ایک تیراں ٹوپی پر لگا۔ اس کا پھل ٹیڑا ہو گیا اور تیراں گر پڑا۔ ایک رات انہوں نے دوستوں پر بہت توجہ ڈالی لیکن ان میں کوئی اثر ظاہر نہ ہوا۔ حیران

ہوئے۔ اچانک چراغ بجھ گیا۔ اسی وقت عجیب اثرات ظاہر ہوئے۔ جب انہوں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ ایک سو دو خوار وہ چراغ لایا تھا۔

حضرت امیر میں بڑی کشش تھی جب کسی پر تو جہ ڈالتے تھے تو وہ بے خود ہو جاتا اور مردوں کی طرح گر پڑتا۔ نقل ہے کہ چوپاؤں میں سے ایک جانور ان سے متاثر ہوا۔ دوسرے طالبوں کی طرح ادب سے بیٹھا اور جب اہل طلب ان کی خدمت پہنچتے تو وہ ان کی طرف دیکھتے تو وہ مست ہو جاتے جوش میں آتے اور بیقراری کرتے تھے اس دوران میں اگر کوئی دھول دھپہ مار دیتا تو وہ نقصان نہیں پہنچاتا تھا اس قسم کے بہت سے قصے ان سے مروی ہیں۔

جاننا چاہیے کہ ابو العلی کا طریقہ اتباع شریعت نبوی اور پیروی جادہ محمدی کے سوا کچھ نہیں تھا اور اس راستہ سے سر مو انحراف نہیں کرتے تھے نہ قول میں اور نہ فعل میں ان کے پیش رو مثل ملاولی محمد وغیرہ بھی اسی روش پر تھے اور اس کے بعد ایک قوم کہے

بدنام کنندہ نگو نامے چند

کی صفت کے حامل تھے خواہشات نفس کی انہوں نے پیروی کی اور عقائد فاسدہ اور اعمال کاسدہ کو اختیار کیا۔ ومن ذیہما محسن و ظالم لنفسہ مبین کے مصداق بنے۔ حضرت امیر اہل خس و خاشاک سے پال اور ان کا طریقہ ان الودگیوں سے صاف تھا۔ بلا لطف اللہ نے جو جامع مقامات حضرت امیر میں نے اس حقیقت کو واضح طور پر بیان کیا ہے اور کہا ہے۔ وہ وجد جو حاضرین پر اس کی مجلس میں طاری ہوتا تھا۔ اختیار ہی نہیں تھا۔ ان کی محفل میں کوئی شخص خلاف شریعت کسی فعل کا ارتکاب بھی نہیں کر سکتا تھا اور نہ ہی مزاحیر اور سرود کی آواز پر قہص کر سکتا تھا اور سرود کو بھی آپ حضرت خواجہ بزرگ کے فرمان کے مطابق کہ ہم نہ یہ کام کرتے ہیں اور نہ انکار کرتے ہیں کبھی کبھار اتفاقاً سن لیتے تھے ان کی عبارت ختم ہوئی۔

حضرت والد ماجد فرماتے تھے کہ میں میر ابو العلی کے خلف الصدق میر نور العلی سے زیادہ کسی شخص کو راست گو نہیں دیکھا۔ ایک روز میں نے ان سے پوچھا لوگ کہتے ہیں کہ میر ابو العلی سماع کی طرف بہت راغب تھے۔ فرمایا مجھے یاد نہیں کہ انہوں نے چند بار کے سوا سماع

میں حصہ لیا ہوا اور وہ بھی خاص تقریب کی بنا پر تھا۔ میں نے عرض کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ میرا ابو العلی جس کی طرف دیکھتے یا اپنے پان چاکر دیتے وہ بے ہوش ہو جاتا تھا فرمایا میں نے ان کا چایا ہوا پان بے شمار مرتبہ کھایا ہے۔ یہ کوئی کلیہ نہیں ہے۔

واضح ہو کہ حضرت والد ماجد نے میرا نور العلی کے ساتھ بہت صحبت رکھی ہے اور ان سے کلاہ اور خرقة حاصل کیا ہے۔

حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ خلیفہ ابو القاسم نے میرا ابو العلی کی صحبت بھی حاصل کی ہے۔ لیکن حصول فیض اور بیعت کا مشرف ملا ولی محمد سے حاصل تھا۔ ایک روز میرا ابو العلی نے ان سے فرمایا کہ تم نے ہم سے بیعت کیوں نہیں کی؟ انہوں نے عرض کیا کہ ملا ولی محمد کی خدمت بھی آپ ہی کی مظہر ہے۔ اس عاجز نے جب علم ان سے حاصل کیا ہے۔ ان سے بے حد محبت پیدا ہو گئی ہے بیعت کا تعلق بھی ان کے ساتھ قائم کرنا بہتر سمجھا آپ مسکرائے اور تعریف کی۔ فرماتے تھے حضرت خلیفہ پرگنہ می و گوشہ نشینی کا مشرف غالب تھا کسی سے نہیں ملتے تھے ان کا مشرب ترک کاروبار اور توکل کلی تھا۔ یہ اشعار پڑھا کرتے تھے

سہ نشان بود ولی را الخ پھر فرماتے تھے کہ چوتھا نشان یہ ہے کہ خدا تعالیٰ بغیر کسی واسطہ

کے اس کی معیشت کا فیصل ہوتا ہے۔ حضرت والد فرماتے تھے کہ یہ بات حضرت خلیفہ کے حق میں ظاہر تھی۔ ظاہری کوئی سبب نہ ہونے کے باوجود اچھی زندگی گزارتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کے گھر میں گھی ختم ہو گیا اور کئی دن تک دوسرا گھی نہ مل سکا حیران ہوئے۔ اسی طرح بغیر گھی کے گزارہ کرتے رہے۔ ایک روز کسی ضرورت سے چھت پر چڑھے۔ درگاہ کے گھی کا ایک ٹمکا گھر والوں میں سے کسی نے چھپا رکھا تھا فرمایا غیب سے روزی نہ ملنے کا یہی سبب تھا۔ اسے خرچ کر دیا اس گھی کے بعد بہت گھی ملا۔

حضرت والد فرماتے تھے کہ عالمگیر بادشاہ کے زمانہ میں فتاویٰ عالمگیری اس کے حکم سے مدقون ہوا تھا اب اس کی نظر ثانی ہو رہی تھی۔ اس میں سے کچھ کام شیخ حامد کے سپرد ہوا۔ جو مرزا زاہد بیگ کے درس میں میرے شریک سبق تھے۔ وہ میرے پاس آئے اور کہا کہ تم بھی میرے ساتھ کام میں شریک ہو جاؤ تمہارے نام اتنا روزیہ مقرر ہو جائیگا۔

اسے قبول نہ کیا۔ میری والدہ نے یہ قصہ سنا تو اسے قبول کرنے پر بے حد اصرار اور مبالغہ کیا مجبوراً مجھے قبول کرنا پڑا اور اس کام میں مصروف ہوا حضرت خلیفہ کو جب اس کا علم ہوا۔ فرمایا اس وظیفہ کو ترک کر دو۔ میں نے عرض کی والدہ ناراض ہوتی ہیں فرمایا۔ اذاجاء حق اللہ ذہب حق العباد۔ صحیح قول ہے۔ میں نے عرض کی دعا کرو خدا تعالیٰ اس وظیفہ کو میری کوشش کے دور کر دے تاکہ والدہ ناراض نہ ہوں انہوں نے دعا فرمائی چند روز میں بادشاہ نے اہل وظیفہ کے نام طلب کئے اور انہیں عزل و نصب سے تبدیل کیا جب میرے نام پر پہنچا وظیفہ کاٹ دیا۔ اور لکھا کہ اگر وہ چاہیں تو اس قدر زمین دے دی جائے۔ مجھے پوچھا تو میں نے اسے قبول نہ کیا۔ اور خدا تعالیٰ کا شکر ادا اور حمد کہی۔

فرماتے تھے۔ ایک روز نظر ثانی کرتے ہوئے میری نظر ایک ایسی عبادت پر پڑی جو گنجلک تھی اور سندہ مکمل طور پر کچھ کا کچھ ہو گیا تھا میں نے وہ کتابیں جو اس مسئلہ کی ماخذ تھیں کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ دو کتابوں میں بیان ہوا ہے اور ہر ایک نے الگ عبارت سے بیان کیا ہے۔ مولف فتاویٰ نے دونوں عبارتوں کو جمع کر دیا ہے۔ اس وجہ سے مسئلہ کے بیان میں خرابی واقع ہوئی ہے۔ میں نے یہ حاشیہ چڑھا دیا ومن لم یتفقہ فی الدین قد خلط فیہ ہذا غلط و صوابہ کذا یعنی جو دین کی سمجھ نہیں رکھتا اس نے گڑ بڑ کر دی ہے اور صحیح یوں ہے، ان دونوں عالمگیر کو اس کی ترتیب و تدوین میں بہت زیادہ اہتمام تھا اور ملا نظام الدین ایک دو صفحات بادشاہ کے سامنے پڑھا تھا جب وہ اس مقام پر پہنچا۔ اتفاقاً اس نے اس حاشیہ کو متن کے ساتھ ملا کر ایک ہی انداز سے پڑھا۔ بادشاہ چونکا اور کہا یہ کیسی عبارت ہے۔ ملا نظام الدین نے اس وقت تو دفع الوقتی کرتے ہوئے کہا اس جگہ کا میں نے مطالعہ نہیں کیا تھا۔ کل تفصیل سے عرض کروں گا جب وہ گھر آیا تو ملا واحد پر خفا ہوا کہ یہ حصہ میں نے تمہارے اعتماد پر چھوڑ دیا تھا تم نے مجھے بادشاہ کے سامنے شرمندہ کیا۔ یہ تو بتائے یہ لفظ کیا ہے؟ ملا حامد نے اس وقت کچھ نہ کہا۔ پھر اس نے میرے ساتھ اظہار لال کیا۔ میں نے وہ کتابیں جو اس مسئلہ کا ماخذ تھیں پیش کیں اور عبارت کی خرابی کو اس طرح واضح کیا کہ رجب تسلیم کر لیا اس کے بعد ان میں سے بہت سے مجھ سے حسد کرتے تھے اور میری

معزولی کا سبب ان کا حسد ہی تھا۔

حضرت والد ماجد فرماتے تھے۔ ایک روز میں ان کی خدمت میں گیا۔ مکان کی تعمیر میں مصروف تھے معمار کو دیوار کے ساتھ کھڑا کیا ہوا تھا اور اس کے کام میں جرح و قدح کر رہے تھے اس اثنا میں میں وہاں پہنچا۔ جب انہوں نے مجھے دیکھا خوش ہو گئے۔ میں نے اپنا دامن سمیٹا اور گارا بنانے کا ارادہ کیا۔ فرمایا کیا تم نے اس سے پہلے گارا بنایا ہے۔ میں نے عرض کی نہیں لیکن اندازہ سے جس چیز کی ضرورت ہوگی بنا لوں گا۔ فرمایا یہ کام اٹکل پچھ سے ٹھیک نہیں ہوتا میں نے کہا سے لے ایک اور کام تجویز کیا ہے۔ کسی شخص سے چار پائی لانے اور دیوار کے سایہ کے نیچے بچھانے کا اشارہ کیا مجھے فرمایا۔ یہاں ہو جاؤ کیونکہ تم دور سے سفر کر کے آئے ہو۔ میں تعمیل حکم میں لیٹ گیا لیکن نیند نہ آئی۔ عبدالرسول نامی ایک شخص آیا۔ فرمایا تم وقت پر سنبھو ہو وہ مکرس کر ان کے حکم کا انتظار کرنے لگا۔ فرمایا میرا مقصد یہ ہے کہ تم اس کی چار پائی پر بیٹھ کر اس کے پاؤں دباؤ کیونکہ وہ لمبے سفر سے آیا ہے وہ اس قسم کی مہربانیاں فرماتے تھے۔ اور ہر روز کرم و احسان کا اظہار فرماتے۔

حضرت والد فرماتے تھے کہ انہیں حج کا ارادہ ہوا۔ گھر سے نکلے۔ بغیر زادراہ اور اہل خانہ سے رخصت لے بغیر حج کے لئے چل کھڑے ہوئے۔ راستہ میں ان کے بعض مخلص ان سے ملے اگر وہ تنہا اور مجرد تھا تو اسے ساتھ لے لیا اور اگر عیال دار تھا تو اسے واپس کر دیا اور فرمایا کہ ہم نے دور دراز سفر کا ارادہ کیا ہے۔ وہ اسی طرح چلتے رہے اور ایک مدت تک وہاں حجاز میں قیام کیا اور پھر امن و سلامتی سے لوٹے۔ اس سفر میں ان سے بڑی بڑی کرامتیں ظہور پذیر ہوئیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب گھر سے چلے تو ان کے پاس ایک چوٹی تھی۔ راستہ میں کہیں بھی اس کی ضرورت نہ پڑی یہاں تک کہ واپس گھر آ گئے اور وہ چوٹی ان کی جیب میں تھی۔ میں نے ان سے اس قصہ کی تفصیل پوچھی۔ فرمایا اب تک مجھ سے کسی شخص نے اس کا سوال نہیں کیا۔ جب میں گھر سے نکلا۔ ایک شخص نے نذر کے طور پر یہ چوٹی مجھے دی۔ میں نے اسے جیب میں رکھ لیا۔ اس کے بعد اس کی ضرورت نہ پڑی جب میں نے وہ کپڑے اتارے اور نئے کپڑے پہنے۔ دوستوں نے اسے لپیٹ کر

رکھ دیا اس کے بعد نیا لباس خدا تعالیٰ نے عنایت فرمایا اور اسی طرح کپڑے ملتے رہے۔ اس  
 کے بعد نہ تو ان کپڑوں کی ضرورت پڑی اور نہ ہی اس نقدی کی جب ہم واپس آئے  
 وہ کپڑے اور نقدی ملی اور دوستوں میں یہ بات مشہور ہو گئی اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ جہاز  
 میں اپنے ساتھیوں کے سامنے اولیاء کے مقامات و کرامات بیان کرتے تھے، ارض اور پانی  
 پر چلنے کی بات چل نکلی۔ ملاح نے انکار کیا اور کہا اس قسم کے جھوٹ ہم بہت سنتے ہیں۔  
 ان کی کوئی اصلیت نہیں، ان کو غیرت آئی اور سمندر میں پھلانگ لگا دی۔ لوگوں نے  
 ملاح کو ملامت کی۔ وہ بھی شرمندہ ہوا۔ کہ ایک فقیر میرے مجادلہ کی وجہ سے ہلاک ہوا۔ اور ان  
 کے دوستوں کو ان کی جدائی سے دکھ ہوا۔ انہوں نے اونچی آواز سے پکارا کہ میں خیر و عافیت  
 سے پانی پر شیر کر رہا ہوں تم پریشان نہ ہو۔ اس ملاح اور تمام لوگوں نے توبہ کی اور عجز کا اظہار کیا  
 آپ اس کے بعد جہاز میں آگئے۔ اور ان کرامات میں سے ایک یہ ہے کہ حرم شریف میں ایک شخص  
 کو حضرت غوث اعظم کی طرف منسوب ٹوپی اپنے آباؤ اجداد سے ملی تھی اور وہ وہاں اس کی  
 وجہ سے بہت محترم اور مکرم تھا۔ ایک رات خواب میں اس نے حضرت غوث الاعظم کو دیکھا  
 فرماتے تھے کہ ٹوپی کو ابوالقاسم اکبر آبادی کو دے دو۔ اس شخص کے دل میں خیال گزرا کہ اس  
 شخص کی تخصیص میں کوئی حکمت ہے۔ امتحان کے طور پر ایک قیمتی جبینہ اس کے ساتھ ملا  
 دیا اور پوچھتے پچھاتے آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کی یہ دونوں تبرک حضرت غوث  
 پاک رضی اللہ عنہ کے ہیں۔ انہوں نے مجھے خواب میں فرمایا ہے کہ ان کو ابوالقاسم اکبر  
 آبادی کو دے دو۔ اور ان کو آپ کے سامنے رکھ دیا۔ آپ نے قبول فرمایا اور بہت خوش  
 ہوئے۔ اس شخص نے کہا یہ بہت بڑی نعمت ہے۔ اس کے شکرانہ میں کافی طعام تیار کیجئے اور  
 رؤسا شہر کی دعوت کیجئے۔ فرمایا اکل آپ تشریف لائیں اور جس شخص کو چاہیں مدعو کر لیا  
 میں کھانا کافی تیار کروں گا۔ علی الصبح وہ شخص تمام رؤسا شہر کے ساتھ آیا اور کافی طعام  
 تناول کیا اور فاتحہ پڑھی۔ دعوت سے فراغت کے بعد انہوں نے پوچھا کہ آپ متوکل  
 آدمی ہیں اور ظاہری سبب نہیں ہیں۔ اس قدر طعام کیسے تیار ہو گیا۔ فرمایا ہم نے  
 جبینہ کو فروخت کر دیا اور ضروریات خرید لیں وہ عزیز چلایا کہ میں نے اس فقیر کو اس کا

اہل سمجھا تھا یہ تو فریبی نکلا۔ اس نے ان تبرکات کی قدر نہیں پہچانی۔ فرمایا شور مست کرو۔ جو تبرک تھا اسے میں نے محفوظ کر لیا ہے اور جو چیز تبرک نہیں تھی بلکہ امتحان تھی اسے فروخت کر دیا ہے اور اس کی ضیافت اور شکرانہ کا سامان خرید لیا ہے۔ وہ اس قصہ سے آگاہ ہوا تو تمام اہل مجلس سے حقیقت حال بیان کی۔ تمام نے کہا۔ الحمد للہ تبرک اس کے حقدار کو مل گیا۔ اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ حاجی نور محمد سید عبداللہ اور حضرت اور حضرت خلیفہ کے دونوں صحبت یافتہ تھے اور ہمارے پرانے دوستوں میں سے تھے بیان کرتے تھے کہ جن دنوں آپ مکہ معظمہ میں قیام پذیر تھے شدید قحط پڑا قریب تھا کہ ایک دوسرے کو کھا جائیں ان دنوں بارہا میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ لذیذ طعام مثل بربانی وغیرہ تناول فرماتے تھے اور مجھے بھی عنایت فرماتے تھے میں متعجب ہوتا۔ ایک روز میں نے ان سے پوچھا تو مسکرا کر فرمایا جو خدا اکبر آباد میں تھا یہاں بھی ہمارے ساتھ ہے۔

حضرت والد فرماتے تھے۔ ایک روز میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ حمام جانے کی تیاری کر کے گھر سے نکلے ہیں جب مجھے دیکھا تو واپس آگئے اور چمچہ گلاب اور بتاشے لے آئے اور میرے سامنے رکھ دیئے۔ فرمایا اگر چاہو تو بتاشے کھاؤ خواہ شربت کر کے پیو تمہیں اختیار ہے۔ ان کے مریدوں میں سے ایک درویش نے جلدی سے کہا سردی کا وقت ہے بتاشے کھانے زیادہ مناسب ہیں۔ وہ خاموش رہے اور مجھ سے پوچھا تمہیں کیا چیز پسند ہے؟ میں نے عرض کیا شربت پوچھا کس وجہ سے؟ میں نے عرض کیا اس کا مجھلا جواب تو یہ ہے کہ آپ چمچہ بتاشے اور گلاب لائے ہیں۔ اگر ہم صرف بتاشے کھاتے ہیں تو یہ دوسری چیزیں بیکار رہ جاتی ہیں۔ حالانکہ اولیاء کے فعل میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوتی تفصیلی جواب یہ ہے کہ آپ حمام میں تشریف لے جا رہے ہیں۔ حمام کی بے چینی کو شربت تسکین دیتا ہے۔ خاکسار لبسا سفر کر کے آیا ہے اور خفقان کا مریض بھی ہے شربت نشفقان کیلئے تسکین کا باعث ہے۔ جب آپ نے یہ باتیں سنیں تو اس درویش کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور فرمایا میں نے تجھ سے نہیں پوچھا تھا تو نے کیوں جواب دیا۔ بے ادب ہماری صحبت لے لائق نہیں ہیں۔ اٹھو اور یہاں سے نکل جاؤ اور اس پر بہت غصا ہوئے۔ فقیر نے عرض کی یہ درویش

مجھے بددعا لگے گا کہ میری وجہ سے وہ صحبت مبارک سے محروم ہوا۔ اس بار مہربانی فرما کر معاف فرما دیجئے اگر دوبارہ ایسا قصور کرے تو آپ کو اختیار ہے۔ آپ نے اسے معاف کر دیا۔ آپ اس طرح ادب سکھایا کرتے تھے۔

حضرت والد ماجد فرماتے تھے کہ جب انہوں نے مجھے خلافت دینے کا ارادہ فرمایا تو اپنے ایک مخلص کو فرمایا کہ وہ کھانا تیار کرے لوگوں کی دعوت کی اور فقیر کو بھی بلا لیا۔ میرے سر پر دستار باندھی اور معذرت کی میں نے عرض کی مجھ میں اس اہم امر کی لیاقت نہیں اور اس کے حقوق کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ فرمایا تمہیں ایک اور جگہ سے بھی اجازت حاصل ہے سید عبداللہ کے ساتھ تمہارا کیسے معاملہ تھا۔ میں نے عرض کی انہوں نے اپنے تمام حقوق معاف کر دیئے تھے۔ فرمایا میں نے بھی تمام ظاہری اور باطنی حقوق معاف کئے۔ یہ گروہ سمجھ کر کام کرتا ہے۔ پھر فرمایا۔ غریبہ علاقہ کو کہتے ہیں اس کو پس پشت ڈالنا اس بات کو گناہ ہے کہ تمام تعلقات کو پس پشت ڈال دیا۔

حضرت والد ماجد فرماتے تھے کہ حضرت خلیفہ فرماتے تھے کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ آرام کی خاطر بھی فقیر نہیں بنتے یعنی دل جب یک سو ہو گیا اور تمام خطرت جاتے رہے۔ آرام کلی حاصل ہو گیا۔ اگرچہ بظاہر تکلیف ہوتی ہے۔ فرماتے تھے کہ حضرت خلیفہ کے مخلصین میں سے ایک معمار اس شعر کو اکثر پڑھا کرتا تھا ہے

کارِ عالم درازیٹی دارد ہرچہ گرید مختصر گرید

دنیا کا کار و بار بہت دراز ہے جس قدر ممکن ہو مختصر اختیار کرو

فرماتے تھے سید عبدالرسول جو حضرت خلیفہ کے مخلصین میں سے تھا کی ایک بچی تھی۔

اس کی شادی کے لئے مجبور ہو کر اس نے اغنیاء سے مدد لینا چاہی۔ آپ کی خدمت میں

حاضر ہو کر دہلی جلنے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے اجازت دے دی اور فرمایا کہ سب سے پہلے

فلان شخص سے ملو اور میرا نام لینا۔ اس کے بعد جہاں تمہارا جی چاہے جاؤ۔ وہ سب سے پہلے

میرے پاس آیا میں نے کہا ان کی عرض تمہیں اغنیاء کے پاس جانے سے منع کرنا اور تنبیہ

تھی لیکن چونکہ مجھے انہوں نے اضطراب سے بھرا ہوا دیکھا۔ انہوں نے خود منع کرنا پسند نہ



فرمایا۔ وہ بخوبی سمجھ گیا اور استعانت ترک کر دی۔ یہ بات حضرت خلیفہ کی خدمت میں پیش ہوئی تو فرمایا میری یہی غرض تھی۔

حضرت والد فرماتے تھے کہ حضرت خلیفہ مجھے ہمیشہ فرماتے تھے کہ شہر کے فقراء کی زیارت کرو اور فقیر ٹال مٹول کرتا تھا کیونکہ میرا دل پورے طور پر ان کی طرف راغب تھا ایک روز تاکید سے فرمایا اور جب میری طرف سے ٹال مٹول دیکھا تو خادم سے کہا کہ اسے سید عظمت اللہ جو کہ چشتیہ کے مشہور مشائخ میں سے تھے کے پاس لے جاؤ۔ ان کی خدمت میں میری طرف سے سلام عرض کرو اور گزارش کرو کہ آپ کی ملاقات کے لئے انہوں نے ایک عزیز کو بھیجا ہے جب ہم ان کے محلہ میں پہنچے وہ خادم ان کے گھر کو بھول گیا۔ اتفاقاً اس جگہ محلہ کے بچے کھیل رہے تھے ان میں سے ایک بچہ پر میری نظر پڑی۔ میں نے کہا یہ بچہ بزرگ زادہ ہے۔ اس سے پوچھنا چاہیے۔ جب اس سے پوچھا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ سید عظمت اللہ کے صاحبزادے ہیں وہ ہمیں سید عظمت اللہ کے ہاں لے گیا اور حضرت خلیفہ کا پیغام ان تک پہنچا دیا انہوں نے کہا بھیا۔ میں صاحب فراش ہوں حرکت نہیں کر سکتا اور گھر میں قبیلہ کی عورتیں جمع ہیں پردہ ہونہیں سکتا میں معذور ہوں۔ پھر کسی دوسرے شخص کو بھیجا کہ خلیفہ کے درویشوں کو بٹھائیں اور خادم کو فرمایا۔ انہوں نے چار پائی اٹھا کر دروازہ پر پہنچا دی۔ فرمایا میں معذور تھا۔ لیکن پھر میرے دل میں خیال آیا کہ خلیفہ کا بھیجنا حکمت کے بغیر نہیں ہوگا۔ پھر انہوں نے مجھ سے نام، نسب اور وطن پوچھنا شروع کیا اور اچھی طرح تحقیق فرمائی۔ میں نے شیخ عبدالعزیز کی نسبت کو پوشیدہ رکھا کیونکہ میں جانتا تھا کہ ان کا سلسلہ ان کے ساتھ ملتا ہے۔ اس اعتبار سے وہ ایسے وقت میں تعلیم کریں گے اور انہیں تکلیف ہوگی لیکن انہوں نے فراست سے معلوم کر لیا پھر انہوں نے ایک اشکال بیان فرمایا اور انہیں جواب مجھ سے پوچھا میں نے عرض کی کہ میں استفادہ کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ افادہ کے لئے نہیں آیا۔ فرمایا ہمیں اس سوال کا حکم دیا گیا ہے۔ اس وقت جو میری سمجھ میں آیا۔ میں نے کہا۔ وہ خوش ہو گئے اور خود کو چار پائی سے نیچے گرا دیا اور بے حد تواضع کی۔ فرمایا مجھ سے تقصیر ہوئی۔ مجھے علم نہیں تھا پھر فرمایا ہمارے جد ماجیش قدس سرہ نے وصیت فرمائی تھی کہ ہماری اولاد میں سے اگر کوئی تمہارے پاس

آٹے اور اس سوال کا جواب اس طرح دے۔ اسے میری یہ امانت پہنچا دو اور وہ طریقہ کی اجازت اور بعض تبرکات ہیں۔ میرے دادا زندگی بھر اس کے متلاشی رہے۔ انہیں نہ ملا۔ انہوں نے میرے والد کو وصیت فرمائی۔ انہوں نے تلاش کیا۔ مگر نہ ملا۔ پھر میری باری آئی۔ زندگی بھر میں بھی تلاش کرتا رہا مگر وہ نہ ملا۔ اب یہ آخری وقت ہے۔ کوئی فرزند جو یہ صلاحیت رکھتا ہو۔ نہیں ہے۔ اس وجہ سے افسوس کرتا تھا۔ الحمد للہ یہ مین اب دستیاب ہوا۔ پھر انہوں نے میرے سر پر عمامہ باندھا، اجازت بیعت فرمائی، کچھ مٹھائی اور نقدی مجھے عنایت فرمائی جب میں واپس آیا حضرت خلیفہ بڑی خوشی سے ملے۔ فرمایا کامل اور بھر پور آٹے ہوئیں نے تمام چیزیں آپ کے سامنے رکھ دیں۔ انہوں نے فرمایا نقدی ظاہری جمعیت کی علامت ہے، عمامہ اجازت کی نشانی ہے اور جمعیت باطن کی نشانی ہے اور ان دونوں چیزوں میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد شیرینی سے کچھ قبول فرمایا۔ اس قصہ میں بہت سی کرامات ظہور پذیر ہوئیں۔ خصوصاً شیخ عبدالعزیز اور حضرت خلیفہ رضی اللہ عنہم جمعین کی کرامت کا تب حروف اول رسد کہتا ہے کہ کتاب مفتاح العارفین جو کہ میر محمد نعمان نقشبندی کے ایک فرزند کی تالیف ہے میں نظر سے گزرا ہے کہ شاہ عظمت اللہ بن عبداللطیف بن بدر الدین بن سید جلال قادری متوکل اکبر آبادی سادات حسینی ترمذی میں سے ہیں ان کا مولد مسکن و مدفن اکبر آباد میں ہے۔ بہت نایاب شخصیت تھے۔ فقراء ہوں یا اغنیاء کسی کے گھر نہیں جاتے تھے اور گوشہ قناعت میں زندگی گزارتے تھے۔ سلسلہ قادریہ چشتیہ، سہروردیہ اور شطاریہ میں لوگوں سے بیعت لیتے تھے ان کی عمر بہتر سال تھی۔ ۲۔ ربیع الاول ۱۰۸۴ھ میں وفات پائی۔ اکبر آباد میں جس محلہ میں رہتے تھے مدفون ہوئے۔

## اہل اللہ اور مجازیب وغیرہ کے ساتھ حضرت والد کی ملاقات

حضرت والد ماجد فرماتے تھے میں نے ایک شخص کو دیکھا ہے جو خواجہ بیرنگ کا خلیفہ تھا۔  
فرمانی چہرے والا انتہائی جلیل القدر بزرگ تھا۔ شیخی کے نام سے شہور عرصہ مناتا تھا اس

وقت میری عمر چھ سات سال تھی اور میں عرس میں حاضر ہوتا تھا۔ راقم الحروف (ولی اللہ) کہتا ہے کہ اس بزرگ کا نام شیخ نعمت اللہ تھا چونکہ شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری کی اولاد سے تھا۔ ایسے شیخ کہتے تھے۔ خواجہ بیزنگ کی صحبت میں حاضر ہوا۔ اور بے انتہا لطف و کرم کا مورد بنا۔ ۱۰۶۷ھ میں فوت ہوا۔ خواجہ شیخی کے ذکر کے بعد حضرت والد نے ایک قصہ بیان کیا ہے۔ خوش طبعی سے فرمایا۔ خواجہ شیخی ولایتی مرد تھے، بڑی پگڑی سر پہ باندھتے اور کشادہ جبہ پہنتے تھے۔ عرس کے تبرک کی روٹیاں بہت چھوٹی ہوتی تھیں۔ ایک آزاد مرد نے تمسخر کیا اور کہا۔

میاں شیخی! جبہ شما ہزار شیخی دستار شما آں و نان شما ایں یا میاں شیخی تمہارا جبہ تو بہت کشادہ ہے اور دستار کی یہ حالت اور روٹیاں اس قدر چھوٹی!

حضرت والد فرمایا کرتے تھے ایک رات میں اکبر آباد میں جا رہا تھا کہ ایک مجذوب سامنے آیا اور دنیا بھر کے مجذوبوں کے نام لینے شروع کر دیئے کہ شام میں فلاں مجذوب ہے اور روم میں فلاں مجذوب ہے۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ کاش ہندوستان کے مجذوبوں کے متعلق کچھ کہے۔ یہ خیال آتے ہی اس نے ہندوستان کے مجذوبوں کو گنا شروع کیا۔ ان میں سے اس نے کہا فلاں مجذوب خوب ہے۔ راقم الحروف کا گمان ہے کہ یہ کیا کہا اور فلاں نیم مجذوب ہے۔ راقم الحروف کا گمان ہے کہ پیرا کہا۔ پھر میرے دل میں گزرا کاش! ہندوستان کے ساکین کے متعلق کوئی بات کہے وہ اس خیال سے بھی آگاہ ہو گیا اور کہا تمہارے شہر اکبر آباد میں خلیفہ ابوالقاسم جیسا دوسرا کوئی شخص نہیں ہے۔ پھر میری طرف متوجہ ہوا اور کہا تم کیوں کھڑے ہو جاؤ، میں وہاں سے چل دیا۔

فرماتے تھے کسی کام کے لئے میں سو فی پت گیا ہوا تھا۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ منو مجذوب کو ملوں۔ میں اس کے ٹھکانے پر گیا وہ سویا ہوا تھا۔ جب اس نے آہٹ کو محسوس کیا تو اس نے گڈری پیٹ لی اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اور اپنا ستر ڈھانپ لیا۔ میں تھوڑی دیر اس کے پاس بیٹھا اس نے کوئی بات نہ کی، میں نے بات کا آغاز کیا، میں نے کہا میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ اگر ہوشمندی سے جواب دو۔ تو پوچھوں ورنہ موقوف کر دوں۔ اس نے کہا حتی الامکان کوشش کروں گا۔ میں نے پوچھا تمہیں کونسی دولت حاصل ہوئی ہے جس کی وجہ سے عقل و تیز جاتی رہی۔ کچھ دیر اس نے سوچا۔ پھر کہا ایک شخص گرمی سے جلا بھنا پسینہ سے شراب لبر ہو چکا

ٹھنڈی ہوا چلنی شروع ہو جانے جس سے اسے مکمل راحت موصل ہو۔ اس راحت کو کس تعبیر کر سکتے ہیں۔ میں نے کہا یہ اور اس سے بہتر سا لک کے سامنے مقامات آتے ہیں۔ اس کے باوجود ان کی عقل زائل نہیں ہوتی۔ اس نے کہا یہ اللہ کی عطا ہے بشرخص کو جیسا چاہتا ہے رکھتا ہے۔ حضرت والد فرماتے تھے کہ میرے والد بزرگوار لمبا سفر طے کر کے آئے تھے۔ ان کا ارادہ تھا کہ شہر کے باہر سے ہی دوسرے سفر پر روانہ ہو جائیں۔ انہوں نے مجھے طلب فرمایا۔ میں ان کی زیارت کے لئے روانہ ہوا۔ راستہ میں میرا گزر ایک انتہائی پُر رونق باغ پر ہوا۔ میں اس کی سیر کرنے لگا وہاں ایک درخت تھا جس کی شاخیں زمین پر پڑی ہوئی تھیں ان شاخوں میں ایک منحل صورت مجذوب بیٹھا ہوا تھا۔ جب اس نے مجھے دیکھا۔ پکارا کہ اے فلاں آؤ تھوڑی دیر ہمارے پاس بیٹھو۔ میں اس کے پاس جا بیٹھا۔ اس نے سلوک اور اپنی ریاضتوں کی بات شروع کر دی ان میں سے ایک یہ تھی کہ اوائل سلوک میں ایک پہر بلکہ اس سے بھی زیادہ جس دم کرتا تھا بظاہر مولانا قاضی قدس سرہ سے نسبت رکھتے تھے پھر کہا تمہارے پاس فلاں طعام ہے۔ قدرے میرے لئے اس میں سے منگو اڈو۔ میں نے منگو اڈیا۔ تو اس نے کھایا۔ پھر کہا تمہاری جیب میں اتنے فلوس ہیں مجھے ایک فلوس کی ضرورت ہے تاکہ حجام کو نئے دارٹھی اور سرکی اصلاح کراؤں میں نے فلوس اس کے آگے رکھ دیا۔ پھر وہاں سے چل دیا۔

حضرت والد فرماتے تھے میرا وہ کی طرف ایک مجذوب تھا جو مسجد میں قطعاً داخل نہیں ہوتا تھا کہتا تھا کہ ہم ناپاک ہیں ہمیں مسجد میں داخل ہونا مناسب نہیں۔ وہاں کے زمینداروں کا کھانا نہیں کھاتا تھا۔ ہندی الفاظ استعمال کرتا تھا جس کا مفہوم یہ کہ اس طعام میں بستگی ہے۔ جب میں اس طرف گیا تو وہ مجھے ملنے کے لئے مسجد میں آیا اور میرے ساتھ کھانا کھایا لوگوں نے اس سے پوچھا تو کہا کہ ان کی وجہ سے میں پاک ہو گیا ہوں اور تمہارے کھانے سے بستگی رفع ہو گئی ہے۔ فرماتے تھے شرح ملا میں بحث عطف میں ایک دقیق عبارت آئی ہے۔ اکثر فضلاء اور خوش طبع اس مقام کو موضوع بنائے رکھتے ہیں۔ ایک رات آغاز جوانی میں اس مقام کا مطالعہ کر رہا تھا۔ میں نے وہاں ایک اعتراض پیدا کیا اور شیخ حامد سے بیان کیا اس نے کہا یہ اعتراض میرے ذہن میں بھی پیدا ہوا ہے۔ تو ارد ہو گیا ہے۔ دوسری رات میں نے اسے حل کیا انہوں نے

اپنی شرح ملا کا نسخہ طلب کیا وہاں انہوں نے یہ اعتراض لکھا ہوا تھا: آخر میں لفظ فتائل لکھا ہوا تھا۔ انہوں نے کہا تامل اس عبارت کا حل ہے تیسری رات میں نے اس حل کو مخدوش کر دیا اور سوال کی تقویت کی۔ اس مباحثہ میں تین راتیں مسلسل جھوٹ میں آدھی رات تک مطالعہ کرتا تھا ان راتوں میں سے ایک رات میں تنہا تھا۔ ایک مجذوب داخل ہوا کشیدہ قد خوبصورت فارسی میں باتیں کرتا تھا گویا موتی جڑے تھے۔ میرے نزدیک بیٹھ گیا اور خوش طبعی سے کہا بھائی! شملہ چھوڑنا مکروہ ہے یا حرام۔ میں ان دنوں شملہ نہیں رکھتا تھا۔ میں نے پگڑی کے نیچے سے قدرے کھینچا۔ یہاں تک کہ شملہ پیدا ہو گیا پھر میں نے کہا بعض روایات میں سنت ہے اور بعض میں مستحب وہ اس بات سے ہنسنا پھر کہا آج رات کسی طالب علم کی گردن پر سوار ہو کر اسے اس مسجد میں بھگانا چاہیے۔ یہاں تک کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ کیسی عمدہ بات ہے۔ میں ڈرا کہ یہ مجھ پر سوار ہو گا۔ میرے پاس خنجر تھا میں نے اسے ہاتھ میں پکڑ لیا اور کہا۔ آج کیسی عمدہ رات ہے۔ کسی درویش کو قتل کرنا چاہیے اور اس کے گوشت پوست کو کھانا چاہیے۔ بہت ہنسنا اور کہا۔ اے بھائی تو نے کونسی کتاب میں پڑھا ہے کہ درویش کا قتل کرنا اور اس کا گوشت کھانا حلال ہے۔ میں نے کہا تو نے کون سی کتاب میں پڑھا ہے کہ طالب علم کی گردن پر سوار ہونا اور بے ہوش کرنا مباح ہے۔ اس نے کہا میری مراد اس سے مجازی معنی تھے کہ کسی طالب علم کو اپنے تصرف میں لانا چاہیے اور آب و گل کی رحمت سے اسے نجات دلانی چاہیے میں نے کہا میری مراد بھی مجازی معنی ہی تھے۔ یعنی درویش کے دل کو پورے طور پر اپنی طرف متوجہ کرنا چاہیے اور اس کے کمالات کو حاصل کرنا چاہیے۔ اس نے کہا مجاز کو حقیقی معنی کے ساتھ مربوط ہونا چاہیے۔ میرے مجاز کا تعلق تو ظاہر ہے فرمائیے آپ کے مجاز کا ربط کیا ہے میں نے کہا منقول ہے کہ امام ابوحنیفہ نے آغاز کار میں ایک خواب دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہڈیوں کو قبر سے نکال کر بعض کو بعض سے الگ کرنا ہے۔ اس خواب کی دہشت سے وہ بیدار ہو گئے اور ابن سیرین کے ایک شاگرد سے تعبیر دریافت کی اس نے کہا تمہیں مبارک ہو کہ تم سنت کو اچھی طرح جانتے اور صحیح کو خراب سے جدا کرو گے۔ یہ تعبیر میرے ربط کا گواہ ہے۔ پھر کہا اگر ان تین راتوں میں خدا تعالیٰ کو یاد کرتا تو

تجھے اخروی فائدہ حاصل ہوتا اور اگر سو جاتا تو تیرے بدن کو آرام ملتا۔ اموات کے جھگڑوں سے تجھے کیا فائدہ حاصل ہوا۔ میں نے کہا تم سے سچ کہا لیکن تجھے ان معاملات سے اس قدر الفت ہو گئی ہے۔ چھوڑنے کا امکان نہیں۔ اس نے کہا خوش رہو۔ ترک کا زمانہ نزدیک آ گیا ہے پھر کہا میری طرف سے ایک شعر لکھ لو۔ میں نے کہا میرے پاس قلم دوات نہیں ہے۔ کہا یاد کر لو۔

بیت کاے نساختیم و دیدن گرفت صبح اوج چراغ خانہ بافسانہ مخلصیم  
کوئی گمان نہ کر سکے اور صبح طلوع ہو گئی، افسانہ گوئی میں چراغ خانہ کی بتی جلادی

حضرت والد فرماتے ہیں اس کے بعد مطالعہ سے میرا دل اچاٹ ہو گیا کبھی طالب علموں کی طرح مطالعہ کا اتفاق نہ ہوا۔ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ راستہ پر جا رہا تھا۔ ایک مجذوبہ سامنے آئی تہ بند پتھروں کی گڈی اوپر لے رکھی تھی جو تیل سے تر ہو چکی تھی۔ میرا راستہ روک کر بلند آواز سے پکاری کہ یہ شخص پورے نقش بند یہ کا حامل ہے۔ جو چاہتا ہوا سے دیکھ لے میں نے کہا اس سے زیادہ مجھے رونا نہ کر۔ تو وہ چل دی۔ راقم الحروف رولی اللہم کا خیال ہے کہ حضرت والد نے فرمایا اس روز مجھے الہام ہوا کہ آج جو بھی تجھے دیکھے گا بخشا جائیگا۔ اسی سبب میں بازار گیتھا۔

حضرت والد فرماتے تھے کہ میرے دل میں خیال گزرا کہ صوفیاء کے لباس میں مقید رہنا تکلف سے خالی نہیں ہیں نے اسے اتار دیا اور سپاہیوں کی طرح عمامہ باندھا اور شمشیر حامل کی اور گھوڑے پر سوار ہو کر جاتا تھا کہ ایک مجذوب سامنے آیا۔ اور کہا کہ چاند کو کوئی شخص پیالیہ سے ڈھانپ سکتا ہے۔ تجھے تیرے محبوب کی قسم اس لباس کو اتار دے اور صوفیوں کا لباس پہن لے اس کے بعد سے میں نے اسی صوفیانہ لباس کو لازم قرار دے لیا۔

حضرت والد فرمانے تھے کہ شاہ ارزانی ایک مجذوب بزرگ تھے۔ حاکمانہ وضع سے رہتے تھے۔ ایک دعوت میں مجھ سے ان کو بہتہ الفت ہو گئی۔ ایک روز مسجد جنو میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں کسی جگہ چلا گیا اور گھر والوں کو ان کا خیال رکھنے کے متعلق کہنا بھول گیا میں پندرہ روز کے بعد گیا۔ مجھے وہ اس جگہ ملے۔ اس دوران میں ایک دو بار کے سوا کچھ نہیں کھایا۔ اس کے باوجود ان کے جسم پر کمزوری کے اثرات نہیں تھے۔ برادر گرامی رابوالرضا محمد ابتدا میں انتہائی

مفلس تھے۔ ان کی طرف رجوع کیا۔ مجذوب نے اکتالیس بار سورہ مزمل پڑھنے کی ہدایت کی جس سے انہیں وسعت و خوشحالی حاصل ہو گئی۔ ایک بار میں نے ایک دوست کی ان سے سفارش کی کہ فقیر عیال دار ہے اس کی طرف توجہ فرمائیے۔ انہوں نے ایک دعا پڑھنے کے لئے کہا اور اسے چند شرائط سے مشروط کر دیا۔ ان میں سے ترک کذب اور ترک قتل حیوان بھی تھا اس دوران میں اس نے ایک جوں کو مارا اور ایک بچے کو کہا کہ آکر لے جاؤ اور دیا کچھ نہیں انہوں نے اسے کہا اب تکلیف نہ اٹھاؤ نہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ آخر اس نے چلہ پورا کیا اور گریہ و زاری سے ان کی طرف رجوع کیا۔ انہوں نے ایک کورا برتن طلب کیا اور اس میں ایک نقش لکھا اور پارہ ڈال کر آگ پر رکھا۔ اس کا کچھ حصہ جوڑا بن گیا اور کچھ ایسے ہی رہ گیا۔ پھر ان کی زبانی معلوم ہوا کہ یہ شخص اس بات کے لائق تھا۔ وگرنہ میں جو کچھ چاہتا تھا بغیر کسی شرط کے ہو جاتا تھا۔

حضرت والد فرماتے تھے کہ شیخ لعل کے پاس عجیب قسم کی دعائیں تھیں۔ ایک روز انہوں نے مجھے کہا ذوق سماع رکھتے ہو میں نے کہا ہاں۔ ایک کنوئیں کی منڈیر پر کھڑے ہو کر سنگریزے پر کچھ لکھا اور کنوئیں میں ڈال دیا۔ اس میں سے مزامیر کی آوازیں سنائی دیتی تھیں بعض مرتبہ دعائیں پڑھتا تو ظاہر ہو میں اور اس لکڑی کے ساتھ جو اس نے پہلے تیار کی ہوتی سے مارتا خالص مزبان جاتیں ایک روز میرے پاس آیا اور کہا میری عمر ختم ہو چاہتی ہے۔ ان اعمال کو مجھ سے لے لو۔ میں نے کہا مجھے ان کی ضرورت نہیں۔ اس نے کہا اگر تم نہیں لیتے تو میں ان کو دریا میں ڈالتا ہوں کوئی دوسرا اس کے لائق نہیں۔ میں نے کہا ڈال دو۔ ان تمام کتابوں اور اعمال کو دریا میں ڈال دیا۔

حضرت والد فرماتے تھے۔ ہمارے شہر میں ایک فاضل اور صالح بزرگ تھے جو تمام تعلقات سے کمال طور پر آزاد تھے۔ خواجہ سعد اللہ خاں کے بعض خواجہ سرا اس سے علم کا استفادہ کرتے تھے اور ان کی خدمت کرتے تھے۔ سعد اللہ خاں نے ہر چند انہیں بلایا مگر انہوں نے قبول نہ کیا اتفاقاً میں ایک روز ان کی خدمت میں پہنچا میں ان دنوں کا فیرہ پڑھتا تھا۔ ان خواجہ سراؤں میں سے ایک نے مجھ سے بحث منادی میں سوال کیا جس کا جواب مجھے نہ آیا۔ میں غمگین ہوا۔ جب اس بزرگ کو میری پریشانی معلوم ہوئی اور اس کی وجہ معلوم ہوئی تو خواجہ سرا پر مارض ہوئے اور فرمایا تم اس بچے کو نہیں جانتے کہ کون ہے۔ ایک وقت آئے گا کہ اس کی جوتی

تیرے آقا کے سر پر رکھے جانے کو عار سمجھے گی۔

حضرت والد فرماتے تھے۔ ایک عمر رسیدہ بزرگ حاجی شاہ محمد سیاح اور بہت بزرگوں کے صحبت یافتہ تھے۔ ان کے مزاج میں بہت تیزی تھی مرض موت میں میں ان کی عیادت کے لئے گیا۔ میں نے کہا آپ کا وجود غنیمت ہے۔ انہوں نے فرمایا یہ وجود تنور میں پڑا ہوا بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا۔ ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ وہ وجود جو تنور کے لائق ہو وہ تنور میں ڈالا جائے گا۔ اور یہ وجود ایک عطیہ ہے جو خدا تعالیٰ نے عنایت فرمایا ہے۔ خاموش ہو گئے۔

حضرت والد فرماتے تھے میں نے شرح مواقف اور باقی تمام اصولی اور علم کلام کی کتابیں مرزا زاہد ہر دی محتسب سے پڑھیں۔ وہ مجھ پر بہت توجہ فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر میں کہتا کہ آج میں نے مطالعہ نہیں کیا۔ تو فرماتے ایک دو سطر ہی پڑھ لو تاکہ ناغہ نہ ہو۔ ایک بادشاہ نے انہیں بلانے کے لئے کسی شخص کو بھیجا۔ آپ جلدی اس طرف روانہ ہوئے دروازہ سے نکلنا چاہتے تھے کہ میں ان کے پاس پہنچ گیا اور دروازے کے دونوں کوارٹرز مضبوطی سے پکڑ لئے اور کہا۔ جب تک آپ یہ کام نہ کر لیں میں نہیں چھوڑوں گا۔ فرمایا تم میرے واپس آنے تک بیٹھو تاکہ اطمینان سے تمہاری بات سنوں۔ اس وقت میرا دل متروک ہے۔ میں نے کہا نہیں میں آپ کو اس وقت نہیں چھوڑوں گا جب تک آپ کام نہ کر دیں جب آپ نے مجھے مہر دیکھا۔ کھڑے ہو گئے اور جب تک وہ کام نہ کر لیا باہر نہیں نکلے۔ لوگوں نے جب یہ دیکھا تو بہت متعجب ہوئے۔

حضرت والد فرماتے تھے کہ مرزا محمد زاہد نے رمضان کے مہینہ میں میری دعوت کی میں ان کے گھر میں تھا۔ جب مغرب کا وقت آیا تو ایک کباب فروش آیا اور کبابوں کا خوان انکے آگے رکھ دیا کہ میں نذر لایا ہوں۔ مرزا مسکرائے اور کہا۔ اسے عزیز نہ تو میں تیرا پیر ہوں اور نہ استاد۔ نذر کا کیا مطلب۔ البتہ تیری کوئی غرض ہوگی۔ اسے بیان کر۔ اس نے کہا مجھے کوئی غرض نہیں۔ انہوں نے مبالغہ کیا۔ آخر کار معلوم ہوا کہ اس کی دکان رستہ پر ہے اور مرزا کے مددگار اس دکان کو گرانا چاہتے ہیں فرمایا میں کل ایک دین دار آدمی کو بھیجوں گا بغیر کسی زیادتی اور ظلم کے ٹھیک فیصد کرے گا پھر فرمایا چلے جاؤ۔ اس نے کہا میں نے یہ تمام کباب آپ کے



لئے تیار کئے ہیں اور وقت ختم ہو چکا ہے اس وقت میں اس قدر کباب فروخت نہیں ہو سکتے۔ وہاں ایک اخوند جو مرزا کے بچوں کو پڑھاتا تھا اسے کہا کہ اس کی قیمت مقرر کرو اور ہمارے گھر سے دے دو۔ اس نے جا کر اس کی قیمت اٹھنی مقرر کی۔ میں نے مرزا سے آہستہ کہا کہ آپ کی غرض رشوت سے بچنا تھا اور وہ پوری نہیں ہوئی کیونکہ اس کباب کی قیمت زیادہ ہے اور نصف روپیہ میں کباب فروش اس غرض کی وجہ سے راضی ہوا ہے۔ مرزا چونکا اور کباب فروش کو بلایا اور کہا سچ بتا گوشت کتنے کا خرید تھا اور مصالحہ اور ایندھن کتنے کا تھا اور قبری اجرت کیا ہے۔ القصدہ جب حساب کیا تو ڈیڑھ روپیہ بنا۔ اسی قدر اسے دیا پھر اخوند کو بلایا اور اس پر پیت ناراض ہوئے اور کہا تم ہمارا روزہ حرام پر افطار کرانا چاہتے تھے۔ یہ کیسی عقلمندی اور کہاں کی دوستی تھی پھر ان کو تناول فرمایا۔ واضح ہو کہ مرزا محمد زاہد ہروی قاضی اسلم کے فرزند تھے جو جہانگیر کے زمانہ میں برات سے ہندوستان آئے نہیں۔ بادشاہ نے قاضی القضاة کا عہدہ دیا۔ ملا محمد فاضل کے شاگرد تھے اور ملا محمد فاضل کا مولد بدخشان ہے۔ ابتدائے جوانی میں پیلے کابل پہنچے اور ملا صادق طوائی کے شاگرد ہوئے۔ اس کے بعد توران میں جا کر مشکل مسائل کے گره کشا کشف غوامض معقول۔ ملا مرزا جمال شیرازی سے فیض صحبت حاصل کیا اور فنون حکمت کو ملا یوسف سے حاصل کیا جو کہ ملا مرزا جان شیرازی کے ارشد تلامذہ اور استاذ العلماء تھے۔ پھر لاہور میں آکر قیام کیا اور علم تفسیر اور اصول کو جمال لاہوری سے جو عربیت میں یکاثر روزگار تھے۔ پڑھا اور علوم عقلیہ و نقلیہ کے متبحر عالم ہو گئے۔ مرزا محمد زاہد ہروی تیرہ سال کی عمر میں علوم سے فارغ ہو گئے تھے۔ وہ جودت ذہن اور طبع رسا میں زمانہ بھر میں عظیم النظر ہو گئے۔ ان کی تصانیف میں سے حاشیہ شرح مواقف حاشیہ شرح تہذیب اور حاشیہ رسالہ تصور و تصدیق مشہور ہیں اور طلباء میں متداول ہیں ان کے علاوہ ان کی اور تصانیف بھی ہیں جسے حاشیہ شرح تجرید حاشیہ ہیا کل ظاہر ا تسوید حاشیہ شرح مواقف اس وقت لکھا جب والد بزرگوار ان سے پڑھا کرتے تھے۔ اس کا بیضہ کابل میں تیار ہوا جبکہ منصب قضا سے مستعفی ہو کر کابل میں گوشہ نشینی اختیار کر رکھی تھی۔

مرزا محمد زاہد ہروی نے صوفیہ کے مشرب سے بھی پورا حصہ حاصل کیا تھا اور اس طریقہ کے اکابرین میں سے ایک شخص کی صحبت حاصل کی تھی۔ آپ کی تصانیف میں سے دو مہین نکات راقم الحروف کو بہت پسند آئے۔ ایک یہ کہ مبحث وجود میں لکھتے ہیں۔

”حقیقت یہ ہے کہ لفظ وجود مصدری معنی کے لحاظ سے اعتباری امر ہے جو نفس الامر میں منتہی ہے۔ اور حقیقی معنوں کے اعتبار سے ہر اس چیز پر اطلاق ہوگا جو موجود بنفسہ ہو بلکہ جس کا وجود اپنی ذات کے لئے واجب اور ضروری ہو اور یہ اس لئے کہ کسی چیز کے قابل اعتبار اور نفس الامر میں ثابت ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس کے وجود کا موصوف اس حیثیت میں ہو کہ اس پر سلب وجود کا اطلاق بھی صحیح ہو سکے۔ یہاں تین امور قابل لحاظ ہیں۔

۱۔ اول منتزع عنہ ہے اور وہ اس کی ماہیت ہے۔ دوسرا منتزع ہے اور وہ مصدری معنی کے اعتبار سے وجود ہے؟ تیسرا منشأ الانتزاع ہے اور وہ وجود کا نابہ الوجودی معنی ہے۔ اور وہ قائم بنفسہ واجب لذاتہ وجود ہے۔ کیونکہ وہ محض انضمام کے طور پر ماہیت کے ساتھ قائم نہیں۔ وگرنہ اس کا موصوف کے وجود سے ٹوٹ کر ہونا لازم آتا اور نہ ہی انتزاع کے طور پر قائم ہے۔ وگرنہ وجود مصدری کے انتزاع کے وقت ایک اور انتزاع لازم آتا بلکہ غیر متناہی انتزاعات لازم آتے۔ دوسرا یہ کہ مبحث علم واجب الوجود میں لکھتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ ذات واجب تعالیٰ کے لئے علم اجمالی ہے اور علم تفصیلی علم اجمالی وہ تو علم تفصیلی کا ہمدرد اور صورت ذہنیہ اور خارجیہ کا خلاق ہے۔ اور وہی علم حقیقی ہے۔ صفت کمال اور عین ذات ہے۔ اس کی تحقیق جو میرے رب نے اپنے فضل و کرم سے الہام فرمائی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ممکن کی دو جہتیں ہیں۔ ایک، وجود اور فعلیت کی جہت اور دوسری عدم وجود اور لافعلیت کی جہت، اور یہ دوسری جہت کے لحاظ سے اس امر کی صلاحیت نہیں رکھتا کہ علم اس کے ساتھ متعلق ہو کیونکہ وہ اس جہت سے معدوم محض ہے۔ پس وہ جہت جس کے لحاظ سے علم اس کے ساتھ متعلق ہوتا ہے تو وہ پہلی جہت ہے اور وہ اس کی طرف راجع ہے کیونکہ ممکن کا وجود بعینہ واجب کا وجود ہے جیسا کہ اہل تحقیق کا مسلک ہے

پس اللہ تعالیٰ کا ممکنات کے ساتھ علم اس کے علم بذاتہ میں سمویا ہوا ہے۔ اس حقیقت سے کہ اس سے کوئی چیز خارج نہیں ہوتی، اوصاف انتزاعیہ کا اپنے موصوفات کے ساتھ حال بھی تجھے اس کے سمجھنے میں مدد دے گا۔ انتزاعی اوصاف بھی وجود رکھتے ہیں جو آثار سے مرتب ہونے پر وجود خارجی کے مقابل پاٹے جاتے ہیں اور یہی منشاء اتصاف ہوتا ہے اور اسی بنا پر موصوف اور صفات میں امتیاز قائم کیا جاتا ہے۔

اور علم تفصیلی اور وہ موجودات خارجیہ اور صور ذہنیہ، علوی اور سفلی کا علم حضوری ہے پس غور و فکر و شاید یہ اہم مسئلہ خالی الذہن ہو کر باریک بینی سے اور زیادہ واضح ہو جائے ہم نے تعلیقات شرح تجرید میں اس کی مزید تفصیل بیان کی ہے۔

## حضرت الدراجہ کے واقعات کشف الوح اور اس سے

### متعلقہ حالات

فرمایا کرتے تھے میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک جماعت حق تعالیٰ کے دیدار کے لئے بعالم بھاگ چلی جا رہی ہے۔ میں بھی اس جماعت میں ہوں ایک پاک مصفا جگہ آئی اور عصر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ ان تمام لوگوں نے مجھے اپنا امام بنایا جب نماز ختم ہو گئی میں اس جماعت کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا تم یہ تمام کوشش کس کی طلب میں کر رہے ہو انہوں نے کہا حق تعالیٰ کی طلب میں۔ میں نے کہا میں وہی تو ہوں جس کی طلب تم کرتے ہو انہوں نے اٹھ کر میرے ساتھ مصافحہ کیا۔ راقم الحروف رولی اللہم کہتا ہے کہ اس قسم کی خواب کبھی حق تعالیٰ کی اعانت سے تصرف فی المخلوق کے مقام کی بشارت دیتی ہے اور کبھی ایسا دعویٰ اس وقت کرتا ہے جب وہ فانی التوجید ہوتا ہے۔

فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں نے حق تعالیٰ سے تحقیق و تجدد امثال کی طلب کی مجھ پر ایک حالت طاری ہو گئی کہ میں نے خود کو قیوم عالم دیکھا اور عالم کے ہر ذرہ کا اپنے ساتھ ربط و تعلق مشاہدہ کیا کہ اگر وہ منقطع ہو جائے تو لاشی محض ہو جائے۔

فرماتے تھے ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا حضرت حق سبحانہ تعالیٰ میرے

گھر تشریف لائے ہیں، میں گھر کی تنگی سامان کی بے ترتیبی اور تمام وہ حالات جو بزرگوں کی موجودگی میں نامناسب ہیں۔ سے نکل اور شرمندہ ہوں لیکن اس طرف سے بے انتہا لطف و کرم مبذول ہوتا ہے۔ علی الصبح اتفاقاً حافظ عبداللطیف کے گھر گیا۔ انہوں نے مجھے گھر کے اندر بٹھایا پھر گھر کی تنگی سے حیا و نجالت کا اظہار شروع کر دیا میں نے کہا آج رات میں نے حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کو دیکھا میں بھی اس طرح عرق نہامت میں غرق تھا اور اس طرف سے بے انتہا لطف و کرم کا اظہار ہوتا رہا۔ راقم الحروف رومی الشہم کہتا ہے کہ یہ واقعہ بھی حق تعالیٰ کی مدد سے مخلوقات میں تصرف پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اس واقعہ میں حق پر دلالت کرنے والا خود حق کی صورت میں ظاہر ہوا۔

فرماتے تھے مجھے بعض درویشوں کے متعلق تردد تھا کہ وہ حق سبحانہ

## فرق مراتب

و تعالیٰ کی بارگاہ میں کیا مقام رکھتے ہیں خواب میں میں نے تجلیات

سے ایک تجلی دیکھی گویا حضرت حق حسن صورت میں متمثل ہوتے ہیں اور چہرہ پر برقعہ ہے میرے اور اس کے درمیان مسافت ہے جب اس کے جمال پاک کا مشاہدہ ہوا دل بے قرار ہو گیا میں اس کے قرب کا خواہش مند ہوا وہ اس خیال سے آگاہ ہو گیا اور قدرے نزدیک ہو گیا۔ اس وقت آتش شوق اور زیادہ بھڑک اٹھی اور قرب کی خواہش بڑھ گئی وہ اس خیال سے بھی مطلع ہوا میرے نزدیک آ گیا۔ میں برقعہ کے وجود سے تنگ آ گیا میری آرزو ہوئی کہ وہ بھی اٹھ جائے۔ فرمایا یہ برقعہ ہر ایک ہے حسن سے حس منعکس ہوتا ہے میں نے کہا یہ بھی تو آخر حجابات میں سے ایک حجاب ہے۔ اس نے اسے بھی اٹھا دیا۔ پھر فرمایا بعض سالکین کو پہلا مرتبہ حاصل ہے خاص سالکین کو دوسرا اور اخص انخاص کو تیسرا مرتبہ حاصل ہے۔ فلاں کے پاس ان تین میں سے کوئی بھی نہیں۔

فرماتے تھے ایک مرتبہ طبیعت میں بڑا انقباض تھا میں نے خواب میں زیورات سے

خوبصورت عورت کی شکل میں تجلی دیکھی جو آہستہ آہستہ میرے نزدیک آتی تھی۔ اور میری آتش شوق زیادہ سے زیادہ بھڑک رہی تھی۔ آخر کار معانقہ کیا اور میرے ساتھ ایک ہو گئی میں نے خود کو بعینہ وہی حسینہ دیکھا اور وہ تمام زیورات اپنے جسم پر مشاہدہ کئے انبساط اور

سرور حاصل ہوا اور وہ انقباض جاتا رہا۔ راقم الحروف رولی محمد کہتا ہے کہ یہ واقعہ بھی حصول مقام توحید پر دلالت کرتا ہے اور یہ اسی کا شعبہ ہے۔

فرماتے تھے میں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان الہیہ مثل حی علیم وسمیع اور بصیر آفتاب ماہتاب کی مانند روشن دائروں کی صورت میں میرے لئے متشکل ہوئے یکے بعد دیگرے طلوع اور غروب ہوتے تھے پھر فرمایا بسید سے سب سے زیادہ شکل دائر کی ہے اس لئے اس میں متمثل ہوتے۔

فرماتے تھے ایک روز میں عصر کے وقت مراقبہ میں تھا مجھے غیبوت حاصل ہوئی اس وقت کو مجھ پر چالیس ہزار

## توسیع اوقات

سال کے برابر وسیع کر دیا اور اس مدت میں ابتداء خلقت سے قیامت کے روز تک کے احوال و افعال تمام ظاہر کئے۔ کاتب کا گمان ہے کہ ان کلمات کے ذیل میں یہ بھی فرمایا کہ لا الہ الا اللہ کے حروف کی مسافت اتنے ہزار سال تھی۔

فرماتے تھے مجھے خواب میں دو اشخاص دکھائے ایک ذکر حق میں مستغرق اسے حق کے علاوہ کسی طرف کوئی التفات نہیں اور نہ ہی اپنی ذات کی طرف اور دوسرا اس سے کمال اور اتم اور وہ اس کے باوجود اپنا اور دوسری دنیا کا شعور کھاتا تھا اور ظاہری اور باطنی آداب سے بھی پورے طور پر آراستہ تھا۔ اس وقت مجھے الہام ہوا کہ اول ذات حق میں فانی ہے اور دوسرے کے حال کو آئینہ کرتیہ لچینہ حیوۃ طیبہ ظاہر کر رہی ہے۔ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ مجھے کمال بنے خودی اور فنا حاصل ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ میرے فلان بندے کو تلاش کرو۔ انہوں نے زمین میں تلاش کیا وہ نہ ملا۔ آسمانوں میں تلاش کیا اسے نہ پایا۔ بہشت میں جستجو کی نہ ملا۔ پس حق سبحانہ و تعالیٰ نے خطاب فرمایا کہ جو شخص مجھ میں گم ہو گیا وہ زمین و آسمان اور جنت میں نہیں مل سکتا۔ فرماتے تھے ایک رات خواب میں میں نے جنت کو دیکھا گویا کہ میں اس کے وسط میں کھڑا ہوں اور اس کی حور و قصور کو دیکھ رہا ہوں۔ اس وقت میرے دل میں خیال آیا ہم نے تو حور و قصور کو دل سے نکال دیا تھا اور حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کی طلب میں یک جہت ہوتے یہ کیا ہوا کہ اس جگہ مقصود حقیقی دکھائی نہیں دیتا۔ تمام حور و قصور ہیں۔ اس وقت مجھ پر گریہ وزاری

نے غلبہ کیا وہاں کے باشندے آتے تھے اور اپنے دامن یا آستین میں مجھے لیتے تھے اور کہتے تھے یہ خوشی و مسرت کی جگہ ہے۔ گر یہ و غم کی جگہ نہیں ہیں سختی سے دامن جھٹکتا تھا اور ان سے اعراض کرتا تھا۔ آخر کار انہوں نے کہا ہم تجھے منصور و تیرے معبود کی قسم دیتے ہیں ہمیں بتائیے۔ رونے کا سبب کیا ہے۔

میں بے چین ہو گیا۔ میں نے ان اسرار میں سے کچھ بیان کیا۔ اسی وقت حق سبحانہ و تعالیٰ نے الہام کیا کہ تو نے ہماری کتاب میں نہیں پڑھا کہ کانت لہم جنت الفردوس نزلہ نزل وہ ہے جو ہمان کے لئے تیار کرتے ہیں تاکہ وہ اس پر بیٹھے پھر اس کی ضیافت کا ذکر کرتے ہیں پس تو اس قدر گریہ زاری کیوں کرتا ہے۔ سید نور علی بیان کرتے ہیں کہ ایک رات میں بیٹھا ہوا تھا اور دل کو حضور میں مشغول رکھے ہوئے تھا۔ اسی اثنا میں ایک سیاہ شیخ تاریکی میں ظاہر ہوا۔ میں نے سمجھا جن ہے جو مجھے تکلیف پہنچائے گا۔ میں قوی ہمت کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوا۔ میں اسے ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ وہ اسی ہمت کی طرف سے مجھ پر حملہ آور ہوا اور میرے دل کو گھیر لیا میں پریشان ہو گیا اور اطمینان کلی طور پر جاتا رہا۔ بہر لمحہ وہ مجھ پر غالب آتا تھا۔ کفر و فسق اور معتقدات اسلامیہ میں شک کی دعوت دیتا تھا۔ اس سلسلہ میں حضرت والا سے استمداد کی دوبارہ میری طرف متوجہ ہوئے۔ انہیں اس عبارت کا الہام ہوا۔

العشق حالات عجیبہ وغریبہ وطریقہ مخسوفہ وعظیمة  
 ما پرویم دشمن ویامی کشیم دوست جرات کسے کہ جرح کند در قضاے ما  
 را ہم دشمن کی پرورش کریں یا دوست کو قتل ہمارے فیصلہ پر کون جرح و تنقید کر سکتا ہے،  
 کبھی بالمواجہ عتاب کرتے ہیں اور کبھی بالموافقت شراب دیتے ہیں۔ اگر یہ نہ کریں تو لو لازم  
 عشق باقی نہیں رہتے اور اگر وہ نہ کریں تو حیات مطلق باقی نہیں رہتی۔ یفعل اللہ ما  
 یشاء وهو العلیم الحکیم را شہو چاہتا ہے کرتا ہے وہ علیم و حکیم ہے، انہیں یہ بھی  
 الہام ہوا کہ ان مصائب کو دور کرنے کے لئے اس دعا سے تمسک کرنا چاہیے یا لطیف  
 اور کنی بلطفک الخفی اور درود شریف بکثرت پڑھنا چاہیے۔

مقام اولیاء اس فقیر ولی اللہ نے شیخ فقیر اللہ جو حضرت والد کے پرانے خادم

یہیں اور اس قصہ میں حاضر اور قاصد ہے میں سے سنا ہے کہ محمد فاضل کے رشتہ داروں میں سے ایک عورت رابعہ نامی کے بچہ پیدا نہیں ہوتا تھا اس کے متعلق حضرت والا سے استمداد کی انہوں نے دعا فرمائی اور توجہ دی لڑکا پیدا ہوا جب وہ سات ماہ کا ہوا اس کا نزع کا وقت آگیا۔ اس وقت حضرت والد اکبر آباد میں تھے۔ اسی وقت حق سبحانہ و تعالیٰ نے اس کے دل میں الہام ڈالا کہ یہ شخص جو تمہارا متوسل تھا اس کا آخری وقت آگیا اس کے عوصن نہیں بہت زیادہ اجر عطا فرمایا ہے مخزون و متالم نہ ہو اور اس فکر میں نہ رہ پھر افاقہ ہو گیا بہت متامل ہوئے کہ وہ متوسل کون ہے۔ دو بارہ منکشف ہوا کہ وہ رابعہ کا لڑکا ہے جو فلاں وقت میں فوت ہو گیا حضرت والد نے انہیں کو بھیجنا تا کہ محمد فاضل کو اس قصہ سے آگاہ کرے اور مراسم تعزیت بجالائے محمد فاضل نے اس واقعہ کو مع وقت و تاریخ کے کاغذ پر نوٹ کر لیا۔ ایک ہفتہ کے بعد خط پہنچا جو بے کم و کاست اس کے موافق تھا۔

فرماتے تھے میں نے ایک صاحب کشف بزرگ کے حالات سنیے

## بدعتی کی صحبت

تھے میں نے اس سے استفادہ کرنے کا ارادہ کیا میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ وہ بدعتی ہے۔ اس کے گھر میں نہیں جانا چاہیے۔ میں نے اس خیال کو جھٹک دیا۔ دوسری بار یہی خیال میرے دل میں ڈالا گیا میں نے پھر اسے ذہن سے نکال دیا اور جانے کے لئے اٹھا۔ پتھر لکڑی پکچر اور پانی کسی سبب کے بغیر میرا پاؤں پھسلا میں گر پڑا۔ اور مجھے سخت چوٹ آئی۔ مجھے الہام ہوا کہ اگر پہلے خیال کی اتباع کرتا اس قدر تکلیف نہیں نہ پہنچتی۔

حضرت والد فرماتے تھے مجھے الہام ہوا ہے کہ تمہارا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا حضرت والد فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ مجھے اجمالاً بتایا گیا کہ آج تمہیں ایک نعمت ملے گی۔ میں سیر کے لئے نکلا۔ شہر کے ایک حصہ میں میرے دل نے گواہی دی کہ تیرا مطلوب اس جگہ ہے میں نے پوچھا یہاں کوئی درویش یا فاضل شخص ہے۔ لوگوں نے کہا ہاں فلاں درویش اس جگہ رہتا ہے میں اس کی ملاقات کے لئے گیا۔ اس نے کہا حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا جبہ مجھے تبرک ملا ہے اور آج رات مجھے حکم ہوا ہے کہ آج جو شخص تمہارے پاس آئے یہ تبرک اس کو

سے دو میں نے وہ جبہ لے کر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ ایک بار تعین قبلہ میں گفتگو شروع ہو گئی والد ماجد نے فرمایا ہم جو کچھ چشم و جان سے مشاہدہ کرتے ہیں اس کے مطابق عمل کرتے ہیں ہمیں اس طرف رخ کر کے کھڑا ہونا چاہیے اور بائیں طرف قدم پھر گئے۔ فرماتے تھے میں اسم ذات کا ذکر کر رہا تھا میں نے بعض ملائکہ کو دیکھا کہ میرے گرد بیٹھے ہوئے

## خاصیت ذکر اسم ذات

تسبیح و تقدیس اور تحمید و تکبیر میں مشغول ہیں میں نے انہیں کہا کہ میرے اور زیادہ قریب آؤ اور میرے ساتھ ذکر میں شریک ہو جاؤ۔ انہوں نے کہا ہم تمہارے نزدیک آنے اور ذکر میں شامل ہونے کی طاقت نہیں رکھتے۔

فرماتے تھے ابتدائی حالات میں بازاری لوگوں کی آوازیں مجھے اسم ذات کی صورت میں سنائی دیتی تھیں۔ ایک مرتبہ میں نے نیا جوتا پہنا۔ چلتے وقت اس سے آواز پیدا ہوتی تو میں جل جلالہ کہتا لوگ حیران ہوتے تھے۔

فرماتے تھے ایک مرتبہ میں پہلت میں تھا مجھے ایک درجہ دکھایا گیا کہ یہ مقام اس شخص کا ہے جو آج تمہاری بیعت کرے گا۔ اس دن ایک عورت بیعت کے لئے تیار ہوئی اور شہر نی وغیرہ بھی جیسا کہ دستور ہے۔ ہبیا کر لی مجھے حیرت ہوئی کہ یہ عورت اس درجہ کے لائق نہیں زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ اسے عورتوں کا عارضہ ہو گیا اور یہ دولت حاصل نہ کر سکی۔ ایک دوسری صالحہ عورت نے وہ تمام چیزیں اس سے خرید لیں اور بیعت کی۔

فرماتے تھے کہ ایک دفعہ عصر کی نماز کا وقت ہو گیا میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ آج اس نماز میں جو شخص تیری اقتدار کریگا

## شرف اقتدار

وہ بخشا جائیگا۔ جماعت میں ایک شخص تھا جس کے متعلق میرا دل گواہی دیتا تھا کہ وہ ایسا نہیں ہے جب تکبیر کہی گئی تو اتفاقاً اس کا وضو ٹوٹ گیا۔ جب وہ واپس آیا تو ہم نماز سے فارغ ہو چکے تھے۔ ایک دوسرا اجنبی شخص آیا اور وہ نماز میں شریک ہو گیا۔ فرماتے تھے ابتداء میں میرا ارادہ ہوا کہ مسلسل روزے رکھوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوا تو میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک



روٹی عنایت فرمائی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بطور خوش طبعی کہا الہدایا مشترک میں نے وہ روٹی آپ کی خدمت میں پیش کر دی۔ انہوں نے اس میں سے ایک ٹکڑا لے لیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ الہدایا مشترک۔ ان کی خدمت میں بھی پیش کر دی انہوں نے بھی ایک ٹکڑا لے لیا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا۔ الہدایا مشترک۔ ایک ٹکڑا انہوں نے لے لیا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ الہدایا مشترک۔ میں نے عرض کی اگر اسی طرح یہ روٹی تقسیم ہوتی رہی تو میرے حصہ میں کیا آئیگا۔ انہوں نے ہاتھ روک لیا۔ پھر میں بیدار ہو گیا اور ایک مدت تک میں سوچتا رہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نوبت معذرت کرنے میں کیا نکتہ تھا۔ پھر معلوم ہوا کہ اس قسم کے امور وقائع میں رابطہ کا متمثل ہونا چونکہ حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ سلسلہ نقش بند یہ ملتا ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ سلسلہ نسب ملتا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ امہات کی طرف سے نسب ملتا ہے اور طریقہ نقش بند یہ اور دوسرے سلسلے بھی آپ سے ملتے ہیں اور بعض وقائع میں آنجناب سے فیض حاصل کیا ہے اس لئے یہ معاملہ واقع ہوا اور چونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان امور میں سے کوئی رابطہ نہیں تھا۔ یہ صورت ظاہر ہوئی۔ واللہ اعلم۔

فرماتے تھے ماہ رمضان میں ایک دن میں نے سخت مشقت کی جس کی وجہ سے مجھ پر سخت کمزوری طاری ہو گئی قریب تھا کہ میں اس بنا پر انطار کر دیتا اور فضیلت صوم کے فوت ہونے کا مجھے بہت غم ہوا۔ اس اندوہ میں مجھے اونگھ آگئی۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے بہت لذیذ اور خوشبودار کھانا جسے ہندی زبان میں زردہ پلاؤ کہتے ہیں۔ عنایت فرمایا۔ میں نے سیر ہو کر کھایا۔ پھر بہت ہی لطیف ٹھنڈا پانی عنایت فرمایا میں نے سیر ہو کر کھایا۔ پھر میں بیدار ہو گیا بھوک اور پیاس تمام زائل ہو چکی تھی اور سیرشکی حاصل ہو گئی تھی میرے ہاتھ میں ابھی تک زعفران کی خوشبو باقی تھی بعض عقیدت مندوں نے اسے احتیاط سے دھو کر رکھ لیا۔ اور برکت اور تبرک کے طور پر اس سے روزہ افطار کیا۔

فرماتے تھے ایک بار میں نے حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا گویا کہ یا قوت سرخ کی مسجد ہے جو آئینہ کی مانند شفاف ہے۔ وہاں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم مراقبہ کی صورت

بیٹھے ہوئے ہیں اور صحابہ کرامؓ اور اولیائے کاملین بھی آپ کے گردا گرد مراقبہ کی ہیئت میں صف  
باندھے ہوئے ہیں۔ جب میں اس پردہ یا قوتی کے پاس جو مسجد کے دروازہ پر لٹکا ہوا تھا پہنچا تو  
حضرت غوث الاعظمؒ اور خواجہ نقشبند قدس اللہ اسرارہما اکھڑ کر میرے پاس آئے اور میرے  
متعلق مناظرہ کرنے لگے۔ حضرت غوث الاعظمؒ نے فرمایا کہ اس شخص کے آباؤ اجداد میرے خلفاء کے  
ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ میں اس سے زیادہ قریب ہوں۔ حضرت خواجہ نقشبند نے فرمایا یہ شخص میرے  
خلفاء سے تربیت یافتہ ہے۔ میں اس سے زیادہ نزدیک ہوں۔ یعنی خواجہ محمد باقی باللہ کے خلیفہ  
شیخ رفیع الدین سے روحانی تربیت حاصل کی ہے۔ یہ مناظرہ طویل ہو گیا۔ مجھے خوف پیدا ہوا کہ  
یہ صحبت ختم ہو جائے گی اور اس فیض سے محروم رہوں گا۔ آخر کار غوث الاعظمؒ نے فرمایا۔ اس  
قدر مناظرہ کیوں کرتے ہو جبکہ ہمارے اور تمہارے طریق میں چنداں فرق نہیں ہے۔ خواجہ نقشبند نے  
فرمایا اگر فرق نہیں ہے تو میں اس امر کے درپے کیوں نہ ہوں۔

حضرت غوث الاعظمؒ نے فرمایا کوئی مضائقہ نہیں۔ آپ اسے اندر لے جائیں لیکن دراصل  
وہ مجھ سے ہے۔ اور میں اسے اپنی نسبت سے بہرہ ور کر دوں گا۔ اور یہ تمام مناظرہ ایسے حسن اور بے  
ساتھ ہوا کہ اس سے بہتر ممکن نہیں۔ چنانچہ خواجہ نقشبند نے میرا ہاتھ پکڑا اور اس مسجد میں داخل کیا اور  
سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابل صفحہ قدس کے آگے بٹھایا اور خود میرے ساتھ برابر میں بیٹھ  
گئے۔ میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ اس صورت میں سوائے اس کے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم راقبہ  
سے سر اٹھائیں تو سب سے پہلے مجھ پر نظر مبارک پڑے اور جب کوئی پوچھے کہ تجھے کون لایا ہے تو کہیں  
جس اسے لایا ہوں۔ خواجہ نقشبند نے اس خیال واقف ہو کر فرمایا۔ یہی سبب ہے پھر آنحضرت صلی  
اللہ علیہ وسلم نے سر اٹھایا اور ہیئت سے اعزازات سے نوازا اور راقم الحروف رول اللہ کا گمان ہے  
کہ اس واقعہ کا اختتام یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والد ماجد کو خلوت میں لے گئے۔ اور  
نفی واثبات کی عجیب انداز سے تلقین فرمائی۔ واللہ اعلم

فرماتے تھے کہ ”انا ملہ واخی یوسف اصم“ کی حدیث سے میرے دل میں حیرت ہوتی تھی  
کیونکہ ملاحظہ عشاق کے لئے صباحت سے زیادہ قلق و اضطراب کا باعث ہے۔ اور منقول ہے  
کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام لباس فاخر پہن کر جلوہ گر ہوتے تھے تو بہت سے لوگ جمال

یوسف کو دیکھ کر جاتے تھے اور یہ حقیقت سید الرسل سے مروی نہیں چاہیے تھا کہ معاملہ برعکس ہوتا۔ ایک دفعہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور اس نکتہ کے متعلق میں نے پوچھا۔ فرمایا اللہ نے میرا جمال غیرت کی وجہ سے لوگوں کی نظر سے پوشیدہ رکھا ہے۔ اور اگر ظاہر ہوتا تو ہر شخص اسی طرح کرتا جس طرح یوسف علیہ السلام کے دیکھنے والوں نے کیا۔ اس سے مجھے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ یا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے اثر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے ایک بار دیکھا ہے کا کیا مفہوم ہے۔ ان کی استعداد کے مطابق آپ کے جمال کا کچھ حصہ ان پر ظاہر ہوا ہوگا۔

فرماتے تھے کہ میں نے حضرت سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا آپ میری طرف متوجہ ہوئے آپ کی توجہ گرامی کی برکت سے میں مقامات اولیاء کو عبور کرتا تھا اور انہیں اچھی طرح پہچانتا تھا۔ یہاں تک میں اس مقام تک پہنچ گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی ولی اس جگہ سے نہیں گزر سکتا۔ میں نے عرض کی فقیر کا اعتقاد یہ ہے کہ ہر وہ ناممکن بات جس کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم متوجہ ہوں ممکن ہو جاتی ہے عجب نہیں کہ عدم استعداد کے باوجود اس مقصد کا چہرہ زریبا جلوہ گر ہو۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میری روح کو اپنی روح میں لے لیا اور مقام صدیقیت جو ولایت کی انتہا ہے سے گزار دیا گیا۔ پھر ایک بزرخ ظاہر ہوا گو یا دریائے آتش ہے کہ کوئی ولی اس میں سے نہیں گزر سکتا۔ اس کے بعد سابقہ مقامات جو میں ولایت میں پہنچے چھوڑ آیا تھا منکشف ہوتے تھے جبر گذشتہ صبر کی مانند توکل سابق توکل کی مانند فرق یہ تھا کہ یہ سب تھے اور وہ گذشتہ مجازی یہ اصول تھے اور گذشتہ تائیل اور اشباح تھے۔ راقم الحروف رول اللہ نے "ضمن گرفتن" کی کیفیت کے متعلق سوال کیا تو فرمایا میں نے محسوس کیا کہ میرا وجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ متحد ہو گیا ہے اور خارج میں انک نہیں رہا سوائے اس بات کے کہ میرا علم میرے ساتھ ہے راقم الحروف رول اللہ کہتا ہے کہ اس فقیر کے نزدیک اس واقعہ میں دریائے آتش میں متمثل ہونے کو سمجھنا ایک مقدمہ پر منحصر ہے۔ واضح ہو کہ نبوت کا سبب ازلیہ عنایت کی توجہ ہے جو مصاحت کلیہ سے بیدار ہو کر مغیر اور اس کی قوم کا رخ

کرتی ہے جیسا کہ اس کی توجہ واقعاتِ عظیمہ طوفانوں اور قیامت وغیرہ کی طرف ہوتی ہے اور اولیائے کرام کا ہر کمال ان کے نفوسِ عالیہ کی استعداد پر منحصر ہے اور بس یہاں اس نفس کی مصلحت کے علاوہ کسی اور چیز کا لحاظ نہیں رکھا گیا لیکن انبیاء علیہم السلام ان کی نبوت تدبیرِ عالم کی مصلحت کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ پہلا عالم نفس ہے۔ اس میں کسب و محنت کو بھی دخل ہے اور دوسرا یعنی مصلحت تدبیرِ عالم آفاق میں کسب کو دخل نہیں حکمِ اول کے لئے جدا استعداد ہے اور حکمِ ثانی کے لئے دوسری استعداد ہے۔ بس کمالِ اول کی استعداد کے اعتبار سے کمالِ ثانی کا منتفع الحصول ہونا آگ کے دریا کی صورت میں متشکل ہوا۔ واللہ اعلم۔

حضرت والد فرماتے تھے ایک مرتبہ مجھے بخارا گیا اور اس بیماری نے طول پکڑا اور زندگی سے ناامید ہو گیا۔ مجھے اونگھ آگئی۔ اس غنودگی میں حضرت شیخ عبدالعزیز ظاہر موٹے فرماتے تھے بیٹا! حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہاری عیادت کے لئے تشریف لارہے ہیں اور ممکن ہے آپ اس طرف سے تشریف لائیں اور تمہارے پاؤں اس طرف ہیں تیری چار پائی کو اس طرح رکھنا چاہیے کہ تیرے پاؤں اس طرف نہ ہوں۔ مجھے افاقہ ہوا۔ بات کرنے کی مجھ میں طاقت نہیں تھی۔ میں نے حاضرین کو اشارہ کیا۔ انہوں نے میری چار پائی اس طرف پھیر دی۔ اسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور فرمایا "کیف حالک یا بنی! بیٹا! تیرا کیا حال ہے؟ ان الفاظ کی جلالت مجھ پر غالب آگئی۔ عجیب وجد اور آہ و بکا کا مجھ سے ظہور ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اس طرح گود میں لے لیا کہ آپ کی ریش مبارک میرے سر پر تھی آپ کی قمیص مبارک آنسو سے تر ہو گئی۔ آہستہ آہستہ اس وجد کو سکون آ گیا۔ پھر میرے دل میں خیال گزرا کہ ایک عرصہ سے مجھے موٹے مبارک کی آرزو ہے کس قدر عظیم کرم ہو اگر اس قسم کی کوئی چیز عنایت فرمائیں۔ آپ اس خیال سے واقف ہو گئے۔ ریش مبارک پر ہاتھ پھیرا اور موٹے مبارک میرے ہاتھ میں پکڑا دیتے میرے دل میں گزرا یہ دونوں بال بیداری میں میرے پاس ہیں گے آپ اس خیال سے بھی واقف ہو گئے فرمایا یہ دونوں بال اس عالم میں بھی باقی رہیں گے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے صحت کلی اور طویل زندگی کی بشارت دی پھر مجھے افاقہ ہو گیا۔ میں نے چراغ طلب کیا۔ وہ دونوں بال میرے ہاتھ میں نہیں تھے۔ میں غمگین ہو گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جناب میں توجہ کی مجھ پر

غنودیت طاری ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متشل ہوئے فرمایا میرے بیٹے! تجھے آگاہ ہونا چاہیے کہ میں نے وہ دونوں بال احتیاط کے طور پر تمہارے تکیہ کے نیچے محفوظ کر دیئے ہیں وہاں سے تو انہیں حاصل کرے گا۔ جب مجھے افاقہ ہوا تو میں نے انہیں وہاں سے لے کر عزت و احترام سے ایک جگہ حفاظت رکھ لیا اس کے بعد بخار بالکل جاتا رہا اور مجھ پر کمزوری طاری ہو گئی۔ اقربانے سمجھا یہ موت کی بروقت ہے۔ وہ روتے تھے اور مجھ میں بات کرنے کی طاقت نہیں تھی میں سر سے اشارہ کرتا تھا۔ کچھ دیر کے بعد میری اصلی طاقت لوٹ آئی اور مجھے صحت کلی حاصل ہو گئی۔ ان کلمات کے ضمن میں فرماتے تھے کہ ان موتے مبارک کے خواص میں سے ایک یہ تھی کہ وہ پہلے آپس میں گھٹنے ہوئے ہوتے تھے جب درود شریف پڑھا جاتا تو انکے انگ ہو کر کھڑے ہو جاتے۔ دوسرے یہ کہ ایک مرتبہ منکرین میں سے تین اشخاص نے امتحان کرنا چاہا۔ میں اس بے ادبی کے اجازت نہیں دیتا تھا جب مناظرہ نے طول کھینچا تو موتے مبارک دھوپ میں لے گئے۔ اسی وقت بادل کا ٹکڑا ظاہر ہوا حالانکہ دھوپ بڑی تیز تھی اور بادل کا موسم بھی قطعاً نہیں تھا۔ ان میں سے ایک شخص نے توبہ کی۔ دوسرے نے کہا کہ یہ اتنا قیہ قصہ ہے۔ دوسری مرتبہ پھر دھوپ میں نکالا۔ دوبارہ بادل کا ٹکڑا ظاہر ہوا دوسرے نے بھی توبہ کر لی تیسرے نے کہا یہ بھی اتنا قیہ بات ہے۔ تیسری مرتبہ پھر دھوپ میں لے گئے تیسری مرتبہ بھی بادل کا ٹکڑا ظاہر ہوا تیسرے نے بھی توبہ کی۔ ایک خصوصیت یہ تھی کہ ایک مرتبہ زیارت کیلئے باہر لایا بہت بڑا مجمع تھا۔ ہر چند میں فضل میں چابی لگاتا تھا مگر وہ نہیں کھلتا تھا۔ کوشش کرتا مگر کامیاب نہ ہوتا تھا۔ میں اپنے دل کی طرف ہوا معلوم ہوا کہ فلان جنبی ہے اسکی جنابت کی نحوست سے کامیاب نہیں ہو رہے ہیں نے عیب پوشی کرتے ہوئے تمام کو غیبا مل کرنے کے لئے کہا جنبی اس مجمع سے نکل گیا اس کے بعد آسانی سے کھل گیا تو ہم نے زیارت کی۔ حضرت والد آخری عمر میں تبرکات تقسیم فرماتے تھے۔ ان دو بالوں میں سے ایک مجھے عنایت فرمایا والد المہدیہ رب العالمین۔

فرماتے تھے ایک مرتبہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ جب میں نے صفات الہیہ کے کمال

## صفات الہیہ کا ظہور

ظہور کو اس منظر اہم میں مشاہدہ کیا تو میں سجدہ میں گر پڑا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہوں میں انگلی دہالی اور اس صورت سے منع فرمایا۔ ہاں میرے دل میں یہ خیال آیا کہ اس صورت میں

منع کرنے میں کیا نکتہ ہوگا۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ آدمی کو سجدہ کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک اس کے معبود ہونے کے اعتبار سے اور وہ کفر ہے۔ دوسرا اس میں صفات الہیہ کے ظہور کے مشاہدہ سے اور یہ منع ہے۔ کیونکہ یہ کفر سے مشابہہ ہے پس ان دو سجدوں کے درمیان فرق کو اس صورت سے منع فرمایا۔ جو تصریح سے بھی زیادہ واضح ہے۔

**سید کا مقام** | فرماتے تھے کہ ایک شخص کے سید ہونے میں مجھے تردد تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک بڑے پلنگ پر لیٹے ہوئے ہیں۔ بڑی مہربانیاں فرماتیں اور فرمایا پلنگ کے نیچے دیکھو میں نے دیکھا کہ وہ شخص نیچے سویا ہوا ہے۔ فرمایا اگر وہ سیادت کی قرابت نہ رکھتا تو اس جگہ نہ ہوتا۔

**فضیلت درود شریف** | فرماتے تھے ایک مرتبہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا گیا حاضرین میں سے ہر شخص اپنی فہم اور معرفت کے مطابق درود پیش کرتا ہے۔ میں نے بھی اللہم صلی علی محمد النبی الامی وعلی الہ واصحابہ وبارک وسلم پیش کیا جب آپ نے اسے سنا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ اقدس پر انتہائی خوشی و مسرت کے آثار ظاہر ہوئے۔

فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات کے دنوں میں مجھے کوئی چیز دستیاب نہ ہو سکی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیاز پکائی جاسکے۔ کچھ بھنے ہوئے چنے اور گڑ بطور نیاز تقسیم کئے خواب میں میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے انواع و اقسام کے کھانے پیش کئے جاتے ہیں۔ وہ چنے اور گڑ بھی پیش کیا گیا۔ بڑی خوشی و مسرت سے ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ انہیں طلب فرمایا۔ ان میں سے کچھ لے کر تناول فرمائے اور باقی ساتھیوں میں تقسیم کر دیئے۔ راقم الحروف رولی اللہ کہتا ہے کہ اسی قصہ کی مانند پہلے بزرگوں سے بھی روایت کیا گیا ہے۔ لیکن یہ قصہ بلاشبہ حضرت والد ماجد کا ہے۔ عجب نہیں کہ توار دہوا ہو۔

فرماتے تھے میں نے خواب میں حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کو ایک راستہ میں دیکھا کہ یا قوت سرخ کی پہل پر سوار ہیں جس کے آگے گھوڑے نہیں ہیں بلکہ محض قدرت الہی سے چل رہی ہے میں ان کے ساتھ چل رہا ہوں۔ فرماتے ہیں کہ آؤ ہمارے ساتھ لگھی میں

بیٹھ جاؤ لیکن میں ادب کے مائے ایسا نہیں کر رہا تھا آخر کار انہوں نے مزاح کرتے ہوئے فرمایا کہ اس بگھی کا پردہ گرا دو۔ میں پائیدان پر چڑھا اور پردہ کو نیچے گرا نا چاہا۔ اس وقت میرا ایک ہاتھ حضرت امام حسین اور دوسرا حضرت حسن رضی اللہ عنہما نے مضبوطی سے پکڑ لیا اور مسکرائے۔ اور فرمایا اب تمہارا کیا حال ہے؟ میں نے عرض کی میں اس شخص کا حال کیا بیان کر سکتا ہوں جس کے ذوال ہاتھ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرۃ العین کے ہاتھوں میں ہوں۔ پھر بگھی میں بٹھا کر بڑی خوشی سے گھڑ تک لائے۔ وہاں حضرت مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ سے ملاقات ہوئی، میں نے آپ سے التماس کی کہ وہ نسبت جو ہم فقرا حاصل کرتے ہیں وہی ہے جو صحابہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل کرتے تھے یا زمانہ کی گردش سے تبدیل ہو گئی ہے۔ فرمایا تھوڑی دیر اپنی نسبت میں گم ہو جاؤ تا کہ میں اسے دیکھوں میں اپنی نسبت میں مستغرق ہو گیا۔ آپ نے فرمایا تیری نسبت بغیر تیرے تفاوت کے وہی ہے۔

فرماتے تھے میں نے حضرت خواجہ معین الدین کو دیکھا گویا وہ گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں اور وہاں شمع جل رہی ہے۔ لیکن فتیلہ کو متحرک کرنا چاہیے تاکہ عمدگی سے جلے۔ آپ نے مجھے اس کام کے لئے فرمایا میں نے ایسے ہی کیا۔ پھر اپنی مخصوص نسبت عطا فرمائی اور اس خواب کی تعبیر اجازت دینا تھی۔ فرماتے تھے خواب میں مجھے سلاسل اولیا دکھائے گئے۔ گویا کہ ایک وسیع بازار ہے جس میں مخصوص دکانیں ہیں۔ ہر دکان میں صاحب طریقہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔ میں ان کے پاس سے گزرتا ہوا حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی دکان پر پہنچا۔ میں اس جماعت میں جا کر بیٹھ گیا۔ وہاں نصوص کی عبارت الاعیان ماثمت راتحة الوجود پر بحث ہو رہی تھی۔ ہر شخص دوسرے سے الگ مفہوم بیان کرتا ہے۔ میری باری آئی تو میں نے بھی معنی بیان کئے۔ حضرت غوث اعظم یہ مفہوم سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا اس بیچارہ کی یہی عرض تھی اس واقعہ کو مدت ہو گئی لیکن ابھی تک فلاسی کے یہ الفاظ میرے حافظہ میں ہیں۔ پھر اس مجلس سے اٹھے اور میرا ہاتھ پکڑ کر خلوت میں لے گئے اور فرمایا تمہارے دل میں میری طرف سے کوئی خطرہ یا خدشہ ہے؟ میں نے عرض کی ہاں! اصحاب طرق میں سے ہر شخص نے مجھے بلا واسطہ اجازت فرمائی ہے مگر آپ نے نہیں فرمائی۔ فرمایا ہمارے خلفاء ہمارے حکم میں ہیں جب تم نے ان سے

اجازت حاصل کر لی تو گویا بلا واسطہ مجھ سے حاصل کی میں نے کہا بلا واسطہ کا لطف ہی الگ ہے۔ فرمایا میں بھی تجھے اجازت دیتا ہوں۔ میرے طریقہ سے لوگوں کو ہدایت دو۔ جب اشغال کی نوبت آئی تو فرمایا تم نے ابتدائی درمیانی اور انتہائی اشغال کئے ہوئے ہیں۔ ان کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ پھر آپ نے میرے دل پر قہر ڈالی اور خاص نسبت عطا فرمائی۔ عرصہ گزرنے کے باوجود اب تک اس کی علاوت میرے دل میں ہے۔ پھر میں آگے روانہ ہوا اور سلاسل کی سیر کرتا رہا وہاں بہت سے عجائبات دیکھتا تھا۔ آخر کار عرش کے نیچے پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ ایک زنجیر عرش کے ساتھ لٹکی ہوئی ہے۔ اور خواجہ نقشبند اسے پکڑے ہوئے ہیں اور مستغرق ہیں۔ مجھے معلوم ہوا کہ آپ کے استغراق کی یہ وجہ ہے کہ آپ کے خلفاء زندہ ہوں یا مردہ، مخلوقات کی طرف توجہ کی مشقت و ریاضت کے لئے کافی ہیں۔ راقم الحروف و شاہ ولی اللہ کہتا ہے کہ حضرت خواجہ نقشبند کی نسبت کو لطیفہ سر میں زیادہ وسعت حاصل ہے۔ اسی وجہ سے استغراق غالب آیا اور حضرت غوث الاعظم کی نسبت لطیفہ روح میں زیادہ ہے۔ صوفیاء کی روحانی تربیت اسی سے ہے اور قدیم صوفیائے کرام کی نسبت لطیفہ نفس میں زیادہ ہے۔ اسی وجہ سے وہ سخت مشکل ریاضتیں کرتے تھے۔ قدر بظاہر آپ نے لفظ بیچارہ اس وجہ سے استعمال کیا کہ وہ نفوس جن میں ارشاد کی قوتیں زیادہ ہیں۔ علوم و معارف عجیبہ کی ان کے نزدیک کوئی خاص اہمیت نہیں ہوتی۔

فرماتے تھے۔ میں خواجہ قطب الدین قدس سرہ کے مزار کی زیارت کے لئے گیا تھا۔ اس خیال سے کہ مجھے اپنی گنہگار آنکھوں اور آلودہ جسم کو اس پاک جگہ میں نہیں لے جانا چاہیے ان کے مزار کے قریب چبوترے پر کھڑا ہو گیا۔ اس جگہ ان کی روح ظاہر ہوئی اور فرمایا آگے آؤ میں دو تین قدم آگے چلا گیا۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ چار فرشتوں نے ان کی قبر کے نزدیک ایک تخت اتارا ہے۔ معلوم ہوا کہ اس تخت پر خواجہ نقشبند تھے۔ دونوں بزرگوں نے آپس میں راز و نیاز کی باتیں کیں جو سنائی نہیں دیتی تھیں۔ پھر تخت فرشتے اٹھا کر لے گئے خواجہ قطب الدین میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ آگے آؤ۔ میں دو تین قدم اور آگے گیا۔ اسی طرح وہ فرماتے رہے اور میں آگے بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ میں آپ کے بہت ہی قریب ہو گیا۔ پھر فرمایا تم شعر کے متعلق کیا کہتے ہو۔ میں نے جواب دیا۔ کلام حسنہ حسن قبیحہ قبیح۔ وہ ایک کلام ہے اس میں سے



جو اچھا ہے وہ بہتر ہے اور جو بُرا ہے وہ خراب ہے۔ فرمایا بارک اللہ  
 پھر آپ نے پوچھا خوبصورت آواز کے متعلق تم کیا کہتے ہو۔ میں نے کہا۔ ذالک فضل  
 اللہ یوتیہ من یشاء یہ خطا کی مہربانی ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔ فرمایا بارک اللہ  
 جب یہ دونوں جمع ہو جائیں تو تم کیا کہتے ہو۔ میں نے کہا۔ نوؤ علیٰ نورما یهدی اللہ لنور  
 من یشاء۔ فرمایا بارک اللہ۔ جو کچھ ہم کرتے تھے وہ اس سے پہلے نہیں تھا۔ تم بھی کبھی کبھار  
 ایک دو بیت سن لیا کرو۔ میں نے عرض کی خواجہ نقشبند کے ہوتے ہوئے آپ نے یہ بات  
 کیوں نہیں کی۔ ان دو الفاظ میں سے ایک فرمائیے ادب کے خلاف تھا یا مصلحت نہیں تھی۔  
 فرماتے تھے اس واقعہ کو مدت ہو گئی ہے۔ اس لفظ کی تعین ذہن سے نکل گئی ہے۔

فرماتے تھے دوسری مرتبہ ان کے مزار کی زیارت کے لئے گیا۔ ان کی روح ظاہر ہوئی۔ اور  
 فرمایا۔ تمہارے ہاں ایک فرزند پیدا ہوگا اس کا نام قطب الدین احمد رکھنا۔

چونکہ میری بیوی سن ایسا کو پہنچی ہوئی تھی۔ مجھے خیال گذرا کہ اس سے مراد بیٹے کا بیٹا  
 یعنی پوتا ہے۔ وہ خیال سے آگاہ ہو گئے فرمایا میرا مقصد نہیں ہے۔ یہ فرزند تیری پشت سے پیدا  
 ہوگا۔ ایک مدت کے بعد دوسری شادی کا خیال پیدا ہوا۔ راقم الحروف شاہ ولی اللہ پیدا ہوا  
 میری پیدائش کے وقت یہ واقعہ ان کے ذہن سے اتر گیا۔ میرا نام انہوں نے ولی اللہ رکھ دیا۔  
 پھر عرصہ کے بعد یاد آیا تو دوسرا نام قطب الدین احمد رکھا۔

فرماتے تھے ایک مرتبہ میں نے شیخ نصیر الدین چرخ دہلوی قدس سرہ کو خواب میں دیکھا۔  
 کہ وضو فرما رہے ہیں اور نماز کی تیاری کر رہے ہیں۔ میں نے کہا۔ یہ عالم تکلیف نہیں ہے وضو اور  
 نماز کا کیا معنی ہے۔ فرمایا دنیا میں ہم یہ کام بہت کیا کرتے تھے۔ اب اس سے لذت حاصل  
 ہوتی ہے پس ان امور کی ادراک کی حصول لذت کے لئے ہے کسی فرض کی وجہ سے نہیں۔ نماز سے  
 فراغت کے بعد روارح جمع ہو گئیں اور مجلس مذاکرہ شروع ہو گئی۔ انہوں نے مجھے فرمایا تم بھی  
 شامل ہو جاؤ۔ میں نے کہا میں مجلس میں نہیں بیٹھوں گا فرمایا ہمارے مجلس دوسری مجالس کی  
 طرح نہیں ہے میں اس مجلس میں حاضر ہو گیا۔ اس محفل میں وجد بھی تھا۔

اعانت اولیاء۔ فرماتے تھے اکبر آباد میں مرزا محمد زاہد کے درس سے واپسی کے دوران

راستہ میں ایک لمبے کوچے سے میرا گزر ہوا۔ اس وقت میں شیخ سعدی کے یہ اشعار پڑھ رہا تھا اور خوب ذوق و شوق حاصل تھا۔

جز باد دوست ہرچہ کنی عمر ضائع است      جز بستر عشق ہرچہ بخوانی بطلالت است  
سعدی بس تو تلوح دل از نقش غیر حق      علمے کہ راہ حق نماید جہالت است  
چو تھا مصرع میرے ذہن سے نکل گیا۔ اس سبب سے میرے دل میں بے چینی اور اضطراب پیدا ہو گیا۔

اچانک ایک فقیر منس دراز زلف، یلح چہرہ، پیر مرد ظاہر ہوا اور کہا ہے  
علمے کہ راہ بحق نماید جہالت است      میں نے کہا جزاک اللہ خیر الجزاء اپنے میرے  
دل سے بہت بڑی بے چینی اور اضطراب کو دور فرمایا پھر میں نے ان کی خدمت میں پان پش  
کیا۔ مسکرائے اور فرمایا، کیا یہ یاد دلانے کی اجرت ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں، بلکہ یہ شکرانہ  
ہے۔ فرمایا میں نہیں کھاتا۔ پھر فرمایا مجھے جلد جانا چاہیے۔ میں نے کہا میں بھی جلد چلوں گا۔  
فرمایا میں بہت جلد جانا چاہتا ہوں۔ قدم اٹھا کر کوچہ کے آخر میں رکھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ  
روح مجسم ہے میں پکارا اٹھا۔ مجھے اپنے نام سے تو آگاہ کیجئے تاکہ فاتحہ پڑھ سکوں۔ فرمایا سعدی  
یہی فقیر ہے

فرماتے تھے میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ساتویں آسمان میں  
ہوں۔ وہاں میں نے ایک شخص کو کپڑا لپٹے ہوئے سوئے ہوئے  
دیکھا جس سے محبت کے شعلے بھڑک رہے تھے معلوم ہوا کہ یہ مجذوبوں کا سردار ہے اور ہر  
مجذوب کو اس سے امداد پہنچتی ہے۔ بظاہر یہ مجذوب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے  
پہلے ہو گزرا ہے۔

راقم الحروف رشادہ ولی اللہ کہتا ہے کہ ممکن ہے وہ مجاذیب کی تربیت البیہ کی مثالی صورت  
ہو اور اس نسبت کے استیلا کا راز ہو جو عقل کو مختل کرنے والا ہے۔

**دعوت ولی** | اس فقیر رشادہ ولی اللہ نے ان احباب سے جو اس واقعہ کے عینی

شاہد تھے بتلایا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت والد ماجد مخدوم شیخ الشہدیبہ کے مزار کی زیارت

کے لئے ڈاسنہ میں گئے تھے۔ رات کا وقت تھا۔ اسی جگہ آپ نے فرمایا۔ مخدوم صاحب ہماری دعوت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کچھ کھا کر جائیں۔ وہاں آپ نے توقف فرمایا یہاں تک کہ لوگوں کی آمد و رفت ختم ہو گئی۔ اجاب پر ملالی طاری ہوا اچانک ایک عورت آئی جس کے سر پر میٹھے چاولوں کا تھال تھا۔ اس نے کہا میں نے نذرمانی تھی کہ جس وقت میرا خاوند گھرتے گا میں اسی وقت کھانا پکا کر مخدوم الشہدویہ کی درگاہ میں قیام پذیر فقرار میں تقسیم کروں گی۔ اسی وقت شوہر گھر پہنچا ہے۔ میں نے اپنی مسنت پوری کی ہے۔ میری خواہش تھی خدا کرے اس وقت درگاہ میں کوئی موجود ہو تاکہ وہ کھانا کھائے۔

فرماتے تھے ایک مرتبہ میں سیر کرتا ہوا بہت ہی خوبصورت مقبرے میں پہنچا تھوڑی دیر وہاں قیام کیا۔ اس وقت میرے دل میں خیال گذرا کہ اس جگہ میرے علاوہ کوئی شخص عبادت نہیں کر رہا۔ یہ خیال آتے ہی ایک کوزہ پشت شخص ظاہر ہوا جو پنجابی زبان میں گارہا تھا جس کا مفہوم یہ تھا "دوست کے دیدار کی آرزو مجھ پر غالب آگئی"۔ میں اس کے نغمہ سے متاثر ہو کر اس کی طرف بڑھا میں جس قدر اس کے نزدیک ہوتا تھا وہ مجھ سے دور ہوتا تھا۔ پھر اس نے کہا تیرا خیال تھا کہ اس جگہ تیرے بغیر کوئی ذاکر نہیں ہے میں نے کہا میری اس سے مراد زندگی میں سے تھا اس نے کہا کہ اس وقت تم نے مطلق تصور کیا تھا اور اب اس کی تخصیص کرتے ہو اس کے بعد وہ غائب ہو گیا۔ فرماتے تھے حضرت بایزید گونے زیارت حرمین کا ارادہ کیا۔ ان کے ساتھ بہت سے کمزور بچے اور عورتیں بھی نکل کھڑے ہوئے سواری اور زادراہ کا کوئی انتظام نہیں تھا میں نے اور مخدومی بھائی صاحب نے متفق ہو کر ارادہ کیا کہ واپس لائیں جب ہم تعلق آباد کے قریب پہنچے دھوپ بہت تیز ہو گئی تھی۔ ہم ایک سایہ دار درخت کے نیچے اترے۔ تمام اجاب سو گئے میں ان کے کپڑوں کی حفاظت کے لئے جاگتا رہا۔ اسی اثناء میں میں نے چند سورتیں تلاوت کیں وہاں چند قبریں تھیں۔ صاحب قبر باقیں کرنے لگا۔ اس نے کہا عرصہ ہوا قرآن نہیں سنا اور میں اس کے سننے کا بڑا مشتاق ہوں اگر کچھ اور تلاوت کریں تو بڑا احسان ہو گا میں نے کچھ اور پڑھا۔ جب میں خاموش ہوا۔ اس نے پھر درخواست کی تیسری بار بھی پڑھا۔ پھر وہ مخدومی برادر گرامی جو پاس ہی سو رہے تھے۔ کو خواب میں ظاہر ہوا اور کہا میں نے انہیں بار بار تلاوت کے لئے کہا

انہوں نے قبول کیا۔ اب مجھے انہیں کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ اور میرا شوق باقی ہے۔ آپ ان سے کہیں کہ کچھ زیادہ پڑھیں۔ وہ بیدار ہوئے اور مجھے کہا میں نے زیادہ تلاوت کیا۔ یہاں تک کہ میں نے اس صاحبِ قبر کو بہت خوش پایا۔ اس نے کہا جزاک اللہ عنی خیر الجزاء۔ پھر میں نے اس سے عالمِ برزخ کے حالات پوچھے۔ اس نے کہا مجھے ان قبور میں سے کسی کا حال معلوم نہیں لیکن اپنا حال بیان کرتا ہوں جب سے میں نے دنیا سے انتقال کیا ہے اس وقت سے کوئی عذاب یا عتاب نہیں دیکھا۔ اگرچہ بہت زیادہ سختیں بھی نہیں ہیں۔ میں نے پوچھا کیا تمہیں معلوم ہے کہ کون سے عمل کے طفیل تم نے نجات پائی۔ اس نے کہا تمام عمر میری نیت رہی کہ تعلقات دنیاوی سے الگ ہو جاؤں اور طاعات و اذکار کی رکاوٹوں کو ترک کر دوں۔ اس نیت کی برکت سے نجات پائی اگرچہ تمام عمر یہ نیت پوری نہ ہو سکی۔ حق تعالیٰ نے مہربانی سے اسی نیت کو قبول فرمایا۔ قبولہ کے بعد شیخ بائزید سے ملے اور انہیں واپس لائے۔

فرماتے تھے ایک روز خواجہ قطب الدین کے مزار کے نواح میں سیر کر رہا تھا۔ میں نے ایک قبر جس کے ذکر سے زمین کے اجزاء ساتویں زمین تک فصد کے اجزاء عرش تک تمام ذکر ہیں۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی، فضیلت کا بے شیع محمد ساتھ تھے میں نے ان سے کہا آپ بھی اس قبر میں غور کرو۔ جو کچھ میں نے دیکھا تھا انہوں نے بھی تقریباً وہی بیان کیا۔ وہاں ایک بوڑھا کانا تھا میں نے اس سے پوچھا اس نے کہا یہ کسی بزرگ کی قبر ہے۔ میری عمر اسی سال ہے میرے باپ کی عمر سو سال تھی اور میرے دادا کی عمر ایک سو بیس سال تھی یا جیسا کہ اس نے کہا میں نے اپنے باپ سے سنا اس نے اپنے باپ سے سنا کہ اس قبر پر ہجوم ہوتا تھا اور لوگ نذریں لایا کرتے تھے اور ڈور ڈور سے زیارت کو آتے تھے۔ خواجہ قطب الدین کے مزار کی طرح زائرین یہاں قیام کرتے تھے۔ پھر اس بزرگ پر گنماہی چھا گئی اور لوگ انہیں بھول گئے۔

فرماتے تھے ایک سفر کے دوران نماز کے وقت مجھے خیال آیا کہ قصر صلوٰۃ رخصت ہے۔ کبھی پوری نماز کی ادائیگی پر بھی عمل کرنا چاہیے۔ اس طریق پر میں نے نماز پڑھی۔ جب رات ہوتی تو امام شافعی رضی اللہ عنہ کو میں نے دیکھا کہ بہت خوش ہیں اور میری طرف بہت التفات فرماتے ہیں۔ فرماتے تھے کہ میرے والد شہید ہوئے تھے۔ بعض اوقات میرے لئے متمشکل ہو جاتے تھے

اور موجودہ اور آئندہ کی خبریں دیتے تھے۔ ایک مرتبہ ہلدر گرامی قدس سرہ کی لڑکی کریمہ بیمار ہو گئی اور اس کی بیماری لمبی ہو گئی۔ ان دنوں روپہر کے وقت جبکہ میں تنہا حجرہ میں سویا ہوا تھا اچانک تمثیل ہوئے اور کہا میں کریمہ کو دیکھنا چاہتا ہوں لیکن اس جگہ جنبی عورتیں بیٹھی ہوئی ہیں۔ اس جگہ جانا میرے دل پر بہت گراں گزرتا ہے۔ ان مستورات کو وہاں سے اٹھوا دو۔ چونکہ ان کا اٹھوانا ممکن نہیں تھا میں نے پردہ کھینچ دیا۔ پس وہ کریمہ کی چارپائی پر اس طرح ظاہر ہوئے کہ میں اور کریمہ انہیں دیکھتے تھے۔ کوئی دوسرا شخص انہیں نہیں دیکھتا تھا۔ کریمہ حیران ہوئی اور کہا۔ حیرت ہے۔ لوگ انہیں شہید کہتے ہیں۔ حالانکہ وہ خود زندہ ہیں فرمایا اسے چھوڑے! اے فرزند! تو نے بہت بیماری دیکھی۔ انشاء اللہ تعالیٰ علی الصبح صبح کی اذان کے وقت شفا کلی حاصل کرے گی یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور دروازہ کا راستہ اختیار کیا میں بھی ان کے پیچھے جاتا تھا۔ فرمایا تم رہو اور غائب ہو گئے جب صبح کی اذان ہو گئی تو کریمہ کی جان قفس عنصری سے پر واز کر گئی۔

حضرت والد ماجد پہلت میں تھے عرس کا دن تھا۔ ایک بزرگ تشریف لائے تو انہوں نے نغمہ شروع کر دیا کچھ دیر کے بعد فرمایا کہ شیخ ابوالفتح کی روح ظاہر ہو کر قفس کر رہی ہے اہل مجلس پر بھی اس کا کچھ اثر ہوا چاہتا ہے۔ ایک لمحہ بھی نہ گزرا تھا کہ اہل مجلس کی حالت دگرگوں ہو گئی اور ہاتے ہوئے عجیب غریب نعرے بلند ہونے لگے۔

حضرت والد ماجد جب مخدومی شیخ محمد قدس سرہ کی قبر کے نزدیک بیٹھتے تو فرماتے کہ ان کی روح نماز میں میری اقتدا کرتی ہے اور مجھ سے علوم و معارف سنتی ہے۔ ایک مرتبہ اس فقیر کی طرف متوجہ ہوئے اور بعض معارف بیان فرمائے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ان کی روح نے کہا فلاں کو معرفت کی کچھ تعلیم دو۔ لا محالہ یہ بیان کیا گیا۔

فرماتے تھے ایک مرتبہ بعض دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک ایک بہت ہی طویل قامت مہیش شخص آیا۔ اس کے ہاتھ میں کمان اور چند نیزے تھے اور سلام علیک کہا میں نے سلام کا جواب دیا پھر اس نے کہا۔ میں ویا پر موکل ہوں۔ آپ کی ملاقات کا شوق تھا۔ ہماری فوج اس راستہ سے گزر رہی تھی میں نے ارادہ کیا کہ آپ کو ملتا جاؤں۔ آج ہم فلاں جگہ سے اٹھے اور ہمیں حکم ہوا ہے کہ فلاں جگہ جائیں۔ میں آپ کو بشارت دیتا ہوں کہ آپ کے دوستوں اور غلصین میں سے

کوئی شخص اس وبا میں نہیں مرے گا۔ اس کے بعد سلام کر کے باہر چلا گیا۔ اس کے بعد جس جگہ کی طرف اس نے اشارہ کیا تھا۔ بیماری وہاں منتقل ہو گئی اور پائے غلصین اس وبا سے محفوظ رہے۔ فرماتے تھے۔ ایک روز حجرہ میں میں تنہا بیٹھا ہوا تھا۔ ایک جوان متمثل ہوا اور کہا اگر آپ چاہیں تو اسی وقت اس دنیا سے انتقال کر جائیں اور اگر چاہیں تو ایک مدت کے بعد میں نے کہا بعض کمالات کی مجھے توقع ہے اور وہ ابھی حاصل نہیں ہوئے۔ اس نے کہا تو آپ کی موت متاخر ہو گئی ہے۔ پھر وہ واپس گیا۔ اس کی پشت پر میں نے گول دائرہ کی طرح مرصع جواہر دیکھے۔ یہ قصہ مختصراً بیان کیا گیا ہے۔

فرماتے تھے شہر رمتک میں ایک مرتبہ سیر کے لئے نکلا۔ جب میں نے گرمی اور تھکاوٹ محسوس کی تو ایک مقبرہ میں آیا تاکہ وہاں کچھ دیر آرام کروں۔ مجھے وہاں داخل ہوتے ہی محسوس ہوا کہ ان قبور میں بہت بڑی آگ شعلہ زن ہے اور اس کی گرمی نے مجھے آپکڑا میں نے دستوں سے کہا اس جگہ سے فوراً باہر نکلو کیونکہ یہ مقبرہ آگ سے بھرا ہوا ہے۔ میرا یہ خیال نہیں ہے کہ یہاں کوئی مسلمان ہوگا۔ اس مجلس میں ایک ہندو موجود تھا۔ اس نے تعجب کیا اور کہا تمہیں کیسے معلوم ہوا۔ میں نے کہا کشف کے ذریعہ سے۔ اس نے تسلیم کیا کہ یہ مسلمانوں کی قبریں نہیں ہیں۔ یہ جوگیوں کی قبریں ہیں جو زندہ درگور ہوئے ہیں اور لوگوں نے ان کی قبریں مسلمانوں کی قبور کی طرح بنا دی ہیں۔ فرماتے تھے ایک صاحب کشف بزرگ سے جو بعض مسائل کے بارے میں اکثر مجھ سے جھگڑتے رہتے تھے میں نے معاہدہ

## اولیاء کے ساتھ بحث

کیا کہ ہم دونوں میں سے جو بھی اس دنیا سے پہلے انتقال کر جائے وہ دوسرے کو ان مسائل کی حقیقت سے آگاہ کرے اس بزرگ کی وفات کے بعد میں نے اسے دیکھا کہ وہ فردوس بریں میں بلند مقام پر فائز ہے اور گونا گوں نعمتوں سے بہرہ مند ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس کی بصارت کمزور ہے۔ میں نے بصارت کی کمی کا سبب پوچھا تو کہنے لگا کہ اس کا باعث وہی عقیدہ ہے جس پر میں تمہارے ساتھ بحثیں کیا کرتا تھا۔

راقم الحروف شاہ ولی اللہ کہتا ہے کہ شیخ عبدالباقی لکھنوی ایک ایسا مرد تھا جس نے وحدت وجود کی بہت سی کتابیں دیکھی ہوئی تھیں قصور فہم کی وجہ سے طاعات اور اعتقاد اسلامیہ

میں ایک قسم کا تساہل کرتا تھا۔ اس کی وفات کی بعد حضرت والد اس کی قبر پر پتھوڑی دیر بیٹھے اور فرمایا اس تساہل کی وجہ سے وہ ماخوذ ہے لیکن میں نے اس کی شفاعت کی ہے۔

فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ اکبر آباد میں سردی اور بارش کے موسم میں سواری ہو کر جا رہا تھا راستہ میں کیچڑ اور مٹی آگئی اور اس میں ایک کتے کا بچہ غرق ہوتا اور نکلتا تھا اور بہت زیادہ فریاد و فغاں کر رہا تھا جب میں نے اسے دیکھا اور اس کی فریاد سنی۔ میرے دل میں جوش پیدا ہوا۔ خادم کو میں نے کہا جاؤ اور اس کتے کے بچے کی مدد کرو۔ اس نے انکار کیا اور نفرت کا اظہار کیا میں گھوڑے سے اترا اور دامن لپیٹ کر اس کیچڑ کی طرف متوجہ ہوا۔ خادم نے جب یہ دیکھا تو تیزی کر کے اسے باہر نکالا وہاں نزدیک ایک حمام تھا۔ وہاں سے میں نے گرم پانی لیا اور اسے دھویا۔ زانباتی سے روٹی اور شوربا لیا اور اسے پیٹ بھر کر کھلایا۔ پھر میں نے کہا یہ اس محلہ کا کتا ہے اگر اہل محلہ اس کی دیکھ بھال کریں تو بہتر ہے۔ وگرنہ ہم اپنے محلہ میں لے جاتے ہیں۔ زانباتی نے اس کی دیکھ بھال کا ذمہ لیا۔ میں نے اسے اس کے سپرد کر دیا اور آگے چلا گیا۔ اس قصہ کے چند روز بعد اس محلہ کے اسی کوچہ سے پیدل گزر رہا تھا۔ سامنے سے کتا آ رہا تھا اور اس کو چہ میں قد سے پانی اور کیچڑ بھی تھا۔ میرے دل میں گزرا کہ اس جگہ سے جلد گزر جانا چاہیے تاکہ اس کتے کے پھینٹے کپڑوں پر نہ پڑیں۔ میں تیزی سے بڑھا مگر کتا مجھ سے بھی زیادہ تیزی سے آگے آیا اور اس کیچڑ پر ہم ایک دوسرے کے مقابل آگئے۔ کتا وہاں ٹھہر گیا اور فصیح زبان میں اسلام علیک کہا میں نے وعلیک السلام کہا۔ اس نے کہا تم نے حدیث میں پڑھا ہے کہ حضرت رب العزت فرماتا ہے۔

یا عبادی ا فی حرمت الظلم علی نفسی وجعلتہ علیکم محرماً فلا تظالموا میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کر رکھا ہے۔ اسی طرح تمہارے لئے بھی ظلم کرنا حرام ہے، بس ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو) مجھ پر تو نے کیوں ظلم کیا؟ میں نے کہا مجھے معلوم نہیں کہ میں نے کیا ظلم کیا ہے۔ اس نے کہا راستہ انسان اور حیوان دونوں کے لئے گزر گاہ ہے۔ چاہئے یوں تھا کہ میں بھی اطمینان سے آتا اور تم بھی آرام سے آتے جس جگہ بھی ہماری ملاقات ہوتی۔ کوئی مضائقہ نہیں تھا۔ میں نے کہا بنی آدم عبادت کے مکلف ہیں اور کپڑے پاکیزہ رکھنے کے ذمہ دار ہیں۔ اگر میں اس سے ملوث ہو جاتا تو کپڑوں اور جسم کا دھونا مشکل ہوتا۔ اس وجہ سے میں نے جلدی کی۔

اس نے کہا یہ خطرہ اس وقت تمہارے دل میں نہیں تھا۔ کتے سے تو نے نفرت کی تھی اب فعل کو صحیح ثابت کرنے کے لئے تو چہرہ کر رہے ہو۔ اگر تمہارے کپڑے ناپاک ہو جائیں تو پانی کے ایک سو سے پاک ہو سکتے ہیں اور اگر لطیفہ انسانہ عجیب اور خود بینی سے ناپاک ہو جائے تو سات سمندر سے بھی پاک نہیں ہو سکتا میں نے اس کی داد دی اور دل میں شرمندہ ہوا اور دیوار کے ساتھ مل کر تعظیم میں کھڑا ہو گیا۔ میں نے کہا تم نے نصیحت کی اب اس راستہ سے چلے جاؤ۔ اس نے کہا پہلے زمانہ کے درویش ایثار کرتے تھے۔ اور اس زمانہ کے درویش اپنے آپ کو تزیین دیتے ہیں۔ میں نے کہا ان دو باتوں کی تفسیر بیان کر۔ اس نے کہا پہلے زمانہ کے درویش کم درجہ چیز کو اپنے لئے اور نفیس کو دوسروں کے لئے پسند کرتے تھے اور اس زمانہ کے درویش نفیس قدر اور کم درجہ چیز دوسروں کو دیتے ہیں۔ خشک راستہ تم نے اپنے لئے اختیار کیا ہے اور کھیر گائے والا راستہ تم نے اپنے لئے اختیار کیا ہے اور کھیر گائے والا راستہ میرے لئے چھوڑا ہے۔ بس میں کھیر اور گائے کی طرف آ گیا اور خشک جگہ اس کے لئے چھوڑ دی۔ اس نے کہا خدا تعالیٰ تک پاکیزہ عقل کے ذریعہ پہنچا جاسکتا ہے۔ تاریک عقل کے ذریعہ نہیں۔ میں نے پوچھا پاکیزہ عقل کیا ہوتی ہے اور تاریک عقل کو کسی اس نے کہا پاکیزہ عقل یہ ہے کہ بلا کہے اور بلا سنے راہِ صواب پر چلے۔ اور تاریک عقل یہ ہے کہ جب تک نہ سنے جانتا نہیں۔ پھر اس نے سلام علیک کہا اور چلا گیا جب میں نے مڑ کر دیکھا تو وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ میں سمجھ گیا کہ میرا کتے کے بچے کو نکالنا قبول ہو گیا۔ اور اسی شکل میں تعلیم دی گئی۔

فرماتے تھے رمضان کے آخری روز جبکہ رات چاند ہونے کا شبہ تھا مسجد جو طہ میں بیٹھا تھا۔ ایک چڑیا آئی اور کہا کل عید ہے میں نے اسے حاضرین کو بتایا۔ فرما دیجیے کہہا۔ حیوانات کی زبان کا کیا اعتبار۔ اس چڑیا نے کہا۔ جھوٹ انسان کی خاصیت ہے ہماری جنس میں جھوٹ نہیں ہوتا۔ پھر وہ اڑ گئی اور دوسری چڑیا اس کے ساتھ آئی اس نے اس بات کی تصدیق کی جلد ہی قاضی کے سامنے شہادتیں پیش ہو گئیں کہ انہوں نے چاند دیکھا ہے۔ راقم الحروف شاہ ولی اللہ نے چڑیا کے گفتگو کے متعلق سوال کیا فرمایا اس کی آواز دوسری چڑیوں کی مانند تھی کوئی فرق نہیں تھا۔ لیکن اس کی آواز سے ہی میں نے اللہ کی تعلیم سے معنی سمجھ لیا۔ اوکا قال۔

شیخ فقیر اللہ بیان کرتے تھے کہ ایک کوادو تین روز کے بعد آتا تھا اور توحید کے بارے میں



باتیں پوچھا کرتا تھا۔ ایک مدت کے بعد وہ دکھائی نہ دیا۔ راوی قصہ سے کوتے کے متعلق پوچھا کہ یہاں ایک کوا بیٹھا کرتا تھا۔ کئی دنوں سے وہ مجھے دکھائی نہیں دیا۔ اس نے کہا اسے فلاں نے شکار کر لیا۔ اور اپنے باز کو کھلا دیا۔ اپنے افسوس کیا اور غمگین ہوئے اور فرمایا وہ موجد کو اتھا۔ وہ مجھ سے توجید کے مسائل پوچھا کرتا تھا۔

فرماتے تھے ابتدائے حال میں بعض اوقات ساری ساری رات اور اکثر اوقات رات کا اکثر حصہ ذکر الہی میں گزارتا تھا۔ کبھی اونچی آواز میں اور کبھی آہستگی سے

## نیک جن

ہوتا تھا۔ ذکر کے وقت ایک جن بھی شریک ہو جاتا تھا۔ بعض دوستوں نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو۔ تو اس نے بڑی درستی سے جواب دیا کہ تم یہ سوال کیوں پوچھتے ہو۔ جمعہ کے روز میرے وعظ میں بھی شریک ہوتا تھا۔ ایک دفعہ حاضرین میں سے ایک شخص نے پوچھا کہ جنات میں سے بھی ایسے ہوتے ہیں جو نماز روزہ ادا کرتے ہیں۔ میں نے کہا ہاں۔ یہ شخص جو تمہارے درمیان موجود ہے۔ صالحین جنات میں سے ہے۔ جو وعظ سننے کے لئے آیا کرتا ہے۔ اس کے بعد وہ غائب ہو گیا اور پھر دکھائی نہیں دیا۔

راقم الحروف رشاد ولی اللہ نے اس کی شکل و شباهت کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اس کی پیشانی اور آنکھوں سے وحشت پھلتی تھی۔

فرماتے تھے ایک جن نے میری بیعت کی اور اشغال و اوراد دیکھے۔ ایک روز میں سواری ہو کر جا رہا تھا تو وہ متشکل ہو کر سامنے آیا اور صلوٰۃ تسبیح کے متعلق پوچھا۔ میں نے بیان کیا جہاں اسے میری بات سمجھ نہ آتی دوبارہ پوچھتا۔ یہاں تک کہ وہ اچھی طرح سمجھ گیا۔ ایک روز پریمیاں محمد غوث کو ایذا دے رہی تھیں اور اس کی چار پائی اٹھالے جاتی تھیں۔ یہ جن وہاں پہنچ گیا۔ پریموں کو ڈانٹا اور منع کیا اور محمد غوث سے کہا کہ حضرت والد کی خدمت میں میرا سلام پہنچا دینا اور کہنا کہ پریمیاں تھیں جو تجھے ایذا دے رہی تھیں۔ میں نے انہیں ڈانٹا اور منع کیا۔ دوسرے روز وہ جن آیا اور کہا میرا دکن جانے کا ارادہ ہے معلوم نہیں وہاں سے زندہ واپس آؤں یا نہیں میری نجات کے لئے دعا کیجئے میں نے دعا کی۔ اس کے بعد پھر وہ نظر نہیں آیا۔

فرماتے تھے اکبر آباد میں مرزا محمد زاہد کے درس سے واپسی پر سید لطیف سولن پتی کے دروازہ سے میرا گذر ہوا تو دیکھا کہ دروازہ پر پریشان کھڑے ہیں۔ میں نے وجہ پوچھی۔ تو کہا

عجیب مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔ وہ مجھے گھر لے گئے ان کی ایک عزیزہ کو جن نے پاگل کر رکھا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ تعظیم کے لئے اٹھا اور سلام کیا۔ میں نے پوچھا تم کون ہو۔ اس نے کہا میرا نام عبداللہ ہے اور میں محمد طاہر کے درس میں پڑھتا ہوں جس روز آپ اکبر آباد میں داخل ہوتے تھے اور محمد طاہر اپنے شاگردوں کے ساتھ آپ کے استقبال کے لئے شہر سے باہر آئے تھے تو میں بھی ان میں موجود تھا۔ میں آپ کو اچھی طرح جانتا ہوں لیکن آپ مجھے نہیں پہچانتے میں نے پوچھا کیا پڑھتے ہو۔ اس نے کہا کافیہ میں مفعول مطلق کی بحث کا وہ حصہ پڑھ رہا ہوں جہاں سے مصنف لہیک اور سعیدیک کی بحث شروع کرتے ہیں۔ میں نے کہا ان لغظوں کی اس طرح بخوبی تشریح کرو جو عام طالب علم نہ کر سکتے ہوں۔ اس نے تشریح کی میں نے کہا میں محمد طاہر کے پاس تمہاری سفارش کر دینگا تاکہ وہ تمہاری طرف زیادہ توجہ کریں۔ اس نے کہا اگر انہیں پتہ چل گیا کہ میں جن ہوں تو وہ مجھے ہرگز نہیں پڑھائیں گے۔ پھر اس نے کہا میرا طریق یہ ہے کہ رات کو میں نے چار حصوں میں تفسیر کر رکھا ہے۔ ایک حصہ میں میں نماز پڑھتا ہوں۔ دوسرے میں نفی اثبات کرتا ہوں۔ تیسرے حصہ میں کافیہ کا مطالعہ کرتا ہوں اور چوتھائی میں سوتا ہوں اور دن کے وقت محمد طاہر کے پاس جاتا ہوں اور ایک بالا خانہ جو بہت اونچا تھا کی طرف اشارہ کیا اور کہا میں اس جگہ رہتا ہوں اس عورت نے اس جگہ پیشاب کر کے اسے ناپاک کر دیا ہے اور میرے نظام اوقات کو خراب کر دیا ہے۔ اس کے بدلے میں میں نے اسے ایذا دی ہے۔ آپ کی فرمائش پر فوراً اس جگہ کو صاف کر کے خوشبودار کر دیا گیا جس سے وہ باغ باغ ہو گیا اور چلا گیا۔ اسی وقت عورت ہوش میں آگئی اور شرم و حیا کی وجہ سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔

## حضرت الدراجہ کے تصرفات

مکاشفات اور کرامات کا بیان | فرماتے تھے۔ ایک شخص نے شیخ عبدالاحد سرہندی کی مجلس میں کہا کہ اس زمانہ میں

کوئی صاحب کرامات نہیں ہے۔ انہوں نے اسکے عقیدہ کی درستی کے لئے اس کے سامنے سات روپے میری نذر کے لئے مقرر کر دیتے اور فرمایا کہ پہلے پانچ روپے ان میں خدمت میں پیش

کریں گے اور دیکھیں گے کہ وہ کیا کہتے ہیں اس کے بعد انہوں نے کہا بھجوا کہ ہم آج آپ سے ملنے آ رہے ہیں۔ میں نے کہا مقرر یہ ہے کہ میں آپ کی ملاقات کے لئے آؤں۔ انہوں نے کہا تکلیف نہ کریا میں نے سواری کا انتظام کر لیا ہے۔ میں نے کہا سواری کی تیاری کا کوئی فائدہ نہیں۔

یہ مناظرہ جب طول پکڑ گیا تو ہم نے ایک درمیانی جگہ مقرر کر دی کہ جو شخص پہلے وہاں پہنچ جاتے دوسرے کو واپس لے جاتے۔ میں نے گھوڑے کے لئے بہت کوشش کی لیکن وہ نہ مل سکا۔ انہوں نے پالکی تیار کر لی تو انہیں چوتھا کہا نہ مل سکا۔ آخری وقت میں ان سے پہلے وہاں پہنچ گیا اور ان کو واپس لے گیا۔ جب ان کے گھر پہنچ گئے تو پانچ سو روپے میرے سامنے رکھ دیئے اور کہا یہ آپ کی نیاز ہے۔ میں نے کہا یہ میری نیاز نہیں ہے۔ میری نذر تو سات سو روپے ہے۔ پس انہوں نے پورے سات سو روپے پیش کئے۔ اس کے بعد حضرت شیخ عبدالاحد نے ازراہ خوش طبعی فرمایا کہ اس کامیاب امتحان پر دو سو روپے اور پیش کرتا ہوں۔ پھر فرمایا یہ سب کچھ اس شخص کی اصلاح کے لئے کیا ہے۔

فرماتے تھے شیخ عبدالاحد رمضان شریف کے آخری عشرہ میں اکتکاف بیٹھے ہوئے تھے۔ میں ان کی ملاقات کے لئے گیا۔ دوران گفتگو ان کی زبان سے نکلا کہ پر سوں عید ہے۔ میں پھر ملاقات کرونگا میں نے کہا نہیں۔ بلکہ اس کے بعد ہے۔ انہوں نے کہا حساب والے یوں کہتے ہیں۔ میں نے کہا ہمارا حساب اس طرح کہتا ہے۔ اسی طرح ہوا جیسا کہ میں نے کہا تھا۔

فرماتے تھے۔ ایک دفعہ شیخ عبدالاحد پورپ یا کسی دوسرے علاقہ سے آئے تھے اور میرے لئے ایک تحفہ بھی لائے تھے۔ فرمایا کشف کے ذریعہ اسے معلوم کرو تا کہ قبولیت کی علامت ہو میں نے کہا ابھی تو معلوم نہیں اس کے بعد کسی وقت بیان کروں گا۔ چند دنوں کے بعد جبکہ میں آرام میں تھا۔ اس ہدیہ کی شکل مجھے دکھائی گئی۔ جب دوسری مرتبہ ملاقات ہوئی تو میں نے کہا یہ ایک دوہرے رنگ کا کپڑا ہے۔ ایک حصہ سبز پھول دار ہے اور دوسرا حصہ بادامی رنگ کا ہے۔ اور وہ بناوٹ میں ہمارے لباس کی طرح نہیں ہے۔ یہ ایک ایسی چادر ہے کہ اسکی بالائی طرف مدور اور نیچے کا حصہ مستطیل ہے اور یہ چادر ایک چارخانہ کپڑے میں لپیٹی ہوئی ہے انہوں نے کہا اور تو ساری باتیں درست ہیں لیکن وہ چارخانہ کپڑے میں لپیٹی ہوئی نہیں ہے کچھ روز بعد انہوں نے یہ کپڑا ایک آدمی کے ہاتھ بھجوا لیکن اس وقت وہ مذکورہ کپڑے میں

پٹا ہوا تھا جب انہوں نے اچھی طرح تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ پہلے یہ کپڑا ایک دوسرے کپڑے میں بندھا ہوا تھا لیکن وہ کپڑا خرچ ہو گیا تو اسے چار خانہ کپڑے میں لپیٹ دیا گیا ہیں تبدیلی کا انہیں علم نہیں تھا۔

فرماتے تھے شیخ عبدالاحد سرہند سے چار مقدمات کے لئے آئے تھے جب ہماری ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا ایک ان میں سے بہت ہی آسان ہے۔ دو درمیانے درجہ کے ہیں اور ایک بہت ہی مشکل سے حاصل ہونے والا ہے میں نے کہا جسے آپ دشوار سمجھتے ہیں۔ بادشاہ سے پہلی ملاقات میں حل ہو جائے گا۔ اور وہ دو درمیانے درجہ کے ہیں ان میں سے ایک دو تین ماہ کے بعد اور دوسرا پانچ چھ ماہ کے بعد سرانجام ہونگے اور جسے سب سے آسان سمجھتے ہیں وہ میری زبان پر موقوف ہے جب تک میں نہیں کہوں گا وہ حل نہیں ہوگا۔ انہوں نے بادشاہ سے ملاقات کی پہلا مقدمہ ہی روند اور دوسرا اور تیسرا مذکورہ مدت میں پورے ہوئے۔ چوتھا باقی رہ گیا۔ دوسری مرتبہ مجھے پھر ملے اور مجھ سے توجہ طلب کی۔ میں نے کہا یوں نہیں۔ بلکہ پہلے آپ کو شہر کے ان اکابر کے پاس جانا چاہیے۔ جو کشف و خوارق میں شہور ہیں۔ اور ان سے وقت مقرر کرنا چاہیے۔ ایک بزرگ کے پاس جو کشف میں شہور تھے گئے۔ انہوں نے تین ہفتہ کی ميعاد مقرر کی۔ وہ وقت گزر گیا اور کوئی اثر ظاہر نہ ہوا۔ دوسرے بزرگ کے پاس گئے۔ انہوں نے ایک ماہ کی ميعاد مقرر کی وہ بھی گزری اور کوئی اثر ظاہر نہ ہوا۔ میرے پاس آئے اور توجہ طلب کی۔ میں نے کہا اس کے لئے وقت چاہیے کہ میری زبان سے نکلے۔ انہوں نے اس قصہ کو ایک کاغذ پر لکھا اور فقیر اللہ کو دیا تاکہ روزانہ نماز اشراق اور نماز عشا کے بعد دکھاتا رہے۔ اسی طرح عرصہ گزر گیا انتظار حد سے بڑھ گیا۔ ایک روز میرے دل کا شرح حاصل ہوا۔ میں نے کہا آج بادشاہ کے پاس جاؤ کام ہو جائے گا۔ اسی روز گئے بادشاہ نے اس روز توجہ کی اور فرمایا۔ اگر کوئی کام ہو تو فرمائیے۔ انہوں نے مطلب بیان کیا جسے اسی وقت حسب منشا پورا کر دیا۔ فرماتے تھے ہم شیخ عبدالاحد کے گھر گئے۔ وہ ختم خواجگان پڑھ رہے تھے مجھ سے بھی اس میں شریک ہونے کی درخواست کی۔ میں نے کہا ختم پڑھنا بے کار ہے کام نہیں ہوگا۔ انہوں نے کہا کیا آپ کو معلوم ہے کہ کیا کام ہے۔ میں نے کہا ہاں! فلان کام ہے اور اس کام کو کرانے والی فلاں عورت ہے جس کی یہ شکل و صورت ہے۔ یہ عمر ہے۔ میں اسی طرح بیان کرتا رہا۔ یہاں تک کہ میں نے

وہ اعمال بیان کرنے شروع کر دیتے جو اس نے اپنی زندگی میں کئے تھے کہنے لگے بس کیجئے راز ظاہر ہوتا ہے۔  
حضرت والد ماجد ایک بار شیخ عبدالاحد کے گھر گئے۔ انہوں نے اپنے لڑکے سے کہا کہ جا کر  
حضرت کی نذر کے لئے گلاب کی بوتل لاؤ۔ وہاں دو بوتلیں تھیں۔ اس نے بڑی بوتل کو چھوڑ دیا اور  
چھوٹی اٹھالیا۔ حضرت والا مسکرانے اور فرمایا بڑی بوتل کو کیوں چھوڑ دیا۔ جاؤ اسے لاؤ۔

راقم الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے شیخ عبدالاحد ایک مرتبہ بیمار ہو گئے حضرت والا ان  
کی عیادت کے لئے گئے۔ فقیر بھی ہمراہ تھا۔ شیخ نے تندرستی کے لئے دعا کی درخواست کی حضرت  
والد نے سکوت اختیار فرمایا۔ پھر شیخ کے اقربا نے بہت زیادہ اصرار اور مبالغہ کیا۔ حضرت والا  
اسی طرح خاموش رہے۔ شیخ عبدالاحد نے حضرت والا کے دلی راز کو پالیا اور اپنے رشتہ داروں کو  
مبالغہ سے روکا۔ کیونکہ اولیاء کی خدمت میں مبالغہ اور اصرار نہیں کرنا چاہیے۔ حضرت والا جب  
اٹھے تو اس فقیر سے فرمایا شیخ کی عمر ختم ہو چکی ہے۔ اس وقت دعا کا کوئی فائدہ نہیں آسکے  
خاموش رہنے میں ہی حکمت تھی۔ چند روز کے بعد شیخ کا وصال ہو گیا۔

حضرت والد ایک روز اس فقیر کو معارف عجیبہ سکھا رہے تھے۔ حدیث (تقوا فراسة المؤمن  
فانہ ينظر بنور الله) کی بات چل نکلی اس کی شرح میں دو قصے بیان فرمائے۔ ایک خان عالم  
کے قصے میں شیخ رفیع الدین کا قصہ جو اپنے مقام پر بیان ہو گا اور دوسرا اپنی فراست کا کہ ایک برقعہ  
پوش فقیر وضع شخص بہت ہی درد مند ہر لمحہ کوئی شعر یا دہرہ عاشقانہ پڑھتا اور بہت روتا  
میرے پاس آ کر بیعت کا طالب ہوا اور قیام کے لئے کوئی کو نہ طلب کیا میں نے اس سے مکمل روگردانی  
کی اور صاف انکار کر دیا۔ جب وہ باہر چلا گیا تو میں نے کہا کہ یہ کالا ناگ ہے۔ اس سے بچنا چاہیے  
حاضرین کے دل میں اس بات سے انکار پیدا ہوا۔ ایک مدت کے بعد عورتوں کے لباس میں نکلا  
اور صوبہ دار دہلی عاقل خاں کے گھر میں خیرات کے سلسلہ میں داخل ہو گیا۔ نکلتے وقت ایک چوکیدار نے  
اس کی رفتار سے اس کے عورت ہونے سے انکار کیا اور کہا یہ چال عورتوں کی نہیں ہے۔ تفتیش میں  
لگ گیا۔ بات واضح ہو گئی تو اسے قید کر دیا گیا۔ آخر کار معلوم ہو گیا کہ کسی کی عورت کو پکڑ کر بھاگا ہوا  
تھا۔ برقعہ پوشی اور زرد پوشینی اسی وجہ سے اختیار کر رکھی تھی اور یہ سب اظہار درد مند شیطان  
مکر و فریب کا اظہار تھا۔

فرماتے تھے کہ عبد الحفیظ تھا نیسری اپنے وطن جانے کا ارادہ کیا اور مجھے وداع کرنے کیلئے آیا۔ ایک دستار اور نصف روپیہ نذر کے طور پر لایا اور نصف روپیہ مخدومی ابوالرضا محمد کی خدمت میں پیش کرنا چاہا۔ میں نے خوش طبعی کے طور پر کہا کہ تمہیں اعظم آباد کے میدان میں جو بہت ہیبت ناک ہے۔ مشکل پیش آئے گی۔ گاڑی کا ایک پہیہ جدا ہو جائے گا۔ اس میدان سے اسے درست کرنا دشوار ہوگا جو شخص چوٹ اور ضرب سے گاڑی کی حفاظت اور مال جمع کرنے کی کوشش کرے۔ پورا روپیہ اسے لینا چاہیے۔ اس نے پورا روپیہ دے دیا۔ اور رخصت ہو گیا۔ مدت کے بعد جب وہ واپس آیا تو اس نے کہا کہ اس خطرناک وادی میں جہاں ڈاکوؤں کا بہت خطرہ تھا گاڑی کا پہیہ جدا ہو گیا اور کچھ فاصلہ بغیر پہیہ کے چلتی رہی اور ہمیں کچھ نقصان نہ پہنچا۔ اس جنگل میں جلدی درست کر لیا یہاں تک کہ ہم قافلہ سے بھی پیچھے نہ رہے۔

سننے میں آیا ہے کہ ایک روز مخدومی شیخ ابوالرضا محمد کی مجلس میں توجہ اور تاثیر کی بات ہو رہی تھی۔ رات کا وقت تھا۔ تند ہوا چل رہی تھی اور چراغ کا جلنا ممکن نہیں تھا۔ حضرت والد نے فرمایا اس چراغ پر نظر رکھو۔ اللہ تعالیٰ کی عجیب قدرت ملاحظہ کرو گے۔ چراغ کو پیالہ کے نیچے رکھ کر لانے حضرت والا اس چراغ کی طرف متوجہ ہوئے جب انہیں جھجکت حاصل ہو گئی پیالہ کو چراغ کے اوپر سے اٹھا دیا۔ چراغ اسی طرح جلتا رہا۔ اس کے شعلہ میں کوئی اضطراب اور لرزش نہیں تھی واٹر اعلم۔ فرماتے تھے محمد مظفر نے مجھے خط لکھا اور ایک شخص کے ہاتھ بھیجا۔ اس خط میں تحریر تھا کہ۔ حاصل ہذا تاثیر و توجہ کا منکر ہے۔ اگر اس کی طرف توجہ فرمائیں تو اس کی ہدایت کا سبب ہوگا۔ خط پڑھتے ہی اس وقت میں نے اس پر نظر ڈالی تو وہ بے ہوش ہو گیا اور مکمل غیبت حاصل ہوئی اس فاسد عقیدہ سے ناام ہو۔

حضرت والد فرماتے تھے فریاد بیگ کو مشکل پیش آئی اس نے نذر مانی کہ خدا دندا اگر یہ مشکل حل ہو گئی تو اس قدر روپے میں حضرت والا کی خدمت میں پیش کروں گا۔ اس کی مشکل حل ہو گئی اور وہ نذر اس کے ذہن سے جاتی رہی۔ چند دنوں کے بعد اس کا گھوڑا بیمار ہو گیا اور ہلاکت کے نزدیک پہنچ گیا۔ مجھے اس کی بیماری کا سبب معلوم ہو گیا میں نے ایک خادم کے ذریعہ کہلا بھیجا کہ اس کی بیماری نذر پورا نہ کرنے کی وجہ سے ہے۔ اگر تم اپنے گھوڑے کو چاہتے ہو تو وہ

نذر جو فلان جگہ اپنے اوپر لازم کی تھی۔ اسے بھیج دو۔ وہ شرمندہ ہوا اور وہ نذر بھیج دی۔ اسی وقت اس کا گھوڑا تندرست ہو گیا۔

فرمانے تھے ایک شخص صاحب دعوت روم سے ایمان میں آیا اور ایران سے ہندوستان۔ اسے عبداللہ چلی کہتے تھے۔ اس سے بہت عجائب مشاہدہ ہوتے تھے۔ ان میں سے ایک یہ کہ حجرہ میں بغیر روٹی پانی کے چالیس روز اعمکاف بیٹھتا تھا۔ حجرہ کے دروازہ کو بند کرتے تھے۔ وہ صبح و سالم باہر نکلتا تھا۔ بسا اوقات اس تالیکی میں وہ قرآن مجید لکھتا اور بسا اوقات زمین میں دھنس جاتا اور جس جگہ چاہتا وہاں سے نکل آتا۔ لوگ کہتے اولیاء اللہ سے ہے اور صاحب کرامات ہے میں اس کی ملاقات کے لئے گیا۔ ان دنوں وہ بعض ایرانیوں کے گھر بادشاہ سے چھپا ہوا تھا۔ پہلے میں ان روافض سے ملا۔ بارہ مشلوں میں گفتگو ہوئی۔ تمام مسائل میں میں نے انہیں الزام دیا انہوں نے انصاف کیا اور قبول کیا۔ لیکن میں نے ابتدا میں نہیں بتایا کہ میں سنی ہوں۔ میں نے کہا میرا مذہب "خذ ما صفا دع ما کدر" ہے۔ زیادہ تعصب سے پیش نہیں آئے۔ پھر میں نے مذکورہ مسائل بیان کئے اور دلائل برہان اور خطا بیہ سے انہیں الزام دیتا تھا وہ قبول کرتے تھے اور انکار کی گنجائش نہیں تھی پھر ہم نے عبداللہ سے ملاقات کی میں نے اسے اولیاء اللہ کے طریق سے بالکل بے بہرہ پایا میں نے اس کی تعظیم سے اعراض کیا۔ ایرانیوں میں سے ایک شخص نے سوال کیا کہ اس کا کیا سبب ہے کہ تم بڑے شوق سے آئے اور جب اسے دیکھا روگردانی کی میں نے کہا میں اسے ولی سمجھتا تھا وہ دعوتی نکلا۔ عبداللہ نے یہ بات سنی تو انصاف کیا۔ اس کے بعد اس نے دعائے سیفی پڑھنا شروع کی وہ ایسے مقام پر پہنچا جہاں نحو کے قاعدہ سے اعراب کے دو طریقے تھے لیکن ملحوظ وجدان ایک طریقہ متعین تھا اس نے دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ میں نے کہا تم نے غلطی کی۔ اس نے کہا یہ درست ہے غلط نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں اس نے مناظرہ کیا اور دعائے سیفی کے تمام نسخے جو اساتذہ سے پہنچے تھے منگوائے۔ تمام اس کے موافق نکلے۔ یہاں تک کہ تیرھواں نسخہ جو شیخ احمد جام کے تبرکات میں سے تھا اور امرار کے گھر سے طلب کیا۔ وہاں سے میرے موافق عبارت نکلی اس نے انصاف کیا اور غلطی کا اعتراف کیا۔ پھر اس نے ایرانیوں سے کہا کیا تمہیں کچھ علم ہے کہ میں نے اس قدر بحث کیوں کی ہے جب میں اس جگہ پہنچتا تھا تو تاریکی دیکھتا تھا۔ آخر

میں یہ عبداللہ چلی حضرت والا کا مرید ہو گیا اور طریقہ قادریہ اختیار کیا۔

فرماتے تھے ایک روز میں سید لطیف کے گھر گیا۔ وہاں ایک فاضل آدمی تھا جو صوفیہ کے بعض احوال کا منکر تھا۔ اتفاقاً نماز کا وقت ہو گیا۔ لوگوں نے اسے امام بنایا، اس وقت دیگ چولہے پر رکھی ہوئی تھی اور غلام کو بازار بھیجا ہوا تھا، اس کے دل میں خیالات گزرتے کہ شاید طعام جل جائے۔ یہ خطرہ نماز میں اس کے دل سے نہیں جاتا تھا۔ مجھے اس کا علم ہو گیا میں نے اس کی اقتدا ترک کر دی اور نماز تنہا پڑھی۔ جب نماز ادا کر لی گئی تو میرے ساتھ انکار کے ساتھ پیش آیا کہ تم نے تنہا نماز کیوں پڑھی میں نے کہا۔ تو غلام کے پیچھے بھاگے ہاتھ اور کھانا پکارا ہوا تھا میں آپ کی اقتدا کیسے کرتا۔ اس نے انصاف کیا اور اعتراف کیا اور اس تکبیر سے باز آیا۔

حضرت والا شان سے اجمالاً اور بعض دوستوں سے میں نے تفصیلاً سنا کہ سرمنہد کا ایک شخص بالطبع منکر تھا پہلے ایک بزرگ کی بیعت کی اور استغاضہ کیا اتفاقاً عید کا روز تھا کہ اس نے شیخ بزرگوار شیخ احمد سرمنہدی کے صاحبزادے شیخ محمد معصوم سے مصافحہ کیا انہوں نے فرمایا کہ تم دیر سے آئے ہو کہاں تھے۔ اس قسم کے دو تین مہربانی کے الفاظ فرمائے۔ اس کا دل اٹکے ساتھ متعلق ہو گیا۔ آنا جانا شروع ہو گیا اور اس بزرگ کی خدمت میں حاضری سے کمی کر دی۔ جب انہیں اس قصہ کا پتہ چلا تو انہوں نے شیخ محمد معصوم کے ہلاک کرنے پر کمر بستہ باندھی۔ انہوں نے بھی مدافعت کی۔ یہاں تک کہ اس کا شرابی پر لوٹ آیا اور ہلاک ہو گیا اس کے بعد یک جہتی کے ساتھ ان کی خدمت میں رہتا تھا۔ ایک مدت کے بعد یہاں بھی شگ و اضطراب پیدا ہو گیا۔ اسی طرح درویشوں کی خدمت میں جاتا تھا اور انکار کرتا تھا اور نفع حاصل نہیں کرتا تھا۔ ایک روز میرے پاس آیا اور کہا کوئی شخص صاحب تصرف نہیں ہے۔ میں نے اس پر تاثیر کی تو وہ بے خود ہو گیا، اس غیبت کے درمیان اس نے دیکھا کہ گویا سبز خلعت اسے دی گئی ہے۔ جب اسے افاقہ ہوا تو تمام واقعہ میں نے اسے بتا دیا۔ اس نے تسلیم کیا لیکن اگر انکار جہلی ہوتا تو وہ کیسے منقطع ہو سکتا ہے۔ راقم الحروف رشاد ولی اللہ کہتے ہیں کہ یہ طویل قصہ ہے مگر مجھے سبز خلعت پہنانے کے سوا کوئی بات یاد نہیں رہی۔ واللہ اعلم۔

حضرت والد سے اجمالاً اور بعض اجاب سے تفصیلاً سنا ہے کہ ایک مرتبہ حالت غلبہ میں بکری پر توجہ ڈالی تو اس پر عجیب حالت طاری ہو گئی۔ چند دنوں تک اسے چائے پانی کا ہوش



نہ رہا۔ آخر کار مر گئی۔

فرماتے تھے ایک روز اجاب کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور مجلس میں سکوت تھا اس جگہ مجھے ایک شخص کی صورت دکھائی گئی کہ یہ شخص

## رافضی کا توبہ کرنا

توہا سے ہاتھ پر رخص سے توبہ کرے گا میں نے یہ واقعہ دوستوں کے سامنے بیان کیا اور اس کا علیہ بھی تفصیل سے بیان اس واقعہ کے بیس سال بعد میں محمد فاضل کے گھر گیا ہوا تھا وہاں ایک مہمان بیٹھا ہوا تھا میں نے اسے پہچان لیا اور بڑی مہربانی سے پیش آیا۔ دوستوں نے تعجب کیا کہ ایک اجنبی شخص کے ساتھ جو رخص اور فساد عقیدہ کے ساتھ متہم ہے اس قدر مہربانی کی کیا وجہ ہے میں نے کہا نہیں وہ واقعہ یاد نہیں ہے۔ تمام نئے سوچا تو اسے پہچان لیا۔ سوڑے دن گزرے تھے کہ اس نے توبہ کی۔ اس کے بعد بعض لوگوں کی مجلس کی وجہ سے اسے شک پیدا ہوا تو اسے درد شکم میں مبتلا کر دیا گیا اور اس کے ذہن میں یہ بات ڈال گئی کہ اگر سچی خالص توبہ نہیں کرو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ وہ خالص سنی ہو گیا اور رخص اور رافضیوں سے مکمل طور پر بیزار ہو گیا۔ مجھ سے اس نے بیعت کی پہلے مجھے اس نے پوچھا کہ کونسا طریقہ اختیار کروں میں نے کہا تمہارے لئے سلسلہ قادریہ بہتر ہے کیونکہ رافضی حضرت غوث الاعظم کو بہت دشمن سمجھتے ہیں۔

حضرت والا سے اجمالاً اور بعض دوستوں سے تفصیل سے سنا ہے

## مزار اولیاء سے مدد

کہ ترکستان کا ایک شغلہ بیگ نامی مرد تھا جس نے اس راہ کا

ذوق پیدا کیا تھا۔ بخارا میں آیا اور خواجہ نقشبند کے مزار پر اسے انتظار میں بیٹھا کہ اسے کسی ولی اللہ کی اطلاع ملے۔ آخر کار خواجہ نقشبند نے خواب میں اپنے فرمایا کہ تیرا پیر مندوستان میں دہلی کے شہر کے اندر ہے اور حضرت والا کی شکل اسے دکھائی۔ اس کے دل میں خیال گزرا کہ دہلی بہت بڑا شہر ہے اس بزرگ کو وہاں تلاش کرنا بڑا مشکل کام ہو گا۔ خواجہ کو اس کے اس خیال کی خبر ہو گئی۔ فرمایا کہ جس روز تم دہلی میں پہنچو گے۔ اسی روز انہیں وعظ کہتے ہوئے پاؤ گے پھر شوق اسے کشاں کشاں دہلی لے آیا پہلے شیخ فریدی کی سرا میں اترا۔ اتفاقاً اس روز جمعہ کا دن تھا۔ اس نے لوگوں سے جامع مسجد کا پتہ پوچھا۔ انہوں نے اسے مسجد فیروزی کا پتہ بتایا۔ وہاں اسے حضرت والد اس کے معلومہ حلیہ کے مطابق ملے۔ نماز کے بعد جو وعظ فرمایا اس سے بھی اس کی تائید ہوئی۔ جمعہ سے فراغت کے بعد

ان کے ہمراہ ان کے گھر آیا پگڑی اتار کر پاؤں میں رکھ دی اور اظہار عقیدت کیا۔ حضرت والا نے فرمایا شرط یہ ہے کہ چند روز ہمارے ساتھ مجلس کرو۔ تاکہ ہمیں پہچان سکو اور تمام قصہ بیان کر دیا۔ اور بیعت و تلقین سے مشرف فرمایا۔ اس کے بعد دکن چلا گیا اور پھر واپس نہیں آیا۔ حضرت والا سے اجمالاً اور دوسرے اجاب سے تفصیلاً سنا کہ علی خوانی قصبہ خورف کا صحیح العقیدہ سنی تھا۔ اس نے حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کو خواب میں دیکھا کہ وہ فرماتے ہیں تمہارا پیر دہلی میں ہے اور حضرت والا کی شکل انہیں دکھائی۔ ایک مدت کے بعد کسی کا ادبلی آیا۔ ایک مدت تک اس کی ملاقات نہ ہو سکی۔ اس کے بعد محمد افضل ساکن بھلوار می سے حضرت والا کا نام اور بعض اوصاف سنے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت اور تلقین سے سرفراز ہوا۔ بعض اوقات وجد میں آجاتا۔ اور اس کا چہرہ سُرخ ہو جاتا اور کہتا۔

ایک مرتبہ حضرت والا قصبہ بھلپت میں تھے گرمی شوق سے زادراہ اور سواری اور راستہ معلوم کئے بغیر پھر اس طرف چل دیئے اور شوق کی راہ نمائی میں آئے۔

حضرت والا سے اجمالاً اور بعض دوستوں سے تفصیلاً سنا ہے کہ سہارن پور میں صوفی نامی ایک شخص تھا جس نے عالم جوانی میں ایک صاحب کشف بزرگ سے ملاقات کی۔ اس نے کہا کہ تمہاری بیعت فلاں شکل و ہیئت اور نام پر موقوف ہے۔ وعظ کہتا ہے۔ وہ اسی انتظار میں بوڑھا ہو گیا تھا۔ گونا گوں اشغال صوفیہ اور سخت مشقتیں کی ہوتی تھیں۔ آخر کار محمد اسماعیل میرٹھی کی راہنمائی سے حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوا اور بیعت و تلقین کے شرف سے مشرف ہوا شروع میں اپنی ریاضات شاقہ اور اشغال بیان کرتا تھا حضرت فرماتے آغاز اچھا ہوا ہے انجام بھی انشاء اللہ اچھا ہوگا۔ آخر کار اس نے تربیت حاصل کر لی۔

فرماتے تھے ایک مرتبہ بارش بند گئی۔ لوگوں نے میری طرف رجوع کیا اور دعا کی درخواست کی۔ میں نے دعا کی تو بوند باندی شروع ہو گئی۔ میں نے کہا بارش کا کھل کر ہونا ہماری دیواروں پر موقوف ہے گویا تدریب غیب ہماری دیواروں کے گرنے سے احتراز کر رہی ہے پس انہوں نے جلدی سے ٹوڑی اور مٹی لا کر دیواروں کو لپیپ دیا۔ اسی وقت خوب زوردار بارش ہوئی۔

فرماتے تھے کہ اکبر آباد میں علی قلی نامی ایک شخص میر ابو العلی کے متبعین میں سے توجہ و تاثیر

میں شہور تھا۔ اتنے اپنے اوپر ناز تھا۔ ایک روز میں نے شیخ عبداللہ محدث کو دیکھا کہ اس کے دروازہ پر کھڑے ہیں اور اندر داخل ہونے کی اجازت نہیں ملتی میرا ارادہ ہوا کہ اسے تنبیہ کر لیں۔ ہم نے ایک پتھر درمیان میں رکھ لیا اور کہا کہ قوت تاثیر یہ ہے کہ کوئی شخص اس پتھر کو کھینچے۔ آخر کار جب اس کی پیمائش کی تو چند انگشت میری طرف زیادہ قریب تھا

فرماتے تھے شیخ ایوب مراد آبادی ہمیں ملنے کے لئے آیا۔ امتحان کی غرض سے تمام ساتھیوں اور

## من اندازِ قدرتِ رامی شناسم

ساز و سامان کو پیچھے چھوڑ کر تنہا اپنی ہیئت تبدیل کر کے آئے۔ میں اس وقت تیر اندازی کر رہا تھا میں نے انہیں دیکھتے ہی کمان کو رکھ دیا اور کہا خوب آئے۔ خیر و عافیت سے آئے، حیران ہوتے۔ کہنے لگے میں نے اس سے پہلے آپ سے ملاقات نہیں کی۔ حضرت والا مجھے پہچانتے ہیں! فرمایا۔ تمہارا نام ایوب ہے۔ انہوں نے کہا آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میرا نام ایوب ہے۔ میں نے کہا جو نبی میں نے تمہیں دیکھا میرے دل نے گواہی دی۔ پھر شیخ ایوب نے کہا مجھے معلوم ہو گیا کہ بلاشک و شبہ یہ کرامت ہے۔ آپ مجھے بتائیے کہ جس کام کے لئے میں شکر میں جا رہا ہوں۔ ہو گا یا نہیں۔ میں نے کہا نہیں۔ اس کے بعد وہ کسی ضرورت کے لئے شکر میں چلے گئے۔ بہر چند انہوں نے کوشش کی مگر کوئی نفع نہ ہوا۔

فرماتے تھے محمد فاضل کے گھر اکھاٹہ بنا ہوا تھا۔ وہاں ایک پہلوان اس کے بیٹوں کو کشتی کرنا سکھاتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک بلند قامت

## پہلوان کو چھپاڑ دیا

اور بہت طاقتور پہلوان آیا اور اس پہلوان کے ساتھ کشتی لڑنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ محمد فاضل کے لئے یہ عزت کا سوال تھا۔ از روئے عقل دونوں کا مقابلہ ناممکن تھا۔ اس پر غالب آنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں نے کہا جب تک میں نہ کہوں کشتی شروع کرنا۔ تھوڑی دیر میں خاموش رہے۔ پھر یک دم اجازت دے دی۔ اس طاقتور پہلوان نے پہلے اسے اٹھایا۔ پھر کمزور پہلوان نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر گاڑ دیئے۔ اور اپنے پاؤں طاقتور پہلوان کی گردن میں ڈالے اور دونوں پاؤں کی قوت سے اسے اٹھا کر زمین پر دے مارا جس سے تماشائیوں میں شور

بلند ہوا

ولی کی غائبانہ امداد | فرماتے تھے۔ محمد فاضل نے چاہا کہ اپنے بیٹے کو اجہیز بچ دے

اور راستہ کے خطرناک ہونے کے وجہ سے خود بھی ساتھ جانا چاہا۔ جب رخصت ہونے کے شے میرے پاس آیا تو میں نے کہا تمہارے جانے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ خیر و عافیت سے لوٹے گا۔ ہاں البتہ حمیر سے واپسی کے وقت دو منزل ادھر ڈاکو قافلہ پر حملہ کریں گے مگر ہم اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں نہیں اپنی گاڑی کو ایک طرف کر لینا چاہیے۔ جب وہ وقت آیا تو حضرت والا متوجہ ہوئے اس توجہ کے دوران ان کے جسم پر طاعون ظاہر ہوا۔ حاضرین نے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ چند روز مسافت طے کرنے کی وجہ سے تھکاوٹ ہو گئی ہے جب اس کا لٹر کا واپس آیا تو اس نے بتایا کہ اس جگہ ڈاکو آئے تھے۔ ہم نے اپنی گاڑی کو ایک طرف کر لیا حضرت والد کی شبیہ ظاہر ہوئی۔ ڈاکوؤں نے تمام قافلہ لوٹا مگر میری گاڑی محفوظ رہی۔

فرماتے تھے کہ ایک صاحب شوکت امیر محمد فاضل کا ہمساہیہ تھا۔ اس نے اپنی حویلی بنا نا چاہی اتفاقاً اس کی حویلی میں ایک جگہ کچی پیدا ہوتی تھی۔ اس نے محمد فاضل سے دو گنا تین گنا قیمت پر کچھ زمین کا مطالبہ کیا لیکن انہوں نے قبول نہ کیا۔ آخر کار ان کے درمیان خشونت اور جھگڑا پیدا ہو گیا اس امیر نے کہا علی الصباح میں بادشاہ کے پاس جاؤں گا اور التماس کروں گا کہ یہ زمین بادشاہی ملکیت ہے۔ محمد فاضل کی ملک نہیں ہے۔ اور زمین کے اس ٹکڑے کو حاصل کر دوں گا اور کسی قیمت پر بھی اسے نہیں چھوڑ دوں گا۔ محمد فاضل نے رات میرے پاس آکر اپنا رونا دیا اور از حد زاری اور الحاح کیا میں نے کہا وہ بادشاہ سے ہرگز ملاقات نہیں کر سکے گا اور یہ جھگڑا کھڑا نہیں کر سکے گا۔ صبح کو وہ بادشاہ کے دربار میں حاضر کیے اور وہ سے نکلا راستہ میں اسے سوار ملے اور کہا کہ بادشاہ کا حکم ہے کہ اسی وقت کوچ کر جائے۔ اس نے کہا میں چاہتا ہوں کہ بادشاہ سے بالمشافہ رخصت حاصل کروں اور بعض ضروری امور پیش کر دوں۔ انہوں نے کہا نہیں۔ اسی وقت تمہیں کوچ کر جانا چاہیے۔ انہوں نے زبردستی اسے شہر سے باہر نکال دیا اور اسی مہم میں جان جاں آفری کے سپرد کر دی۔ جھگڑا کرنے کی اسے فرصت بھی نہ ملی۔

راقم حروف رشاہ دلی اللہ کہتا ہے کہ یہ بات بھی عجیب اتفاقات سے ہے کہ حضرت والد کچھ عرصہ کے لئے سیر کو گئے۔ اس فرصت میں محمد فاضل حضرت والد کی طویل محبت اور عظیم کرامات کے مشاہدہ کے باوجود فساق کی مجلس میں پڑ کر شراب نوشی میں مبتلا ہو گیا۔ جب

حضرت والا اس سفر سے واپس آئے اور قیصرہ سنا تو سخت ناراض ہوئے۔ محفل شراب میں بوتلیں توڑ دی گئیں اور صراحیوں اور ندھی ہو گئیں اور اس پر زبردست ہیبت طاری ہو گئی۔ دوبارہ اس نے ہلکی توبہ کسلی اور اولئك لا یشتقی جلیسہد کا مفہوم ظاہر ہو گیا۔

فرماتے تھے شروع شروع میں میں جس کو بھی قبول کی نظر سے دیکھتا وہ میرا فریختہ ہوجاتا۔ اس وجہ سے میں کسی کی طرف التفات نہیں کرتا تھا۔ اور تنہا محمد فاضل کے بالا خانہ میں رہتا تھا اور باہر آمد و رفت کے وقت چہرہ پر چادر ڈال لیتا تھا۔ اتفاقاً ایک روز ہدایت الشریک محمد فاضل کے گھر شنتہ داری کے سبب آیا میرا اس کے ساتھ آنا سامنا ہو گیا۔ وہ مجھ پر فریختہ ہو گیا اور بیعت کی درخواست کی میں نے سن رکھا تھا کہ اس کا ربط ایک بزرگ متوکل نقشبندی کے ساتھ ہے میں نے کہا بات ایک ہی ہے اور فقرا ایک جسم کی مانند ہیں اس بزرگ کا حق مقدم ہے اس کے ساتھ بیعت کرو۔ اس نے مکرر مطالبہ کیا اور اس کی محبت بہت زیادہ ہو گئی آخر کار اس کی بیعت میں نے قبول کسلی اور کہا کہ اس بزرگ کی خدمت ترک نہ کیجئے۔ اس کے بعد اس بزرگ کو اطلاع ملی تو ناراض ہوئے اور ہدایت الشریک کے ذریعہ کہلا بھیجا کہ ابھی تم جوان ہو۔ ابھی تمہیں حصول طریقت کی کوشش کرنی چاہیے۔ میں نے کہا یہ خدا تعالیٰ کا فضل اور انعام ہے کبریا پر موقوف نہیں ہے پھر انہوں نے کہلا بھیجا کہ میں اس زیادتی کا انتقام لوں گا محتاط رہو۔ میں نے کہا لا یحییق المکر السیئی الا باہلہ جو کچھ چاہو کر کے دیکھ لو۔ وہ تمہارے ہی لئے نقصان دہ ہوگا۔ انہوں نے مجھے تکلیف پہنچانے پر کمر بستہ باندھی میں نے بھی مدافعت کی معاملہ یہاں تک پہنچا کہ اس بزرگ پر یہ بات ظاہر ہوئی کہ اس کے سینہ میں خنجر مارا گیا ہے اور موت حاضر ہو گئی ہے۔ آدمی رات کو اس نے ہدایت الشریک کو بلا یا۔ استغفار کی اور نیاز مندی کا اظہار کیا اور کہا مجھے یقین ہو گیا ہے کہ میری جان نہیں بچ سکتی لیکن میرے ایمان کا قصد نہ کریں میں نے کہا اگر تم اپنا کی ابتداء نہ کرتے تو معاملہ یہاں تک نہ پہنچتا الحمد للہ تمہارے ایمان کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا۔ اسی رات عالم باقی کو سدھا رنگئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

فرماتے تھے اورنگ زیب بادشاہ نے کسی سبب سے ہدایت الشریک کو اس کے منصب سے برطرف کر دیا۔ وہ اس سبب سے بہت غمگین اور شکستہ خاطر میرے پاس آیا۔ قلت مال اور کثرت عیال کو بیان کیا اور از حد اصرار اور گریہ زاری کی یہاں تک کہ میرا دل پورے طور پر اس کے حال کی طرف

متوجہ ہو گیا۔ پہلے مجھ پر اس طرح ظاہر کیا گیا کہ قضاۃ مبرم ہے۔ میں نے بہت التجا اور نیاز مندی کا اظہار کیا اور میری توجہ اس حد تک متعلق ہو گئی کہ اگر یہ کام حسب منشا نہیں ہوتا تو صوفیوں کا لباس اتار پھینکوں گا۔ اور پھر کبھی بھی اسے نہیں پہنوں گا۔ اس حال میں حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے میری دعا کو قبول فرمایا۔ اور مجھے بتایا گیا کہ باوجود اس مضبوط اور پختہ انتظام کے ہم نے اس منصب کو بحال رکھا۔ میں نے دعا کی کہ خداوند اس قدر منصب تو اس کا پہلے ہی تھا میری نیاز مندی اور زاری کا پھل کیا ہو گا۔ مجھے بتایا گیا کہ ہم نے اس قدر اضافہ کر دیا ہے۔ ہم نے علی الصبح اسے خوش خبری سنائی۔ بادشاہ نے بغیر کسی سبب کے اسے بلایا اور کہا کہ ہم نے فلاں کا تصور مخاف کر دیا۔ اور اس کا منصب بحال کر دیا ہے اور اس قدر اضافہ بھی کر دیا ہے۔ اس کے حاسدوں نے ہر چند کوشش کی مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ راقم حروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ اولیاء سے اس قسم کے بہت سے واقعات نقل کئے گئے ہیں۔ ان کی تاویلات ہیں۔ جسے ہم نے فیوض الحرمین میں تفصیل سے لکھا ہے۔

” فرماتے تھے ہدایت اللہ بیگ نے تجارت کے لئے چند اونٹ خریدے ہیں نے کہا ان میں سے ایک مرجائے گا لیکن مجھے اختیار دیا گیا ہے۔ ان میں سے جسے چاہوں موت کے لئے متعین کر دوں میں نے ان میں سے سب سے زیادہ کمزور کو مقرر کیا۔ بشرطیکہ اسے سب کئے آخر تک اپنے پاس محفوظ رکھے اس نے تمام اونٹ فروخت کر دیئے اور اسے بھی آخر میں بیچ دیا لیکن خریدار اسے واپس کر گیا اور اس کے پاس وہ مر گیا۔“

حضرت والد ماجد بارہہ کے بعض قصبات میں آئے ہوئے تھے۔ لوگ ایک بیمار کا قارورہ لانے فی الفور آپ نے نسخہ تجویز کر دیا۔ اس مجلس میں ایک ہندو طبیب موجود تھا۔ اس نے کہا۔

حضرت دالا! اس بیمار کی بیماری بھی معلوم کی ہے یا نہیں۔ مسکرائے اور فرمایا یہ قارورہ ایک عورت کا ہے جس کا یہ نام ہے۔ اس کے ہاتھ ایسے ہیں۔ اخلاق اس طرح کے اور اس بیماری کا سبب یہ ہے اور وہ ایسی چیز تھی جسے بیان کرنے سے شرماتی تھی۔ بلکہ اس کے تمام افعال و اعمال معلوم ہیں۔ اس نے کہا حضرت! یہ مسئلہ طب میں کہاں لکھا ہوا ہے۔ فرمایا یہ طب میں نہیں۔ بلکہ محدثوں کی سچی فراست ہے۔ اولماتال۔

فرماتے تھے مجھے دکھا یا گیا کہ پھلت میں آگ لگ گئی ہے۔ میں نے اس وقت باطنی طور پر

مخلصین کے گھروں کے ارد گرد لیکر کھینچ دی اور خوش خبری دی کہ فلاں جگہ سے فلاں جگہ تک محفوظ رہیں گے کچھ عرصہ بعد قصبہ میں آگ لگ گئی اور بعض لوگوں کے گھر جل گئے منافقین نے اسے محسوس نہ کیا۔ میں نے کہا ذرا سوچو کہ یہ میری حد بندی سے خارج تھے یا اس میں داخل تھے جب انہوں نے سوچا تو وہ میری حد بندی سے باہر نکلے اور مکھاس کرنے والوں کے منہ بند ہو گئے۔

فرماتے تھے قصبہ پھلت کے دشمنوں نے جمع ہو کر اس علاقہ کے رؤسا کو بتایا کہ ان لوگوں کی زمین اس مقدار سے زیادہ ہے جس کا فرمان میں حکم ہوا ہے۔ رؤسا نے لوگوں کو پیمائش کے لئے مقرر کر دیا۔ پھلت والوں کو اس سے پریشانی ہوئی اور مجھ سے درخواست کی اور کہا جب پیمائش کرنے والا دشمن ہو تو کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی میں نے انہیں تسلی دی میں پیمائش کے روزانہ کے ساتھ رہا تھوڑی سی توجہ ڈالی اور کہا پیمائش کرو جس قدر کھیت پیمائش کئے کم نکلے پھلت والوں نے پھر التجا کی کہ اگر تمام کھیت پیمائش میں کم نکلیں تو پیمائش کرنے والوں کو متہم کریں گے اور جھگڑا ختم نہیں ہوگا بعض کم اور بعض زیادہ اور بعض برابر ہونے چاہیے تاکہ مجموعی طور پر تمام برابر ہوں۔ میں نے پھر توجہ کی۔ پیمائش کرنے والے نے بہت جیلے کئے مگر کوئی فائدہ نہ ہوا اور آپ کی مرضی کے برابر طے ہوا۔

فرماتے تھے کہ رستم اور اسد اللہ یہ دونوں رئیس پھلت کے لوگوں کو رنج دیتے تھے ایک مرتبہ پھلت والوں کے خلاف ایک فوج لے آئے وہ بے چین ہو گئے اور مجھ سے درخواست کی میں نے کہا تمہیں فتح حاصل ہوگی اور آریہ کریمہ کس من فستقہ قلیبلة غلبت فستقہ کثیرا باذن اللہ کا مضمون ظہور پذیر ہوا۔ اس کے بعد زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ ڈاکہ زنی فساد فی الارض اور دوسرے جرائم میں متہم ہوئے اور ان کے قریب تریں لوگوں نے اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ان کا حال بیان کیا۔ بادشاہ نے ان کے گرفتار کرنے اور بیڑیاں پہنا کر حاضر کرنے کا حکم دیا۔ حاکم نے ہوشیاری سے انہیں قید کر لیا اور شکر میں بھیج دیا اور وہاں ہی مڑ گئے۔

فرمایا میں پھلت میں تھا میں علی الصباح دہلی جانا چاہتا تھا میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ ایک بزرگ آپ کی بیعت کے لئے دور سے آرہے ہیں۔ عشا کی نماز کے بعد میں نے مسجد میں توقف کیا اور بہت دیر تک بیٹھا رہا۔ لوگ تنگ آ گئے اور کھانا ٹھنڈا ہو گیا حقائق و معارف اکاہ شیخ محمد نے کہا ہمیں اب آرام کرنا چاہیے۔ اگر وہ بزرگ آئے تو دوبارہ گھر سے باہر آجائیں گے کوئی مضائقہ

نہیں میں نے کہا نہیں۔ میں توجیب تک وہ نہ آجائیں اسی جگہ بیٹھا رہوں گا جب آدمی رات گزر گئی گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز آئی۔ میں نے کہا یہ دیکھئے۔ وہ شخص آگیا اس کے بعد اس شخص نے آکر بیعت کی اور کہا دن کے آخری حصہ میں پہنچنے کا ارادہ تھا مگر انتظام نہ ہو سکا جب رات ہو گئی تو جلدی چلا اور میری آرزو تھی کہ کاش! حضرت والا مسجد میں مل جائیں۔ اس فقیر ولی اللہ نے حضرت والا سے اجالا اور بعض دوسرے اجاب سے تفصیلاً سنا ہے کہ سید غلام محی الدین اور اس کا والد بیجا پور کی مہم میں بیمار ہو گئے۔ ان کی بیماری لمبی اور سخت ہو گئی۔ ایک روز حضرت غوث الاعظمؒ کو انہوں نے خواب میں دیکھا۔ فرمایا کہ تم اپنے شیخ کی طرف رجوع کیوں نہیں کرتے جب بیدار ہوئے تو کچھ نیاز حضرت والا کی مقرر کی اور دل سے ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ تین روز کے بعد اس نے خواب میں دیکھا کہ حضرت والا تشریف لائے ہیں اور اس کے نزدیک بیٹھے ہیں صحت کی خوش خبری دی اور فرمایا کہ ساتویں روز قلعہ بیجا پور مورچہ غازی الدین خان کی طرف سے فتح ہو جائے گا۔ اگر شکر خان جس کے ہمراہ تم ہو اس کی موافقت کرے تو یہ فتح اس کے نام ہوگی۔ اور اس کی جمعیت کا باعث ہوگی۔ اس کے بعد اسے سفید چادر پہنائی اور چلے گئے۔ علی الصبح اس کا والد فوت ہو گیا اور وہ صحت یاب ہو گیا۔ لشکر خان کو تمام صورت حال سے مطلع کیا اس نے غازی الدین کا ساتھ دیا۔ اور اسی روز فتح حاصل ہو گئی اور اس کی جمعیت کا سبب بنی۔ حضرت والا نے ان کی بیماری صحت و وفات فتح اور رفاقت کا تمام حال دوستوں میں بیان فرمایا۔ مدت کے بعد خط پہنچا جو حضرت والا کی فرمائی ہوئی باتوں کے موافق تھا۔

فرماتے تھے اسد علی کا اپنے بعض شرکاء کے ساتھ جھگڑا ہو گیا۔ وہ جمع ہو گئے اور چاہا کہ اسے ہلاک کر دیں۔ وہ میرے پاس آیا اور بہت گریہ زاری کی میں اس کے حال کی طرف متوجہ ہوا۔ میں نے کہا جاؤ۔ ثابت قدم رہو اور کسی شخص سے مت ڈرو۔ اس کے شرکار ہزاروں کی تعداد میں اس پر حملہ آور ہوئے۔ اس کے صرف بیس ساتھی تھے۔ آخر کار انہوں نے میری شکل دیکھی کہ نہیں ثابت قدم رہنے کی تلقین کر رہی تھی۔ اس نے بندوق چلا دی جو دشمن کے گھوڑے کو لگی۔ وہ گر پڑا۔ دشمن مرعوب اور ذلیل ہو کر بھاگ گئے۔

فرماتے تھے محمد قلی اور زنگ زیر کے لشکر میں گیا ہوا تھا۔ اس کو گئے ہوئے بہت دیر ہو گئی۔



اور کوئی خبر نہ آئی۔ اس کا بھائی محمد سلطان بہت غمگین ہوا۔ اس نے مجھ سے التجا کی میں نے بہت توہ کی لشکر میں ایک ایک خیمہ میں جا کر دیکھا لیکن مجھے نہ ملا۔ میں نے اسے مردوں میں تلاش کیا۔ نہ ملا۔ میں نے لشکر میں اردگرد نظر ڈالی۔ میں نے دیکھا کہ وہ بیماری سے صحتیاب ہوا ہے۔ غسل کر کے شادی رنگ کپڑا پہن کر کرسی پر بیٹھا ہوا ہے اور آنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ میں نے اس کے بھائی کو بتایا۔ وہ دو تین ماہ بعد آیا اور اسی تفصیل سے قصہ بیان کیا۔ راقم الحروف رولی لکھتا کہتا ہے کہ خواجہ محمد سلطان نے ایک گھوڑا خریدا تھا اس نے اسے حضرت دلا کو دکھایا۔ آپ نے اسے علیحدگی میں طلب فرمایا۔ اور کہا اور یہ فقیر بھی وہاں موجود تھا فرمایا گھوڑا اچھا ہے لیکن اس کی عمر کم ہے۔ اس کی ایک لٹا کی بیوی تھی جس کی بد خوئی اور بد زبانی سے تنگ آیا ہوا تھا۔ درخواست کی کہ اگر وہ عورت اس گھوڑے پر قربان ہو جائے تو کیا حرج ہے۔ آپ مسکرائے اور فرمایا۔ ایسا ہی ہو گا۔ تین ماہ بھی نہیں گزرے تھے کہ اس کی عورت مر گئی۔ گھوڑا بیچ کر اس نے نفع کمایا۔ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے میرے سامنے کچھ روپے پیش کئے اور کہا کہ یہ میری نیاز ہے۔ جب میں نے ان روپوں کو دیکھا تو مجھے ان میں تاریکی دکھائی دی۔ بظاہر مال زکوٰۃ ہے اس کے بعد معلوم ہوا کہ ایسا ہی تھا۔

فرماتے تھے اگر آباد میں میرے والد علیہ الرحمۃ ایک جوہلی میں ٹھہرے ہوئے تھے کم و بیش ایک ہفتہ تک بارش ہوتی رہی۔ وہ بیماریا تھے۔ ہلنے کی طاقت بھی نہیں تھی۔ اس جگہ مجھ پر ظاہر ہوا کہ یہ جوہلی گری اور اس کے ساکنین کو بڑا نقصان پہنچے گا۔ میں اسی وقت باہر نکلا۔ مکان تلاش کرتا رہا کسی جگہ بھی کرایہ پر مکان نہ ملا۔ کیونکہ بادشاہ کا لشکر اترا ہوا تھا۔ تمام جگہ کی جوہلیاں بھری ہوئی تھیں۔ بڑی جستجو کے بعد ایک غیر آباد قلعہ مل گیا جو خالی تھا۔ اہل شہر سے اس کے مالک کا پتہ پوچھا اور اس کے غیر آباد رہنے کا سبب دریافت کیا۔ لوگوں نے کہا یہ مکان ایک ہندو کی ملکیت ہے۔ یہاں ایک جادوگر جوگی رہتا ہے جو شخص یہاں سکونت اختیار کرتا ہے وہ اسے تکلیف پہنچاتا ہے۔ میں نے کہا کوئی خوف نہیں۔ گھوڑے سے کرایہ میں میں نے اسے لیا۔ سرکنڈے لا کر اسی وقت چھپر ڈال لیا اور تمام ساز و سامان وہاں لے آئے۔ اسی روز کوئی اور اس جوہلی میں داخل ہوا۔ گھر کی چھت گر پڑی۔ اس کے گھوڑے ہلاک ہو گئے۔ اس کے بعد وہ جوگی ظاہر ہوا۔

اس نے کہا اس جگہ زندہ جوگی دفن ہوتے ہیں۔ اس جگہ رہنا مناسب نہیں ہے۔ میں نے پوچھا کہ وہ کہاں دفن ہوتے ہیں۔ اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔ میں نے کہا ہم یہاں بیت الخلا بنائیں گے وہ چلا گیا اور جا کر اس نے جادو کیا۔ اس جادو کا تمام نقصان اسے پہنچا۔ چنانچہ ایک روز وہ میرے والد ماجد کی خدمت میں آیا اور کہا کہ تمہارا لڑکا مجھے دکھ دیتا ہے۔ انہوں نے مجھے نصیحت فرمائی۔ میں نے کہا۔ پہلے اس سے پوچھئے کہ میں نے اسے کیا دکھ دیا ہے۔ گالیاں دی ہیں خود ہاتھ سے مارا ہے یا کسی سے پٹوایا ہے۔ انہوں نے پوچھا تو اس نے کہا اس میں سے کوئی چیز بھی نہیں بلکہ ہمارے جن سے ہمیں مرنا رہا ہے۔

فرماتے تھے کہ دولت آباد کے نواح کا ایک سید اپنے بھائیوں کی ایک جماعت کے ساتھ سفر میں تھا۔ ایک روز قضاے حاجت کے لئے ایک پرانی عمارت میں گیا۔ وہاں اسے پرپاں نظر آئیں۔ ان میں سے ایک پری اس سے لپٹ گئی اور اس پر فریفتہ ہو گئی۔ وقتاً فوقتاً اس کے لئے متمثل ہوتی اور بیمار سے بیمار تر ہوتے رہے۔ ہر چند اس نے اسے دور کرنے کی کوشش کی مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ آخر کار نوکری چھوڑ کر میری طرف روانہ ہو گیا۔ اس سفر میں بھی وہ پری روزانہ اس کے پاس آتی رہی جب فرید آباد میں پہنچا تو وہ پری حاضر ہوئی اور مجھے رخصت کیا کہ اب میں تجھے نہیں مل سکتی جب یہاں پہنچ گیا تو روز بروز اچھا ہوتا گیا اور وہ بیماری بغیر کسی علاج یا تعویذ کے بالکل جاتی رہی۔ فرماتے تھے ایک شخص کو جن تکلیف پہنچاتا تھا۔ اس کے گھر والوں نے میری طرف رجوع کیا میں نے کہا کہ اس کے پاس میرا پیغام پہنچا دو کہ فلاں کہتا ہے کہ اس جگہ سے دور ہو جاؤ۔ ورنہ تمہیں تکلیف پہنچے گی۔ انہوں نے پیغام پہنچا دیا۔ مگر وہ نہ گیا میں نے کہا تم نے میرا نام اس طرح تفصیل سے نہیں لیا کہ دوسرے ناموں سے ممتاز ہو جائے۔ دوبارہ جا کر اسے اس طریق سے کہو۔ انہوں نے جا کر اسی طریق سے کہا۔ اس کے بعد اس نے کوئی تکلیف نہیں پہنچائی۔ اوکا نکل۔ فرماتے تھے اس محلہ والوں نے ایک مرتبہ مجھ پر جادو کر دیا۔ رات کے وقت میں بیت الخلاء میں گیا۔ ایک جوگی کی صورت ظاہر ہوئی۔ میں اس کی طرف متوجہ ہوا۔ اور جوتا مارا جس سے وہ دھواں ہو کر فنا ہو گیا۔ فرماتے تھے۔ دوسری مرتبہ انہوں نے جادو کیا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک آتشیں شخص متمثل ہوا جو آتشیں نیزہ پکڑے آتشیں گھوڑے پر سوار تھا۔ مجھ پر حملہ

کر رہا ہے۔ خواب میں ہی میں نے چھری لے کر اس پر قرآن کی سورۃ پڑھ کر کھونک ماری۔ اور اس کو مارا جس سے وہ سوار نیزہ اور گھوڑا کو تلہ ہو کر گر پڑے۔ گرتے وقت اس نے کہا میں تمہارے عمل کے اثر سے نہیں گرا۔ علی الصبح میں یہ واقعہ محذومی شیخ ابوالرضا محمد کی خدمت میں بیان کر رہا تھا۔ اس وقت ایک بلی کا بچہ میرے سامنے آیا۔ میں نے اس پر ہاتھ رکھا۔ وہ اپنی جگہ سے کودا۔ اس کے منہ سے خون نکلا اور وہ مر گیا۔

فرماتے تھے دوسری مرتبہ مجھ پر جادو کیا تو میں بیمار ہو گیا۔ میں جس قدر علاج کرتا کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔ میں نے ایک بزرگ کو خواب میں دیکھا۔ راقم کا گمان ہے کہ خواجہ قطب الدین ہوں گے فرماتے تھے تم پر جادو کیا گیا ہے۔ فلاں فلاں آیت پڑھو۔

فرماتے تھے ایک بار مجھ پر تہمت لگائی اور قاضی کے پاس دعویٰ کر دیا۔ میں بھی حاضر ہوا۔ گواہوں کے منہ سیاہ ہو گئے اور زبانیں سُرخ ہو گئیں۔ تمام لوگوں نے انہیں دیکھا قاضی نے چاہا کہ انکی تشبیہ کیے ہیں کہا۔ یہی مقدار جو ظاہر ہوئی ہے۔ کافی ہے۔ اس فقیر نے حضرت والا سے اجالا اور بعض اجاب سے تفصیلاً سنا ہے کہ جس وقت اوزنگ زیب حسن ابدل کی طرف روانہ ہوا ہے۔ اور افغانوں نے بغاوت کر دی۔ ہر چند اس نے کوشش کی مگر کوئی فائدہ نہ ہوا حضرت والا کے بعض مخلصین نے اس کے متعلق استدعا کی جب متوجہ ہوئے تو فرمایا ایک پیر مرد کی صورت ظاہر ہوتی ہے جو دعا کرنے سے منع کرتی ہے۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ وہ شیخ بزرگوار حضرت شیخ آدم بنوری کے خلیفہ حاجی یار محمد نے افغانوں کی مدد پر کمر بہت باندھ رکھی تھی جب اوزنگ زیب فوت ہو گیا اور اس کی اولاد آپس میں جنگ کرنے لگی بعض دوستوں نے پوچھا کہ فتح کس کی ہوگی فرمایا سات ہندو قیس اعظم کی طرف اٹھی ہوئی ہیں۔ کیسے بچ سکے گا۔ جلد ہی اسی طرح ظہور پذیر ہوا۔ جب محزالدین تخت پر بیٹھا اور فرخ سیر نے یورپ کی طرف سے خروج کیا وہ بہت متفکر ہوا اور دشمنوں کی خدمت میں جاتا اور فتح کی خوش خبری کی درخواست کرتا۔ کسی نے حضرت والا کی خدمت میں عرض کی کہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہے۔ فرمایا اس کا آنا مناسب نہیں ہے کیونکہ اگر میں نے سچ کہا تو ناراض ہوگا اور اگر جھوٹ بولوں تو فقرا کے لئے جھوٹ بولنا اور دھوکا دینا مناسب نہیں۔ جب فرخ سیر اور عبداللہ خاں کی آپس میں پرخاش ہو گئی۔ اس کا کچھ حصہ حضرت والا کی خدمت

میں مذکور ہوا۔ آپ نے فرمایا میں نے عالم مثال میں دیکھا ہے کہ لوگ فرخ سیر کے تخت کو الٹ دینا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا اسے میری خاطر چھوڑ دو۔ کیونکہ فرخ سیر کی کوئی زیادہ وقت نہیں گزرا پس فرخ سیر حضرت والا کی وفات سے پچاس روز بعد گرفتار ہو گیا۔

حضرت والا فرماتے تھے کہ میرا بیٹا صلاح الدین بیمار ہو گیا اور اس کی زندگی کی امید جاتی رہی۔ میں نے قبر کھودنے اور کفن خریدنے کا حکم دیا۔ میرے دل میں جوش پیدا ہوا اور گوشہ میں جا بیٹھا اور گڑ گڑا کر دعا کی۔ فرشتہ حاضر ہوا اور اس کی زندگی اور صحت کی بشارت دی۔ اسی وقت اسے چھینک آئی اور اس کی زندگی لوٹ آئی۔ راقم الحروف اس قصہ میں خود حاضر تھا۔ حضرت والا کی عمر ساٹھ کی ہوگی۔ تو ان پر منکشف ہوا کہ ان کی تقدیر میں ایک اور بیٹا دیا جانا ہے۔ اور بعض خاص دوستوں کی زبانی سنا گیا ہے کہ وہ مولود فلان فلان مقام پر پہنچے گا۔ اس کے دل میں دوسری شادی کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ جب مخدومی حضرت شیخ محمد نے یہ ماجرا سنا تو ان کی خواہش ہوئی کہ یہ فرزند ان کی جگر گوشہ سے ہو۔ اس فقیر نے بعض ثقہ لوگوں سے سنا ہے کہ جب شادی ہو گئی تو بعض منافقین نے کہا کہ اس عمر میں شادی کرنا مناسب نہیں ہوتا۔ حضرت والا نے اس بات کو سنا اور فرمایا میری کافی عمر باقی ہے اور میرے فرزند پیدا ہوں گے اس کے بعد تیرہ سال زندہ رہے اور دو فرزند پیدا ہوئے۔ فقیر ابھی پیدا نہیں ہوا تھا کہ ایک رات حضرت والا نماز تہجد گزار رہے تھے اور فقیر کی والدہ بھی وہاں قریب ہی تہجد کی نماز پڑھ رہی تھیں۔ نماز سے فراغت کے بعد حضرت والد ماجد نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ میری والدہ آمین کہتی تھیں۔ ان کے درمیان دو ہاتھ ظاہر اور دو ہاتھ حضرت والا نے فرمایا کہ یہ دو ہاتھ ہمارے فرزند کے ہیں جو پیدا ہوگا۔ ہمارے ساتھ دعا کرتا ہے۔ اس کے بعد یہ فقیر پیدا ہوا اور سات سال کے بعد نماز تہجد میں والدین کے ساتھ شریک ہوا اور اسی طریق پر ان کے درمیان ہاتھ اٹھائے

هٰذ ا تاویل رو یای من قبل قد جعلہا ربی حقاً۔

نیز یہ فقیر بھی اپنی ماں کے پیٹ میں جنین کی صورت میں تھا۔ حضرت والا نے ایک بھکارن کو فی سبیل اللہ نصف روٹی دی۔ پھر اسے دوبارہ بلا کر نصف دوسری بھی دی اور کہا یہ بچہ جو ابھی جنین ہے۔ کہتا ہے کہ خدا کی راہ میں پوری روٹی دینی چاہیے۔

ایک روز جب یہ فقیر بہت ہی کم عمر تھا اسے اہل اللہ کے نام سے مکرر پکارا کسی شخص نے اس بات کے راز کے متعلق سوال کیا۔ فرمایا اہل اللہ اس کا بھائی ہے جو عنقریب پیدا ہوگا۔ میری زبان اسے پکارتے لگی۔ حضرت والا خلوت و جلوت میں بہت دفعہ ایسا ہوتا کہ اس فقیر کی طرف متوجہ ہوتے مہربانی فرماتے خوش و مسرت سے جھوم اٹھتے۔ اور فرماتے میرے دل میں خیال آتا ہے کہ میں یکدم تمام علوم تیرے دل میں انڈیل دوں۔ پھر کئی دنوں کے بعد جوش مارتے اور یہی بات کہتے۔ علیٰ ہذا القیاس کئی مرتبہ فرماتے رہے یہاں تک کہ آپ کی باتوں کا اثر مجھ میں ظاہر ہوا اگر نہ اس فقیر نے علوم کے حاصل کرنے میں زیادہ محنت نہیں اٹھائی۔

یہ فقیر زمانہ طفولیت میں اجاب اور رشتہ داروں کی موافقت میں ایک باغ کی سیر کو گیا۔ جب واپس آیا حضرت والد نے فرمایا اسے فلاں اس دن رات میں تو نے کیا حاصل کیا جو تیرے لئے باقی رہے۔ یہ دیکھو ہم نے اس مدت میں اس قدر درود شریف پڑھ لیا ہے محض یہ بات سننے سے فقیر کے دل سے باغات کی سیر کا شوق ختم ہو گیا۔ پھر کبھی ایسا خیال پیدا نہیں ہوا۔

حضرت والا کو سوال کے مہینہ میں سخت بیماری لاحق ہو گئی جس سے زندگی کی امید جاتی رہی ان دنوں اس فقیر کو خلوت میں فرمایا کہ وہ حضرت والا کی طرف اپنے دل کی توجہ رکھے اور فرمایا کہ تین ماہ تک اس کی پابندی کنی چاہیے۔ اس وقت تین ماہ کی قید سمجھ میں نہ آئی جب شفایاب ہو گئے اور غسل صحت کر لیا اور تین ماہ کے بعد پھر مرض لوٹ آیا اور بارہ صفر وفات پائی تو اس وقت معلوم ہوا کہ اس میں کیا نکتہ تھا۔

حضرت والا اپنی آخری عمر میں جب صاحب فراش ہو گئے تو اس فقیر کو فرماتے تھے کہ دروات اور قلم میرے پاس لاؤ میں چاہتا ہوں کہ اپنے خاص معارف تحریر کروں۔ اس فقیر نے کئی مرتبہ حاضر کیں مگر لکھنے کی طاقت نہیں تھی اور نہ ہی لکھوا سکتے تھے۔ حضرت والا کی وفات کے بعد میرے دل میں حضرت والا کے حالات لکھنے کا خیال پیدا ہوا اور اکثر اوقات یہ تمام واقعات اس طرح میرے دل میں آئے گویا یہ سب میرے سامنے ہوتے ہیں۔ ان دنوں میں نے چند بار خواب میں دیکھا گویا ان کلمات کو حضرت والا کے سامنے پڑھ رہا ہوں اور آپ بڑی توجہ سے سن رہے ہیں یہاں تک کہ تمام مسودات ان کے سامنے پڑھے اور مضبوط کئے گئے اور اس فقیر کا خیال یہ ہے کہ جس چیز کے

لکھوانے کا ارادہ تھا اس سے کوئی چیز کم نہیں ہوئی۔ واللہ اعلم۔

ایک روز اپنے آخری ایام میں اس فقیر اور محمد عاشق کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ ان کی یہ دوستی میری خوشی و مسرت کا باعث ہوتی ہے۔ اس بات کا راز بعد میں ظاہر ہوا کہ اس عزیز نے اس فقیر سے بیعت کی اور نفع حاصل کیا اور امید ہے کہ یہ دوستی بڑی مفید ہوگی۔ غالباً اگر کوئی شخص صحیح عقائد کے ساتھ حضرت والا کی مجلس میں بیٹھتا تو اس میں عجیب اثر سرایت کر جاتا تھا۔ محمد قلی بے توہمی کے باوجود جو سپاہیوں کا شیوہ ہے اس قدر مغلوب ہو جاتا کہ بے ہوش ہو جاتا تھا اور جب زیادہ مغلوب ہوتا تو اس کا گھوڑا بھی گر پڑتا اور زین اٹک ہو جاتا

**روحانی ٹیلیوژن | محمد فاضل کی بیٹی شریفہ نے صغیر سنی کے باوجود حضرت والا کے انعکاس کی شعاع کو اخذ کیا۔ بہت سے امور اس پر منکشف ہوتے تھے۔ ایک رات حضرت والا محمد فاضل کے گھر جا رہے تھے۔ راستہ میں ان کے ہاتھ سے تسبیح گر پڑی۔ شریفہ نے کہا میں دیکھتی ہوں کہ فلاں جگہ گری ہے شمع اٹھا کر اسی جگہ تلاش کیا تو وہ مل گئی۔ ایک روز اپنے گھر میں تھی کہنے لگی حضرت ہماری طرف تشریف لارہے ہیں اور فلاں طعام کی رغبت رکھتے ہیں۔ اس کھانے کو تیار کیا تو یہ بات ویسے ہی تھی جیسے اس نے بیان کی۔ ایک روز اپنے گھر میں تھی حضرت والا بھی وہاں تھے۔ اس نے کہا خلیفہ فتح محمد ہارے گھر کی طرف متوجہ ہوئے۔ پھر اس نے کہا راستہ میں کھڑے ہیں اور کسی کے ساتھ گفتگو کر رہے ہیں۔ وہ دھوپ میں ہیں اور وہ دوسرا شخص سایہ میں ہے پھر اس نے کہا انہوں نے تین نازکیاں خریدی ہیں دو دونوں بیٹوں کیلئے اور ایک حضرت والا کیلئے۔ پھر اس نے کہا۔ اسکی نیت تبدیل ہوگئی۔ دو حضرت والا کیلئے اور ایک دونوں لڑکوں کیلئے مقرر کیا۔ پھر اس نے کہا یہ لیجنے دروازہ پر کھڑا ہے۔ دریافت کیا تو بلا کم و کاست اسی طرح تھا جیسا کہ اس نے بیان کیا۔**

اس فقیر نے شریفہ کے متعلق عجیب و غریب قصہ سنا۔ اس نے کہا میں نے حضرت والا سے درخواست کی کہ میں حضرت والا کا دل دیکھنا چاہتی ہوں۔ آپ نے فرمایا میرے سامنے بیٹھ جاؤ اور میری طرف متوجہ ہو جب میں متوجہ ہوا تو مجھ پر غیبیوت طاری ہوئی۔ اس غیبیوت میں میں نے دیکھا کہ گویا میں حضرت والا کے حلق میں داخل ہو گئی ہوں اور حضرت والا کا دل آئینہ کی مانند ظاہر ہوا جس کی لمبائی ایک ہاتھ اور چوڑائی ایک بالشت ہے اور اس آئینہ میں اسم ذات

چراغ کے شعلہ کے رنگ میں ظاہر ہوتا ہے۔ میں انتہائی محبت کی وجہ سے اس شعلہ کو منہ میں لے لیا اور نگل گئی اسی وقت حضرت والا بے قرار ہو گئے اور بے ہوش ہو کر گر پڑے جب افاقہ ہوا فرمایا جب تو نے میرے دل کے لطیفہ کو نگل گئی تو میں بے طاقت ہو گیا۔

اس فقیر نے شیخ فقیر اللہ سے سنا ہے کہ جب حضرت والا کی والدہ فوت ہوئیں تو بہت غمگین ہوئے۔ اس غم و اندوہ میں خود کو جنوع فرزع سے روکے ہوئے تھے رات وہاں سوئے ہوئے تھے اور میں آپ کے پاؤں دبا رہا تھا میں نے ظاہری آنکھوں سے ایک نور محسوس کیا جو ظاہر ہوا اور حضرت والا کے جسم مبارک کو گھیر لیا خصوصاً آپ کے سینہ چہرہ اور منہ کو۔ جب بیدار ہوئے تو میں نے اسے بیان کیا۔ فرمایا وہ میرے صبر کا پھل تھا۔

خلیفہ فتح محمد جو آپ کے قدیم دوستوں میں سے تھا حضرت والا جب کوئی مسئلہ کتاب سے نکالنا چاہتے اور یہ معلوم نہ ہوتا کہ وہ کتاب میں کس جگہ ہے تو وہ نسخہ ان کے ہاتھ میں دے دیتے۔ کچھ غور و فکر کے بعد کتاب کو جب کھولتے تو ایک صفحہ آگے پیچھے وہی جگہ ہوتی۔

محمد غوث پھلتی ذکر کرتے تھے کہ حضرت والا حجرہ میں تنہا سوئے ہوئے تھے میں اس وقت ان کی زیارت کے لئے آیا بعض مخلصین نے مجھے کہا کہ حجرہ کے اندر نہ جاؤ کیونکہ آپ سوئے ہوئے ہیں میں دروازہ پر ٹھہر گیا۔ اسی اثنا میں میں نے رونے کی آواز سنی میں بے طاقت ہو گیا اور بغیر اجازت کے حجرہ کے اندر قدم رکھا۔ قدم رکھتے ہی بعض مغیبات مجھ پر منکشف ہوئیں ان میں سے یہ کہ فرہاد خاں ساکن حسین پوران کی زیارت کے لئے آتا تھا جب میں حضرت والا کے نزدیک پہنچا تو آپ نے اپنے پاؤں میری طرف بڑھائے میں انہیں دبانے لگا۔ اس حالت میں میرے دل میں خیال گزرا۔ کہتے ہیں کہ اولیاء کا ایک دوسرا جمال لوگوں کی نگاہ سے پوشیدہ ہوتا ہے۔ وہ جمال کیا ہو سکتا ہے جب میں نے آنکھ اٹھائی تو میں نے دیکھا کہ چہرہ اقدس سے حجاب آہستہ آہستہ اٹھ رہا ہے گویا کہ بادل کا ٹکڑا چاند سے اٹھ رہا ہے۔ جب تھوڑی دیر تک پردہ اٹھ گیا تو اس قدر شعاعیں پھوٹیں کہ قریب تھا کہ میں سپوش ہو جاتا پھر حضرت والا اٹھے۔ اور وضو کیا میں آپ کے سامنے گیا تاکہ یہ قصہ بیان کروں۔ آپ نے اشارہ فرمایا کہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جلد ہی فرہاد خاں آیا اور آپ کی خدمت میں شرفیاب ہوا۔

حضرت والا جس میں بھی چاہتے تھے تاثیر کرتے تھے اور اسے غیبوبت اور بے خودی تک پہنچا دیتے تھے یہ واقعات حد و شمار سے باہر ہیں۔ بعض توجہات میں جماعت کثیرہ بے ہوش ہو جاتی تھی اور بعض توجہات میں اس قدر بے ہوش ہوتی کہ ان کے مرنے کا خوف ہوتا۔ آخر میں اس قسم کی توجہ سے آپ نے اعراض فرمایا اور اسے پسند نہیں کرتے تھے۔

ایک روز مستورات قصبہ پرتاب پور میں جمع ہو گئیں اور اس قسم کے تاثیر کا مطالبہ کیا۔ فقیر کی والدہ کو اس جماعت پر توجہ کا حکم فرمایا کہ فرماتے ہی عجیب تاثیر ان میں ظاہر ہوئی یہاں تک کہ اس روز جس نے بھی چاہا اسے غیبت میں پہنچا دیا۔ ان کی تعداد بیس سے زیادہ ہو گئی۔ واللہ اعلم۔ دلوں کے راز بتانے اور ان دیکھی باتوں کو منکشف کرنے کے واقعات بے شمار ہیں۔ ان کے مخلصین میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو اس قسم کی پانچ چھ کرامتیں جو اس نے دیکھی ہیں بیان نہ کرتا ہو۔ فقیر شاہ ولی اللہ کی غرض حضرت والا سے خود سنی ہوئی باتیں بیان کرتا ہے۔

وعلی تفتن و اصفیہ بوصفہ یفنی الزمان و فیہ مالم یوصف  
عمر تمام گشت و بیایا رسید عمر ماہچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

## حضرت والد ماجد کے ملفوظات

حضرت والد فرماتے تھے میں ایک مرتبہ ایک مشہور بزرگ کی ملاقات کے لئے گیا۔ انہوں نے فرمایا ایک مدت سے دو خطرات میرے دل میں کھٹکتے تھے اور ان دونوں سے اطمینان نہیں ہوتا تھا ایک یہ کہ علماء کہتے ہیں کہ رویت حق سبحانہ و تعالیٰ دنیا میں آنکھوں سے مجال ہے۔ حالانکہ ہم حق سبحانہ و تعالیٰ کو آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ ان کے قول کے مطابق آنکھوں سے دیکھی ہوئی چیز کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ پہلے صوفیاء نے بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے انہوں نے کہا ہے

دیدہ را فائدہ آنست کہ دلبر بیند ورنہ بیند چہ بود فائدہ بینائی را  
آنکھوں کا تو یہی فائدہ ہے کہ دلبر کو دیکھے۔ اگر وہ اسے نہیں دیکھتی تو بینائی کا پھر کیا فائدہ  
میں نے کہا معلوم نہیں اس شعر کے قائل کی مراد جمال حقیقی ہے یا مجازی اور پہلی کی صورت



میں تاویل کا باب کشادہ ہے۔ لیکن جو اپنے اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا ذکر کیا ہے تو یہ بصیرت کا  
بصر سے اشتباہ ہے آپ اپنی آنکھوں کو بند کیجئے۔ انہوں نے بند کر دیں۔ میں نے پوچھا اس دراک  
کا حال باقی ہے یا نہیں۔ انہوں نے کہا باقی ہے۔ میں نے کہا یہ اشتباہ کی علامت ہے۔

دوسرا خدشہ یہ ہے کہ نقشبندی کہتے ہیں کہ ہم جب سالک پر توجہ ڈالتے ہیں تو پہلی  
صحبت میں اسے غیبت اور بے خودی حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ حقیقت ثابت ہے یا نہیں  
آپ نے کبھی اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ میں نے کہا ہاں ثابت ہے۔ اس قسم کی بہت سی باتیں  
میں نے دیکھی ہیں۔ بلکہ اس قسم کی تاثیرات مجھ سے بہت ظہور پذیر ہوئی ہیں۔ کہنے لگے آپ نے  
سچ کہا ہے مگر میری تسلی نہیں ہوتی۔ اس جگہ ان کے رشتہ داروں میں سے ایک شخص پر میں نے  
توجہ ڈالی جو میرے سامنے بیٹھا ہوا تھا وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ انہیں شک پڑ گیا کہ بمرگی کا دورہ  
ہے یا وہ بے ہوش ہو گیا ہے۔ میں نے کہا ان میں سے کچھ بھی نہیں۔ میں نے تاثیر کی ہے جب  
شخص ہوش میں آیا اس سے انہوں نے پوچھا کہ تجھے کیا ہوا کہ تو بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ اس نے کہا میں  
اس سے زیادہ نہیں جانتا کہ ان کی محض توجہ کرنے سے ایک نور ان سے نکلا اور مجھ میں داخل ہو  
گیا اور میرے ہوش جاتے رہے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے عین الیقین حاصل ہوا۔ لیکن ابھی حق الیقین  
نہیں۔ میں نے کہا آپ صاحب ارشاد بزرگ ہیں۔ اور ہر طریق کی ایک خاص تاثیر ہے۔ یہ صحت  
نہیں ہے۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ مکہ معظمہ میں یہ فقیر آدم بنوری قدس سرہ کے متبعین میں سے ایک  
بزرگ سے مسجد حرام میں ملا جو رویت حق سبحانہ و تعالیٰ کے دنیا میں قائل تھے۔ میں نے ایک  
موقع پر یہ قصہ بیان کیا۔ انہوں نے اعتراض کیا کہ جب حق سبحانہ و تعالیٰ جہت اور مکان میں  
مقید نہیں ہے تو پھر دیکھنے والے کی آنکھ کی پلکیں آنکھ کے ڈیلے کے درمیان روک اور حجاب  
نہیں بن سکتیں۔ اس لئے آنکھیں بند کرنے کے باوجود مشاہدہ قائم رہتا ہے اور بصیرت میں  
کوئی فرق ثابت نہیں ہوتا۔ میں نے کہا حقیقت رویت عرف عام میں مکمل انکشاف ہے جو آنکھ  
کھولنے کے بعد وقوع پذیر ہوتا ہے۔ ملا جلال نے بحث رویت معاویہ میں اسے بیان کیا ہے  
پس وہ انکشاف جو آنکھیں بند کرنے اور کھولنے کے بعد یکساں محسوس ہوا ہے رویت نہیں

نہیں کہہ سکتے واللہ اعلم۔

فرماتے تھے میرے ایک ہم سبق نے مجھ سے سوال کیا کہ خدا تعالیٰ آپ کو اپنے بندوں کے ذریعہ روزی پہنچاتا ہے اور اس طرح تمام دوسرے لوگوں کو بھی۔ ہم اور آپ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ حقیقی رازق حق سبحانہ و تعالیٰ ہے۔ تو پھر فرق کیا ہوا میں نے کہا تم مخلوق کی طرف متوجہ ہو ان کیلئے متواضع ان سے تمہیں صلح ہے اور ہم خالق کی طرف متوجہ ہیں اسی سے دیکھتے اور اسی سے طلب کرتے ہیں۔ اس نے کہا فرق واضح نہیں ہوتا۔ میں نے تصرف کیا یا فرمایا بغیر تصرف کے خدا تعالیٰ نے ہر بانی ظاہر فرمائی۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ مجھے کچھ روپے انہیں ہدیہ دینا چاہیے۔ یہ خیال قوی ہوتا گیا یہاں تک کہ وہ بے اختیار ہو گیا۔ میں نے اس ہدیہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ دیکھو وہ دھوپ میں کھڑا۔ زاری اور تضرع کرتا رہا اور کہا مجھے معلوم ہے کہ اس رقم کے قبول کرنے میں میری سعادت ہے اور رد کرنے میں بدبختی۔ میں نے اسے قبول کرنے کے لئے بعض سخت شرائط عائد کیں وہ بھی اس نے خوشی خوشی پوری کر دیں۔ اس کے بعد میں نے کہا اسے میرے دروازہ کی چوکھٹ پر رکھ دو۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ وہاں سے ایک بھکان گزری تھی میں نے اسے اشارہ کیا کہ اسے اٹھالے اس کے بعد میں نے اسے کہا تمہیں کچھ معلوم ہوا کہ تمہارے امرار سے لینے اور ہمارے تم سے لینے میں کیا فرق ہے۔ اس نے کہا اب اچھی طرح واضح ہو گیا اور کوئی اشکال باقی نہیں رہا۔

فرماتے تھے مجمع عظیم تھا شہر کے تمام صوفیاء اور علماء جمع تھے۔ وہاں کسی شخص نے سوال کیا کہ خواجہ حافظ فرماتے ہیں۔

امروز چوں جمال تو ہے پردہ ظاہرست در حیرتم کہ وعدہ فردا برائے حقیقت  
اور یہ بات اس کے خلاف ہے جو کتب عقائد میں لکھی ہوتی ہے کہ رویت حق سبحانہ و دنیا میں  
ممتنع ہے ان دونوں باتوں میں منافات ہے۔ ان میں مطابقت کیسے ہوگی۔ اس مسئلہ میں بڑا منظر  
ہوا اور طویل بحث مباحثہ کی نوبت پہنچی۔ اس کے بعد انہوں نے میری طرف رجوع کیا۔ میں نے  
فریقین کو خاموش کرنے کے بعد کہا کہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ خدا تعالیٰ محتجب ہے  
محبوب نہیں ہے۔ خواجہ حافظ اپنے شوق کے تقاضا پر کہتے ہیں کہ حق سبحانہ و تعالیٰ محبوب نہیں ہے۔

اور ہمارے نزدیکہ سکنے کے علاوہ اور کوئی مانع بھی نہیں اور اسے دور کرنا بھی تیرے ہاتھ میں ہے تو پھر اس دنیا میں ہمیں اپنے جمال سے بہرہ نڈز کیوں نہیں کرتا۔ فریقین نے اسے قبول کر لیا اور کوئی شکال باقی نہ رہا۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ یہ مناظرہ یہ تھا کہ صوفیا کہتے ہیں کہ یسے پردگی سے مراد ایسا انکشاف ہے جس کے اوپر کوئی اور انکشاف نہ ہو اور اولیاء کو اس دنیا میں یہ بات حاصل ہوتی ہے اور عوام کے لئے یہ بات آخرت پر موقوف ہوتی ہے۔ علمائے اس کا انکار کیلئے ہے اور کہا ہے کہ رویت کے لئے آنکھوں کا کھلا ہوا ہونا ضروری ہے۔ حضرت والا کا ایک مخلص اور نگ زیب عالمگیر کے مقربین میں سے تھا۔ ایک روز بادشاہ نے مراقبہ کیا۔ وہ پنکھا ہلا رہا تھا۔ اسی محفل میں اس پر شغل غالب آیا اور وہ بے خود ہو گیا اور پنکھا اس کے ہاتھ سے گر پڑا۔ قریب تھا کہ بادشاہ کو نقصان پہنچتا۔ پنکھا گرنے کی آواز سے بادشاہ مراقبہ سے ہوشیار ہو گیا اور اس حرکت کی وجہ پوچھی اس نے غیبوت اور حضرت والا سے اپنی نسبت کو ظاہر کیا۔ بادشاہ کو ان کی ملاقات کا شوق ہوا۔ بادشاہ نے کہا انہیں میرے پاس لاؤ۔ اس نے عرض کی کہ ملوک و اغنیاء کے گھر جانے کا ان کے ہاں دستور نہیں ہے۔ بادشاہ نے حضرت والا کے ایک مخلص شیخ پر جو حضرت والا کے ساتھ اخلاص رکھتے تھے، بلا کر ان کے ہاتھ اپنے شوق اور استدعا، ملاقات لکھ کر بھیجا۔ حضرت والا نے قبول نہ کیا۔ شیخ نے مبالغہ کیا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ تب مایوس ہو گئے تو کہا آپ ایک خط لکھ دیجئے تاکہ یہ نہ سمجھا جائے کہ میری طرف سے کوئی ہوشیاری ہے۔ وہاں ایک حقیر کاغذ جس میں جوتے لپیٹے ہوئے تھے گرا ہوا تھا۔ اس کاغذ پر انہوں نے لکھا کہ اہل اللہ کا اس بات پر رجم ہے کہ بنس الفقیر علی باب الامیر۔ سرتبیرین فقیر وہ ہے جو میرے دروازہ پر ہوں اور حق سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے۔

وما متاع الحیوۃ الدنیا الا قلیل (دنیا کی زندگی کا تمام سامان بھی کم ہے، اس قلیل میں سے بہت ہی اقل آپ کو ملا ہے۔ اگر بالفرض اس میں سے آپ مجھے کچھ دیں گے تو وہ جز لا یتجزؤ ہوگا۔ یعنی وہ فائدہ جسے آگے تقسیم نہ کیا جاسکے۔ میں اس ذرہ حقیر کی خاطر اپنے نام کو خدا تعالیٰ کے دفتر سے کیوں کٹا دوں کیونکہ بزرگانِ چشتیہ کے بعض ملفوظات میں مذکور ہے کہ جس کا نام بادشاہ کے دفتر میں لکھا گیا۔ اس کا نام حق سبحانہ و تعالیٰ کے دفتر سے کاٹ دیتے ہیں اس خط کی

روایت بالمعنی ہے۔ اس کے الفاظ محفوظ نہیں ہیں۔ اس قدر لکھا اور بھیج دیا۔ ناقل نقل کرتا ہے کہ بادشاہ نے اس رقعہ کو اپنی جیب میں محفوظ رکھا جب نیا لباس پہنتا اس کو اس کی جیب میں محفوظ رکھتا۔ یہاں تک کہ سات لباس تبدیل کئے فرصت کے وقت اس کا مطالعہ کرتا اور روتا تھا۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ اس قسم کا قصہ بہادر شاہ کے بیٹے عظیم الشان سے بھی منقول ہے کہ اس نے عجز و انکساری اور طلب دعا پر مثل رقعہ لکھ کر بھیجا اور کہا کہ اگر آپ خواجہ معین الدین چشتی کی زیارت کے لئے تشریف لائیں اور اس بہانہ سے ہماری ملاقات ہو جائے تو اس میں کیا حرج ہے۔ فرمایا۔ ان اللہ لاینظر الی صورکم و افعالکم انما ینظر الی قلوبکم و نیتا تکم۔ میں ان امور سے فریفتہ نہیں ہوتا۔

شیخ احمد سرہندی کی اولاد میں سے شیخ نقشبند نامی ایک بزرگ نے مجمع میں کہا کہ صوفیاء کا یہ طبقہ جدید معارف نہیں رکھتا۔ ان کے پاس جو کچھ ہے وہ پہلے بزرگوں کے اقوال ہیں حضرت والا نے فرمایا ایسا نہیں ہے بلکہ اس طبقہ کے بعض لوگ خاص طور پر ایسے جدید معارف رکھتے ہیں کہ اس میں وہ کسی کے مقلد نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا تو پھر ان میں سے کچھ ہمیں بھی سنا دیجئے تاکہ اس کی حقیقت ہم پر واضح ہو جائے۔ آپ نے فرمایا۔ کلہو الناس علی قدر عقولہم کی حد مقرر ہو چکی ہے۔ اس لئے عام مجلس میں ایسے امور ظاہر نہیں کرنے چاہئیں۔ انہوں نے کہا اس مجلس میں اکثریت اہل سلوک کی ہے۔

حضرت والا نے فرمایا معرفت کے اکثر باریک نکات کے سلسلے میں بہت سے اہل اللہ عوام کا حکم رکھتے ہیں۔ جب انہوں نے بہت اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ شیخ بسطامی کا قول ہے کہ نہایت الصدیقین ہدایت الانبیاء، رکمال صدیقیت آغاز نبوت ہوتا ہے، اور اکثر اہل استقامت اسی راہ پر گامزن ہیں مگر ہماری معرفت کا کچھ اور تقاضا ہے جب حضرت والا نے بات یہاں تک پہنچائی تو شیخ نقشبند کی پیشانی پر پیل پڑ گئے اور ناگوارگی اثرات ان کے چہرے پر ظاہر ہوئے حضرت والا نے اس خیال سے کہ شاید نقشبند اس دوسرے قول کو پسند کرتے ہیں۔ کہ الولایۃ افضل من الغبوة فرمایا میرے نزدیک نہایت الصدیقین ولایت الانبیاء والامقاہ بزرخی حیثیت رکھتا ہے جسے نبی کے بغیر کوئی عبور نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد وہ

واقعہ جو پہلے مذکور ہوا کہ اس خوش اسلوبی سے بیان کیا کہ تمام اہل مجلس نے قبول کر لیا اور شیخ نفس بند  
انتہائی خوش ہو کر کہنے لگے کہ بایزید بسطامی کی بات تو روشنائی سے لکھی گئی ہے مگر آپ کا یہ نقل  
آپ زر سے لکھنے کے لائق ہے۔

مخفی نہ رہے کہ حضرت والا اکثر امور میں مذہب حنفی کے مطابق عمل کرتے تھے سوائے  
چند چیزوں کے جن میں حدیث یا وجدان کی بنا پر دوسرے مذہب کو ترجیح دیتے تھے ان  
میں سے ایک یہ ہے کہ اقتدار میں سورہ فاتحہ پڑھتے تھے اور نماز جنازہ میں بھی۔ ایک روز  
اس مسئلہ میں بھی شیخ عبدالاحد نے بحث کی اور اپنے اسلاف سے نقل کیا۔ کہا صحیح بات یہ ہے  
کہ بادشاہ کے سامنے اپنے احوال سنانے کے لئے ایک جماعت کھڑی ہو تو ادب یہ ہے کہ تمام  
لوگ اپنا کام اس کے سپرد کر دیں نہ یہ کہ ہر شخص اپنی اپنی کہے جائے حضرت والا نے فرمایا کہ یہ قیاس  
مع الفارق ہے۔ نماز میں دعا اور حضور کے ساتھ مناجات اور تہذیب نفس ہے چنانچہ حدیث  
لا صلوة لمن لم یقرء بفاتحة الكتاب اس پر دلالت کرتی ہے اور خدا تعالیٰ ایسا صحیح  
ہے کہ اگر تمام جہان ایک میدان میں کھڑے ہو جائیں۔ اور ہر شخص اپنی اپنی زبان میں کوئی چیز کہے تو  
ایک کی مناجات سننے میں دوسری مناجات نخل نہیں ہوتی۔ ہم اس بات پر آگئے کہ قوم کی قرأت بعض  
اوقات امام کے لئے غلطی کا باعث ہوتی ہے لیکن اس زمانہ میں امام زبان سے الحمد للہ کہتا ہے۔  
لیکن جو کچھ حقیقت صلوة ہے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں ہوتی۔ اس کے باوجود امام کی تشویش سے  
خبر نہ نہیں کیا جاسکتا۔ کاتب حروف ان کلمات کے ضمن میں کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول۔

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْجَمُونَ بھریہ نمازوں

میں علم قرأت پر دلالت کرتا ہے۔ اس کی تاویلات تفاسیر میں مذکور ہیں۔

ایک روز دوم حضور میں گفتگو شروع ہو گئی شیخ عبدالواحد نے کہا ہمارے  
نزدیک اس کی تعریف یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی طرف متوجہ ہو یا دانت

دل میں لائے تو بغیر کوشش کے تازہ ہو جائے۔ فرمایا یہ معمولی محنت سے حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کی  
تعریف یہ ہے کہ بصارت کی طرح بصیر میں امر غیر منفک ہو جائے کاتب حروف کہتا ہے کہ اس  
شخص کے لئے نسبت کا دوم جو بھی فانی نہیں ہوا۔ ایک قسم کا تکلف ہے اور اس شخص کی نسبت

جوفانی ہو گیا ہے اسے حضور و التفات ہے۔ اس نقطہ وجودیہ کے ساتھ جو دائم ہے بلکہ اصل تحقق ہے۔ اور فانی کو مطلق حضور جو کہ نقطہ وجودیہ بھی ہے اور التفات اجمالی ہمیشہ حاصل رہتا ہے، جیسا کہ بصر میں بصارت موجود رہتی ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ قوت بصریہ کا یکجا مجتمع رہنا۔ اور پتلیوں کی گردش سے اس کا منتشر ہونا آنکھ میں یہ دونوں امور پائے جاتے ہیں۔ گویا بصارت آنا فانا آتی بھی ہے اور جاتی بھی ہے اس تحقیق سے دونوں مشلول کی حقیقت واضح ہو گئی۔ شیخ عبدالاحد ایک روز اپنے بعض بزرگوں کے تصرفات کو ذکر کرتے تھے حاضرین نے خیال کیا کہ اس قسم کے تصرفات صرف ان ہی کے بزرگوں کا خاصہ ہے حضرت والا نے ان دوستوں کو جو اس مجلس میں حاضر تھے اشارہ کیا کہ فلاں فلاں قصہ بیان کریں جو کچھ انہوں نے حضرت والا کے تصرفات اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کئے تھے بیان کئے اور شنیدہ کے بودمانند دیدہ کا مفہوم ظاہر کر دیا اور شبہ جاتا رہا اور کوئی اشکال باقی نہ رہا۔

شیخ فقیر اللہ شیخ احمد سرمندی کی اولاد میں سے تھے۔ اور زین العابدین سے بھی ملقب اور خواجہ کلاں بن خواجہ محمد باقی باللہ کے نواسوں میں سے اپنے خاندان کے بزرگوں سے کافی فیوض حاصل کئے تھے۔ اور دہلی آئے تھے۔ اس عرصہ میں وہ خواجہ محمد باقی کے پرنوار مزار پر بیٹھے اور متوجہ ہوئے اور فیوض حاصل کرتے تھے۔ ایک روز انہیں خیال پیدا ہوا کہ نسبت اولیسیہ جو حضرت خواجہ کی روح سے حاصل ہوئی ہے جب تک ظاہری استفادہ کے ساتھ نہیں ملے گی مضبوط نہیں ہوگی۔ اس بزرگ کے معلوم کرنے کے لئے جس کے ساتھ اپنا رابطہ قائم کریں۔ انہوں نے استخارہ کیا اور حضرت خواجہ کی طرف متوجہ ہوئے حضرت خواجہ نے حضرت والا کی طرف اشارہ فرمایا اور فرمایا کہ اگر سہمی فلاں نسبت کے طالب ہو تو ان کی مجلس اختیار کرو۔ اسی بنا پر وہ حضرت والا کی خدمت میں پہنچے اسی جگہ حضرت خواجہ کا لطف و کرم ظاہر ہوا اور عجیب و غریب فیوض ظاہر ہوئے جو ان کے ابا خلیفہ سے ظاہر ہوتے ہیں جو انہوں نے حضرت والا کی خدمت میں لکھا تھا۔ اور وہ یہ ہے۔

مکتوب شیخ فقیر اللہ | احقر زین العابدین فیاض زماں قبلہ مہربان کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہے حقیقت حال یہ ہے کہ آپ کی صحبت سرمایہ سعادت کا اس قدر اشتیاق ہے کہ قلم اسے احاطہ تحریر میں لانے سے قاصر ہے۔ بے چینی و

بے قراری سے اکثر دلی میں آتا ہے کہ بہر صورت خود کو وہاں پہنچانا چاہیے اور آستانہ بوسی کا شرف حاصل کرنا چاہیے۔ مگر مجبور ہوں بشری کمزوری اسباب کا نہیں ہونا اور جسمانی کمزوریاں منزل مقصود کے لئے سدِ راہ ہیں۔ لیکن شب و روز آپ کے جمال منظر کمال پر شفیقتہ ہو کر بارگاہِ بیزدی میں سوال کرتا ہوں کہ جلدی اور خیر و خوبی سے میسر آئے۔ انہٴ قریب مجیب اللہ الحمد والمنة۔ خدا کا شکر ہے کہ باوجود اس ظاہر واری کے یہ ناکارہ آپ کے فیوض سے لبریز ہے اور اپنے روز و شب اطمینان سے گزار رہا ہے۔ سختیاں جس قدر رونا ہوتی ہیں اسی قدر ترقی کی راہیں کھلتی ہیں۔ محبوب کی ایذا رسانی جو بہت سی مصلحتوں کو متضمن ہوتی ہے۔ اہل محبت کی نظر میں پسندیدہ ہے۔ بلکہ اس کے اعانات سے زیادہ اسے لذت حاصل ہوتی ہے۔

ہجرے کہ بود مراد محبوب از وصل ہزار بار خوش تر

۱۔ وہ ہجر جو محبوب کو پسند ہے۔ وہ وصل سے ہزار بار بہتر ہے۔

اس سے پہلے بھی یہ بات روشن تھی مگر آپ کی کثیر البرکت صحبت کی برکت سے یہ دولت مکمل طور پر حاصل ہو گئی ہے۔ اسی طرح دنیا اور اہل دنیا کی بے اعتباری گھٹیاں اور ان دونوں سے بے رغبتی بھی ان دونوں زیادہ ہو چکی ہے۔ دنیوی ترقی کی باتوں سے بھی دل کو خوشی نہیں ملتی۔ فقر کی بے تعلقی اور بے سرو سامانی کی وضع مستحسن اور پسندیدہ نظر آتی ہے جس طرح اہل دولت دولت کے زوال کو ناپسند کرتے ہیں۔ احقر اس فقیرانہ وضع کے زوال کو ناپسند کرتا ہے۔ اگرچہ اس بلدہ مکرم میں اقامت کے دوران یہ کیفیت کم تھی۔ مگر فیوض و برکات حاصل کئے حد و شمار سے باہر تھے۔ ان دنوں آپ کی نسبت رابطہ سے بے اختیار مغلوب کیا ہوا ہے اکثر اوقات آپ کی صورت مبارک حاضر رہتی ہے۔ جو اس کمینہ درگاہ کو بے خود اور بے قرار کر دیتی ہے۔ اور آستانہ بوسی کا شوق اس حد تک جا پہنچا ہے کہ نہ نیند میں چین نہ بیداری میں آرام ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ تک کیسے پہنچوں۔ گرمی اور بارش کی شدت کی وجہ سے گھر سے باہر نکلنے کی جرأت نہیں کر سکتا کیونکہ ایک مرتبہ ایسا کرنے سے گرمی کی وجہ سے قریب المرگ پہنچ گیا تھا بعض دوسرے ظاہری موانعات بھی سدِ راہ ہیں۔ موسم برسات گزرنے کے بعد توقع ہے کہ اگر کوئی مانع نہ ہوا تو تنہا آستانہ بوسی کا شرف حاصل کرے گا اور اپنی استعداد کے

مطابق فیضیاب ہونگا۔ اگر آپ کی باطنی عنایات جو فی الفور پہنچتی ہیں تسلی بخش نہ ہوں تو درد شوق سے قریب تھا کہ ہلاک ہو جاتا۔ لیکن چونکہ آپ نے فرمایا ہے کہ میں تیری طرف غائبانہ متوجہ ہونگا۔ اور غائبانہ توجہ سے توفیق حاصل کرے گا۔ دل کو اس سے کچھ اطمینان حاصل ہے بلایں ہمہ شرف صحبت کا شوق ہے۔ امید رکھتا ہوں کہ جب تک پابوسی کا شرف حاصل نہیں ہوتا غائبانہ توجہ عنایت فرمائیں گے۔ ہفتہ میں آپ نے توجہ کے لئے جمعرات کا دن مقرر فرمایا۔ تھا۔ پیر کے دن کو بھی توجہ کے لئے مقرر فرمادیتے تاکہ ہفتہ میں دو روز احقر پر توجہ فرمائیں تو اس طرح پہلے سے زیادہ کام میں کشادگی حاصل ہوگی۔ امید ہے کہ میری درخواست کو شرف قبولیت بخشیں گے۔ جمعرات کے روز حسب النفرمان نماز عصر کے بعد آنجناب کی طرف متوجہ رہتا ہوں۔ بعض اوقات عجیب و غریب کیفیات ظاہر ہوتی ہیں خصوصاً پندرہ ماہ صفر جمعرات کو آنجناب کی طرف متوجہ تھا کہ نسبت شعاعوں کی صورت میں مکمل طور پر جلوہ گر ہوئی قریب تھا کہ نسبت کے غلبہ سے مدہوش و بے خود ہو کر زمین پر گر پڑتا کہ اسی اثنا میں مغرب کی اذان سے دی گئی شغل نماز درمیان میں آجانے کی وجہ سے اس میں کچھ خفت ہوئی۔ اسی طرح اکثر اوقات مغلوب نسبت ہو جاتا ہوں پہلے یہ کیفیت کبھی کبھی ہوتی تھی مگر اب دائمی ہے طبیعت گوشہ نشینی کو پسند کرتی ہے۔ علمی مشاغل اور تدبیر معاش اگرچہ کتنا ہی ضروری کیوں نہ ہو طبیعت ان سے متنفر ہے۔ ایک دو سطریں پڑھنے کو جی نہیں چاہتا۔ رخصت کرتے وقت آپ نے اپنی زبان گوہر نشاں سے فرمایا تھا کہ تمہیں وصل نسبت حاصل ہو چکی ہے۔ پابندی کرنے سے یہ روز بروز زیادہ ہوگی اور اس کے اثرات ظہور پذیر ہوں گے۔ سچ تو یہ ہے کہ میں آپ کے فرمان کے مطابق ہوتا۔ دیکھ رہا ہوں۔ دن بدن نسبت مضبوط ہو رہی ہے۔ اور اس کے خاص آثار ظاہر ہو رہے ہیں۔ یہ سب کچھ آپ کے لطف و کرم سے ہے۔

من آل خاتم کہ ابر نو بہاری کنڈاز لطف بر من قطرہ باری

اگر بر روید از من صد ز بانم چو سوسن شکر لطفش کے تو ام

دیں مٹی ہوں جس پر ابر نو بہاری لطف و کرم سے پانی برساتا ہے۔ اگر میرے جسم سے سوز بانیں

بھی پھوٹیں تو گل سوسن کی طرح اس کا شکر ادا نہیں کر سکتیں



اس جگہ سے بعض دوست جن کا میرے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہے میری اس نسبت کی خبر دیتے ہیں۔ بعض مغلوب الحال ہو جاتے ہیں۔ اور اپنے اندر ایک عظیم کیفیت مشاہدہ کرتے ہیں۔ برخوردار درویش احمد ان دنوں اس نسبت سے بھرپور ہے مگر آرزو یہ ہے کہ اس قسم کی بے خودی اور مغلوب الحال عام یارانِ طریقت میں ظہور پذیر ہو جو ابھی تک متحقق نہیں ہوئی لیکن جناب والا کی عنایات سے توقع ہے کہ حسبِ دلخواہ میسر آئے گی۔ علم باطنی کی ترقی کے لئے احقر امید ہے کہ توجہ مبذول فرمائیں گے کیونکہ بعض ضروری امور اسی پر موقوف ہیں۔ اس بارے میں احقر کا عقیدہ یہ ہے کہ تمام امور باطنی کی عقدہ کشائی آپ ہی کی توجہ پر منحصر ہے۔

سالہادر طلبِ روٹے نکو در بدرم روٹے بنما و خلاصم کن ازین در بدری  
 کے مدقوں سے رُخ افور کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہوں۔ اپنی جھلک دکھا کر مجھے اس کوچہ گردی سے نجات دلاؤ۔ ان پر سلامتی ہو جو سیدھی راہ پر چلتے ہیں۔

ایک اور خط میں حضرت والا کی خدمت میں لکھا۔

قبلہ گام! جو فیوض و برکات آپ کی زیر نگرانی ایک چلتے میں حاصل ہوئیں ان کی تفصیل کسی بیان میں نہیں سما سکتی۔ بھلا یہ کہ بہت سی فتوحات باطنی جن کا میں اہل نہیں تھا آپ کی توجہ عالی کی برکت سے حاصل ہوئیں اور نفس کے بہت سے دوسووں سے نجات ملی اور وحانی نسبت کے مختلف مقامات پر ناز ہوا۔

گر برتن من زباں شود ہر مو یک شکر تو از ہزار متواں گفت

دوسری گزارش یہ ہے کہ احقر اب تک آپ کے فرمان کے مطابق قلب کے جوہرِ اقل سے نکلنے والے نور کا مشاہدہ اور مطالعہ کرتا ہے جس سے عجیب و غریب امور طاری ہوتے ہیں۔ مثل غیبتِ حضوری۔ ربودگی اور بعض کوئی امور کا کشف ہے۔ اور اپنے مریدین میں سے بعض جن کو اس کی اجازت دی تھی بجلی نوری بھی حاصل ہوئی ہے۔ اگر حکم ہو تو اس مطالعہ کو جاری رکھے یا کوئی دوسری چیز مناسب حال ارشاد فرمائیں تاکہ اس کی مداومت کی جائے۔

قبلہ گام! عجیب معاملہ ہے۔ عالی جناب کے شوق کے وقت گویا کھر کی کھل جاتی ہے جس سے انجناب کے فیوض و برکات اس کتریں پر ابر نیساں کی طرح برستے ہیں شوق جس قدر

زیادہ ہوتا ہے۔ ان کی باطنی بھی زیادہ ہوتی ہے۔ احقر کو یقین ہے کہ کمترین کی باطنی فتوحات جس قدر  
ہیں وہ سب آپ کی توجہ سے مربوط ہیں۔ آنجناب کی ایک توجہ ایک سو چالیس سالہ عبادت سے بہتر

ہے  
گرا از جانب معشوق نباشد کشتے  
کوشش عاشق بیچارہ بجانے نرسد

حضرت والا نے ان کو جواب میں لکھا کہ ذات الہی میں گم ہونے اور عرفان و آگہی میں پوری  
توجہ صرف کرنے سے قوتِ مشاہدہ اور حضوری حق میں دوامی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ ہر چند کہ  
کچھ لوگ اس کیفیت سے متاثر ہوتے ہیں لیکن کچھ متاثر نہیں ہوتے۔

میرے مشفق! جب یہ نسبت دوامی کیفیت حاصل کر لے تو کیفیت اور کمیت کے  
لحاظ سے لحظہ بہ لحظہ ترقی کرتی رہتی ہے۔ اور تمام ہستی موجودہ میں پردہ چلی جاتی ہے طالب  
کو وجود حقیقی عطا ہوتا ہے اور عالم شہود میں وجود امکانی کے آثار کلی طور پر مٹ جاتے  
ہیں اور وجود حقانی کے انوار و آثار ظہور پذیر ہوتے ہیں اور سالک قرب نوافل کے مقام سے  
گزر کر قرب فرائض کے مقام میں جا پہنچتا ہے تو نوع انسانی کیا جانور بھی اس نسبت سے متاثر  
ہوں گے۔ چنانچہ محمد علی نامی فقیر کا ایک مخلص جس وقت بھی جذبہ آگاہی کی نسبت سے متاثر  
ہوتا تھا تو اس کا گھوڑا چلنے سے رُک جاتا تھا جب وہ اس نسبت سے مغلوب ہو جاتا تھا تو گھوڑا  
زمین پر گر جاتا تھا جب اس سے بھی زیادہ مغلوب الحال ہوتا تو گھوڑے پر بھی بے خودی طاری  
ہو جاتی۔ بعض اوقات کچھ حیوانات نے اس فقیر کی نسبت سے بھی متاثر ہو کر دانے پانی سے تین  
تین دن تک منہ پھیر لیا ہے۔ بلکہ بعض تو اس روحانی نشے کی تاب نہ لا کر مر بھی گئے۔ بزرگان  
طریقت کے ایسے قصے اور حیوانات کے متاثر ہونے کی باتیں تو حد تو اترا تک پہنچی ہوئی ہیں۔ اور  
ایسے مشاہدات کثرت سے واقع ہوئے ہیں۔ مگر بعض اکابر سے آثار تصرف کا ظہور اس وقت  
ہوتا جب وہ معذور ہوتے تھے بعض فقرا مغلوب النسبت ہو کر ایسے آثار دکھاتے تھے اور بعض  
کاملین ایسے ہو گئے ہیں جو جب پہلے یہ تصرفات دکھا سکتے تھے۔ یہ عجیب بات بھی  
قابل ملاحظہ ہے کہ جوانی کے دنوں میں بعض اجاب توجہ سے ایسے متاثر ہوئے کہ ان کا جسم ہوا  
میں اڑا اور پھر زمین پر لوٹا۔ متوقع ہوں کہ کچھ عرصہ اس نسبت کو دوام بخشنے کے سلسلے میں مجاہدات

اور کوششیں کریں گے تاکہ آپ کو اس میں دوام اور نچنگی حاصل ہو تو پھر آپ کے تمام اجاب طریقت پر بھی اس کا اثر ظاہر ہوگا۔ نیز آپ نے لکھا تھا کہ سووار کو بھی میری طرف متوجہ ہوں۔ مخدوم مشفق اس مکتوب کے لکھنے کے بعد جمعرات کو عصر کے بعد زیادہ توجہ کی جاگی اور زیادتی کا اثر بھی نشانہ ظاہر ہوگا نیز امید ہے کہ آپ درس و تدریس اور کتابوں کے مطالعہ کو سر دست موقوف رکھیں گے اور اپنے اوقات شریفہ کو کامل توجہ کے ساتھ ہمیشہ اس نعمت کو حاصل کرنے پر صرف کریں گے۔

حرف کو کاغذ سے سیاہ کند      دل کہ تیرہ است کے چوماہ کند

جو حرف کاغذ کو سیاہ کر دیتے ہیں۔ وہ سیاہ دل کو چاند کی مانند کیسے کر دیں گے۔ حرف اور اس کی آواز کو دل میں مست لاؤ۔ بلکہ جاگتے سوتے حصول نسبت پر دھیان رکھو حتیٰ تو یہ ہے کہ غیب میں بیداری سے بھی زیادہ نسبت حاصل ہوتی ہے مطالعہ نسبت کے مقابلہ میں ذکر جہری کا وہی مقام ہے جو ذکر قلبی سے دور رکھنے میں وسوسہ کو حاصل ہے۔ اس لئے اس نسبت کے حصول میں حضور می پیدا کرنے کے لئے ذکر ظاہری سے باز رہنا طریقت کے فرائض و واجبات میں سے ہے۔ کیونکہ یہ نسبت حقیقت ذکر ہے اور جہاں حقیقت حاصل ہو وہاں الفاظ و اقوال کے تخیل کا کیا دخل! مشفق! یہ فقیر جب بھی پیشوانے عارفان حضرت خواجہ خورشید قدس سرہ کی خدمت میں جاتا تھا یہی وصیت فرماتے تھے کہ آپ کو درس و تدریس غیر ضروری کہانیوں اور کتابوں کے مطالعہ سے دور رکھو۔ اور اپنی تمام تر توجہ اس نسبت پر مبذول رکھو جو تمام برتریوں بندوں کے لئے ضروری قرار دی گئی ہے حقیقت یہ ہے کہ جب تک ہم ان امور کے سیر سے اس نسبت کے عجیب و غریب آثار ہم پر ظاہر نہ ہوتے جب ہم نے ان چیزوں کو چھوڑ دیا جو چاہا سو پایا۔ اگر بزرگوں کے تصرفات اور توجہات کے قصے لکھوں تو اس کے لئے ایک دفتر چاہیے۔

مشفق! اس طریقہ کے بہت سے اکابر آگاہی اور مشاہدے کی نسبت کو اس حیثیت سے کہ مشاہدہ اور آگاہ کا وجود درمیان میں نہ ہو۔ تجلی ذاتی گمان کرتے ہیں۔

فسوس! فسوس! تجلی ذاتی اس سے بدرجہا دور ہے۔ کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے

کیف الوصول الی سعادہ و روزنہا      قلل الجہال و درونہن حتوفہ

منزل عشقت مکان دیگر است      مردای رہ رانسانے دیگر است

ہاں ہاں نسبت آگاہی تجلی ذاتی کے مقدمہ کا آئینہ ہے اور یہ نسبت سطوت محبت اور غلبہ شوق سے پیدا ہوتی ہے اور اس نسبت کا تعین علمی ہے کیونکہ سالک لطیف ترین مقامات میں پہنچا ہوا ہے۔

معشوق چوں نقاب زنج بر نمی کشد      بر سر حکایتے کند یہ تصویر چرا کنند  
بلند ہمت ارباب سلوک کی تمام روحانی قوت اور توجہ اس بات پر مصروف رہی ہے کہ لطیفہ مدرکہ کو ایک حقیقت معلومہ کے سوا جسے حق کہتے ہیں کوئی معلوم باقی نہ رہے اور آپ کی عقل و دانش کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے لطیفہ مدرکہ کو تمام موجودات سے خالی پاکیزہ اور صاف شفاف رکھنے کے لئے انتہائی اہتمام کریں تاکہ استغراق کامل اور حضوری دائم جو تمام مقامات کی انتہا ہے حاصل ہو اور آئینہ کریمہ ان الی ربك المنتھی اسی طرف اشارہ کرتی ہے تاکہ اس حالت عظمیٰ اور دائمی سعادت کے وسیلہ سے سالک تجلی ذاتی کے اس بلند تہ پر فائز ہو سکے۔ جہاں ظاہر و باطن اور قلب و روح میں بجز حقیقت حق سبحانہ و تعالیٰ اور کچھ نظر نہیں آتا۔ اور کل شیئی ہالک الا وجہہ کاراز بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔

بجملہ ائمہ ہدایت و خواجگان کے طریقہ میں بعض اصفیاء و اذکیاء کو ابتداءً سلوک میں ہی یہ نسبت لجزیری وسیلہ کے ان کی صدق نیت اور خلوص عقیدہ کی بدولت مکمل طور پر حاصل ہو جاتی ہے۔ پانے والے نے پالیا اور شک کرنے والا شک میں گرفتار رہا۔ والسلام

حضرت والا فرماتے تھے کہ ایک بزرگ کی توفیق نے مدد کی اور نبوی اشغال کو اس نے چھوڑ دیا۔ اور اپنی تمام ہمت درود پڑھنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف متوجہ ہونے میں صرف کر دی چند روز میں نسبت ویسی ظاہر ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض حاصل کئے۔ اس نے خود کو کمونی سے ملقب کیا ہوا تھا۔ اس تعلق کی بنا پر کہ کمون پر وہ کے معنی میں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بہت سے اسرارِ خفیہ کی تعلیم فرمائی فرماتے تھے کہ اس بزرگ کے ساتھ ہماری ملاقات اور دوستی تھی۔ ایک اس سے سنا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاؤں وزمین پر بیٹھنے اٹھنے کھانا کھانے وغیرہ ہر حالت میں دیکھتا ہوں اور کسی حال میں بھی حضور مجھ سے مخفی نہیں ہوتے۔ یہ ایسی چیز ہے جس کے ساتھ حق تعالیٰ

نے مجھے مخصوص فرمایا ہے میں نے کہا فرطِ محبت سے تمہاری قوتِ تخیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت کریمہ ممکن ہے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت حقیقی نہیں ہے اس نے کہا۔ اس بات پر کوئی دلیل چاہیے تاکہ میں اس کی تصدیق کروں میں نے کہا فلاں آیت کا معنی یا بدرِ واحد کا قصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کرو۔ اگر وہاں سے اس کے مطابق جواب ملا۔ جو علماء کے نزدیک یقینی ہے تو معلوم ہو جائیگا۔ اگر رویت حقیقی ہے اگر کچھ معلوم نہ ہو یا اس کے خلاف معلوم ہو تو صورتِ خیال ہے۔ بس اس بزرگ نے بعض آیات و احادیث بیان کیں اور ان کا معنی اپنے زعم کے مطابق مکرر پوچھا۔ اس نے کچھ نہ سنا میں نے کہا اس سے واضح ہو گیا کہ یہ کیفیت خیالی ہے جو فرطِ محبت سے تمہارے خیال میں جاگزیں ہو گئی ہے حقیقت رویت نہیں ہے۔

حضرت والا کے ایک دوسرے مرید کو یہی حالت پیش آئی حضرت والا نے یہی بات فرمائی۔ یہاں اس فقیر شاہ ولی اللہ کے نزدیک ایک تحقیق ہے اور وہ یہ ہے کہ بعض اوقات اس شخص کو روح کے ساتھ مناسبت تامہ پیدا ہوتی ہے۔ اسی حالت میں نیند اور بیداری برابر ہوتے ہیں اور خیال اس صورت کو قائم کرنے کے لئے بڑھتا ہے یہ رویت حقیقی ہے اگرچہ دائمی ہو۔ مبشرات خواب ہیں اور اس حال کے مبشرات میں کوئی فرق نہیں۔ آیت اور حدیث کے معنی انکشاف نہ ہونے کی اور وجہ ہو سکتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ مناسبت اس حد تک نہیں پہنچتی کہ ان چیزوں کا انکشاف ہو یا ضعف مناسبت کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ مناسبت ایک خاص طریق سے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخفی علوم کے طریق پر نسبت نہیں تھی۔ اور میرا خیال ہے کہ حضرت والا کا ان کے خیال کی تردید کرنا دوسرے قرآن کی وجہ سے ہوگا۔ ضمناً یہ بات بھی ان کے ساتھ مل گئی۔ واللہ اعلم

حضرت والا اپنے ایک ہم عصر بزرگ جو نسبتاً وسیعہ کے ساتھ مشہور تھے اور نسبت زیادہ خوش طبع تھے کی ملاقات کو گئے۔ طویل گفتگو کے بعد حضرت والا نے انہیں کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کریمہ سے استفادہ نسبت کے بغیر ممکن ہے اور نسبت تمام احوال اعمال میں موافقت کا تقاضا کرتی ہے ہم تسلیم کرتے ہیں کہ آپ کو ایک قسم کی نسبت حاصل ہے۔

اگر آپ ہزل اور لایعنی باتیں چھوڑ دیں۔ اور نسبت کے مطابق زندگی گزار دیں تو یقیناً وہ نسبت زیادہ مضبوط ہو جائے گی اور فیوضات کا دروازہ زیادہ کشادہ ہو جائے گا۔ کیس قدر بڑی بات ہے کہ چند گھنٹیا قسم کی روکاؤ میں آپ کو اس قسم کے پاکیزہ مقاصد سے روکے رکھیں۔ سننے میں آیا ہے کہ اس بات نے اس کے دل میں اثر کیا اور فضول گوئی۔ کیسے حد تک رک گئے۔

حضرت والد ماجد فرماتے تھے کہ شیخ میر تقی نے مجھ سے سوال کیا کہ نقشبندی کہتے ہیں کہ ہمارا آغاز منہی لوگوں کا انجام ہے۔ میں خواجہ نقشبند کی کلام سے متفق نہیں ہوں۔ کہ ان کا اول قدم بانویلیہ کا انتہائی قدم ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ جس شخص نے پچاس یا ساٹھ سال مجاہدہ کی ہے۔ وہ امر وزہ مبتدی کے برابر کیسے ہو جائیگا۔ میں نے کہا تم لوگ یعنی سلسلہ شطاریہ کے پیروکار منازل سلوک کس طرح طے کرتے ہو۔ اس نے کہا پہلے دو ضربی اسیم ذات۔ پھر چار ضربی۔ پھر اسی طرح سے شغل نفسی و اثبات کرتے ہیں میں نے پوچھا پھر کیا کرتے ہو اس نے کہا شغل اہیات اور اسمائے ملتفہ کا ذکر کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا پھر؟ کہا شغل کو بکو۔ میں نے پوچھا اس کے بعد کیا کرتے ہو۔ اس نے کہا ہاتھ ہویت میں غرق ہو جاتے ہیں۔ میں نے کہا نقشبندی سب سے پہلے ہاتھ ہویت میں غرق ہوتے ہیں اور شیخ نقشبند کے کلام کا یہی مطلب ہے نہ یہ کہ صوفیاء کے تمام احوال و آثار آغاز سلوک میں ان پر طاری ہو جاتے ہیں۔

شیخ امان اللہ جو حضرت والا کے خاص دوستوں میں سے تھے۔ ایک روز سوال کیا کہ سالک جب کسی طریقہ صوفیاء کے اشغال پورے کر کے جمعیت خاطر حاصل کر لے تو اسے کسی دوسرے طریقہ میں داخل ہو کر اس کے اعمال و اشغال میں مشغول ہونا اس کے لئے مستحسن ہے یا نہیں اگر مستحسن ہے تو اس کا فائدہ کیا ہے۔ فرمایا مستحسن ہے اور اس کا فائدہ اس طریقہ کی نسبت کا حصول ہے۔ ہر طریقہ کی ایک نسبت ہے اور جدا آثار ہیں۔

واضح ہو کہ حضرت والا کی زبان مبارک سے بارہ خلوت میں سنا گیا کہ آپ فرماتے تھے جو نسبت ہم نے حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حاصل کی ہے وہ زیادہ صاف اور زیادہ باریک ہے۔ اور وہ نسبت جو خواجہ نقشبند سے حاصل کی ہے وہ زیادہ غالب اور موثر ہے۔ جمعیت اور قبول عام کے زیادہ نزدیک ہے۔ اور وہ نسبت جو خواجہ معین الدین سے حاصل کی ہے وہ عشق کے

زیادہ نزدیک اور تاثیر اسما اور صفائی خاطر کے زیادہ قریب ہے، راقم الحروف (شاہ ولی اللہ) کو ان کے الفاظ گویا ذہن نہیں لیکن مطلب یہی تھا واللہ اعلم۔  
 واضح ہو کہ حضرت دالاکے گفتگو سے اکثر و بیشتر واضح ہوتا تھا کہ کسی ایک طریق کے بزرگ کو دوسرے طریقے کے بزرگ پر فضیلت دینے خصوصاً ایسے طریق پر جس سے کسی ایک کی تنقیص ہوتی ہو برا سمجھتے تھے۔

فقیر شاہ ولی اللہ نے محدثین اور اصحاب اور اد صلوة میں موسم کے اختلاف کے متعلق سوال کیا۔ فرمایا اہل اوراد کے کلام سے قطع نظر یہ مطلق نوافل میں داخل ہے۔ ہم اسی نیت سے کیوں نہ ادا کریں۔ اسی وجہ سے حضرت دالاکا طریق رکعات کی تعداد کا لحاظ کئے بغیر راتوں کو عبادت سے زندہ رکھنا تھا۔ بلکہ نشاط روح اور حضور قلب کا زیادہ خیال کرتے تھے۔  
 بعض سالکوں کی تربیت کے لئے فرمایا کہ عدم اور غیبت کے وقوع پذیر ہونے کے متعلق ہمارے زمانے کے ارباب سلوک نے جن باتوں کو قابل اعتماد سمجھا ہے، وہ حقیقت کے خلاف ہیں، بلکہ ان کی مزعومہ غیبت کی حقیقت یہ ہے کہ جب ان سالکین کے دماغوں پر معدہ کے بخارات چڑھنے ہیں تو نیند کی کیفیت ان پر طاری ہو جاتی ہے اور وہ اپنے آپ میں کھو جاتے ہیں۔ اگرچہ اس کی ابتدا حضرت حق سبحانہ کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو۔ ان کا عدم یہ ہے کہ بسیار خوری کی وجہ سے ان پر جبے بیان اور بے خودی کا دورہ پڑتا ہے تو اس کے سبب ان کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ ساری قوت یادداشت ختم ہو چکی ہے اور انہیں اپنے وجود کی کوئی ہوش نہ رہی۔ مجھے یاد پڑتا ہے۔  
 واللہ اعلم کہ حضرت دالاکے خدمت میں کسی شخص نے عرض کیا کہ ان دنوں میرا دل ذکر کے ساتھ جا رہا ہے۔ آپ سکرانے اور فرمایا۔ اگر ذکر کے ساتھ جاری ہو ہے تو مبارک ہے اس کے بعد اس فقیر سے فرمایا لوگوں کا خفقان غلبہ کرتا ہے۔ وہ گمان کرتے ہیں کہ دل جاری ہو گیا ہے۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ ہر آدمی کے دل میں بلکہ اس کے تمام اعضاء میں حرکت بعض موجود ہے اس کا وجود اور عدم وجود کمال کے اعتبار سے برابر ہے۔ لیکن اگر اس حرکت کو اسم ذات تخیل ہم پہنچائے اور وہ تخیل اس پر غالب آجائے تو وہ یادداشت اسی کا ایک شعبہ ہوگا پس اس یادداشت کا اعتبار ہوگا حرکت کا اعتبار نہیں ہوگا۔

حضرت والا فرماتے تھے کہ موت کے بعد ترقی درجات ایک طے شدہ معاملہ ہے لیکن اس پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے کہ جب اس عالم میں ایک عاصی دس گنا یا سو گنا ترقی حاصل کر لے گا۔ اور ہزاروں علماء کے مختلف مدارج سے ترقی کر کے ارباب اولیاء کے برابر ہو جائے گا۔ ایک عرصہ کے بعد ان کے درمیان اور عامی کے درمیان کیا فرق رہ جائے گا۔ اس کا جواب بذریعہ کشف معلوم ہوا کہ وہاں ہر شخص کی ترقی غالباً اپنے اپنے مقررہ مقام کے اندر ہوگی کیونکہ اس جہان کا ہر مقام اپنے اندر بے انتہا درجات رکھتا ہے نہ کہ ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف۔ کاتب حروف لکھتا ہے کہ موت کے بعد ترقی مادی وجود کے تمام اجزاء ختم ہو جانے اور ملکوتی قوت کے ظہور کی وجہ سے ہوتی ہے اور ہر ایک شخص ایک خاص استعداد پر پیدا ہوا ہے وما منا الا لہ مقام معلوم مرنے کے بعد جب انسان بھی قوتوں اور مادی وجود کے فانی اجزاء کے منتشر ہو جانے سے صفائی روح پیدا ہو جاتی ہے تو انسان اپنے اس مقام کو پالیتا ہے۔ واللہ اعلم۔

فرماتے تھے جب میں لباس فاخرہ لیتا اور پان چھاپتا ہوں تو اپنی نسبت میں ترقی محسوس کرتا ہوں۔ راقم الحروف رشادہ ولی اللہ کہتا ہے کہ اس قسم کے امور آپ کی نسبت کو بتاتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ حضرت والد ماجد سلطان العارفين کے اس قول کہ توبۃ الناس عن ذنوبہم و توبتی عن قول لا الہ الا اللہ میں نفی و اثبات ہے۔ جب کل شئی ہالک الا وجہہ کا مشاہدہ ہوا تو نفی کس چیز کی کریں۔ باوجود اس کے کہ غویں کے لئے نفی حقیقت غیر ثابتہ ہو گئی ہے لیکن کبھی کبھی جب غیر اللہ کی طرف سے اطمینان اور خوف دخول دل میں آتا ہے تو اسے مٹانے کے لئے نفی و اثبات کرتے ہیں۔

فرماتے تھے آغاز کار میں میرے ہم سبق شطرنج کی ایک کتاب لائے اور وہ اس کا مطالعہ کرتے تھے لیکن وہ اسے سمجھ نہ سکے۔ وہ کتاب انہوں نے مجھے دی میں نے کہا میں تو شطرنج کے بہروں کے نام اور ان کی چالوں سے بھی بے خبر ہوں۔ انہوں نے مجھے ان چیزوں سے آگاہ کیا پھر میں نے کتاب کا مطالعہ شروع کیا اس میں بڑے لمبے چوڑے منصوبے درج تھے اور عبارت میں کچھ تحریف بھی تھی میں نے عبارت کو درست کیا اور اس کتاب میں سے ہر روز ایک دو چالیں بیان کرتا۔ شرکاء و درس بہت خوش ہوتے اور اسی طریق سے شطرنج کھیلتے تھے۔ انہیں دنوں



میں بیمار ہو گیا۔ میرا دل سکون بالکل جاتا رہا میں سخت پریشان ہوا۔ جب چھپر پر میری نظر پڑتی تو وہی شطرنج کے مہرے اور اس کی کھیل یاد آتی۔ حضرت حافظ صاحب سے اس سے نجات کیلئے درخواست کی تو انہوں نے فرمایا تم ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روحانی تربیت حاصل کرنے کے عادی ہو۔ درود شریف بکثرت پڑھو اور اسی درگاہ میں التجا کرو۔ میں نے بکثرت درود شریف پڑھا اور حضور سے التجا کی۔ آخر بڑی کلفت کے بعد اس مصیبت سے نجات ملی۔ اس کے بعد مہرول کے نام اور کھیلنے کا طرہی دماغ سے محو ہوا۔ الحمد للہ۔

فرماتے تھے لوگ سمجھتے ہیں کہ والدین کی خدمت بہت مشکل کام ہے کیونکہ خواہ ان کی اتنی ہی خدمت کی جائے۔ اس سے بھی زیادہ کی ضرورت ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ والدین کے ساتھ نیک سلوک بہت ہی آسان ہے کیونکہ وہ معمولی اچھے سلوک سے خوش ہو جاتے ہیں۔ اور انتہائی شفقت کی وجہ سے تھوڑے سے حسن سلوک کو بہت زیادہ شمار کرتے ہیں۔

فرماتے تھے جب حق سبحانہ و تعالیٰ کسی کو کوئی حالت یا کیفیت عنایت فرماتے تو اس کی حفاظت کا یہ طریق ہے کہ کسی دوسری چیز میں مشغول نہ ہو اور جس جگہ یہ حالت حاصل ہوئی ہے۔ وہاں سے نہ اٹھے اور بیٹھنے کی ہیئت کو حتی الامکان تبدیل نہ کرے۔ اور اس لفظ کے سوا جس سے یہ بات پیدا ہوئی ہے۔ دوسرا کوئی لفظ نہ کہے۔ جیسا کہ حافظ کا قول ہے۔

ایں جانفنون شیخ نیر زردبشم جو دل را بدست آرزو میں شرب است بس  
فرماتے تھے بعض خود ساختہ مشائخ ایسی باتیں کہتے ہیں جو فراست کشفی و عقلی کی متحمل ہوتی ہیں۔  
اور کچھ چیزوں سے بے رغبتی کا اظہار کر کے باور کرانا چاہتے ہیں کہ یہ چیزیں انہوں نے حق تعالیٰ کیلئے  
چھوڑ دی ہیں۔ حالانکہ ان چیزوں کی انہیں ضرورت نہیں ہوتی۔

اور کبھی آپ فرماتے تھے کہ اس شعر میں شیخ سے مراد شیخ حقیقی ہے جسے مقام ارشاد عطا  
ہوا ہے اور دل سے مراد وہ دل ہے جو طلب غیر اللہ سے خالی ہو اور فنون شیخ تصرف اور  
کشف ہے۔

جب تمہا کو نوشی کی بات شروع ہو جاتی تو اس کی برائی کے بہت سے دلائل دیتے لیکن اسے  
یقینی حرام قرار نہ دیتے۔ ان میں سے ایک یہ بات تھی جو آپ نے فرمائی کہ لاہور میں دو عزیز

تھے۔ ان میں سے ایک فاضل ہریش اور جامع کمالات کثیرہ تھا مگر تمباکو سے احتراز نہیں کرتا تھا۔  
 دوسرا شخص عام قسم کا درویش تھا مگر تمباکو سے بچا ہوا تھا۔ دونوں نے خواب میں رسالت پناہ صلی  
 اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی۔ ایک ہی رات میں اور ایک ہی انداز سے گویا یہ آدمی آنحضرت صلی  
 اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا اور اس فاضل کو اس مجلس میں بیٹھنے کی اجازت نہیں  
 ملتی اس عامی نے اہل مجلس سے اجازت نہ ملنے کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ یہ  
 شخص تمباکو پیتا ہے اور آنحضرتؐ سے ناپسند فرماتے ہیں علی الصبح اس نے ارادہ کیا کہ نصیحت کے  
 تقاضا کے مطابق اسے یہ بات بتائے جب وہ اس فاضل آدمی کے گھر میں داخل ہوا۔ تو اس نے دیکھا  
 کہ وہ رو رہا ہے اور سخت غم میں مبتلا ہے اس نے اس کا سبب پوچھا تو اس نے وہی اجازت  
 نہ ملنے کی بات بتائی۔ اس نے کہا آپ کو بشارت ہو کر میں نے بعض اہل مجلس سے اس کا سبب  
 معلوم کر لیا ہے۔ اور وہ تمباکو نوشی ہے۔ اس عزیز نے اس وقت حقہ اور نئے کوٹور دیا اور خلص  
 قریب کی۔ اگلی رات دونوں ایک ہی مجلس میں ایک انداز سے خواب میں دیکھا گویا یہ فاضل سب سے  
 نزدیک بیٹھا ہوا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر بے انتہا عنایات فرما رہے ہیں۔  
 فرماتے تھے ہمارے اجاب میں سے ایک عزیز تمباکو نوشی نہیں کرتا تھا مگر ہانوں کیلئے حقہ اور نئے  
 گھر میں رکھے ہوتے تھے۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے گھر تشریف  
 لائے داخل ہونے کے بعد کراہیت سے واپس چلے گئے۔ یہ شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بھاگا  
 اور کراہیت کا سبب پوچھا۔ فرمایا تمہارے گھر میں حقہ چلم اور نئے ہے اور میں اسے ناپسند  
 کرتا ہوں

فرماتے تھے ہمارے محلہ میں ایک درزی تھا ایک روز میں نے اسے بلایا۔ آدمی نے دیکھا کہ وہ مڑ  
 گیا ہے وارث اس پر رو رہے ہیں اور اس پر کفن کی تیاری کر رہے۔ اس کے بعد میں جامع مسجد میں گیا۔  
 میں نے اسے بازار میں کھڑا دیکھا۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ میں نے اس کا حال پوچھا۔ اس نے کہا۔ میرا  
 عجیب قعتمہ ہے۔ میں اس محلہ کے ایک کوچہ میں جا رہا تھا اس حالت میں دو ہیبت ناک مرد غصے کی  
 حالت میں پیش آئے۔ ان میں سے ایک نے مجھے تھپڑ مارا میں بے ہوش ہو کر گر پڑا اور بظاہر مڑ  
 گیا۔ لوگ مجھے اٹھا کر گھر لے آئے اور کفن مہیا کیا لیکن میں دیکھتا تھا کہ وہ دونوں مجھے لئے جاتے

ہیں۔ یہاں تک کہ میں ایسی جگہ پہنچا جہاں بہت سے لوگ جمع تھے ان کی شکل و صورت انسانوں کی طرح نہیں تھی وہ مجھے سردار کے پاس لے گئے اس نے کہا یہ وہ نہیں ہے جسے میں نے طلب کیا تھا اسے وہاں پہنچا دو۔ جہاں سے لائے ہو۔ جب وہ میرے ساتھ واپس آئے پیچھے سے پھر ندا دی کہ اسے لاؤ۔ یہ تمباکو نوشی کرتا ہے۔ انہوں نے لوہے کا ٹکڑا گرم کر کے میری ران پر رکھ دیا۔ میری ران جل گئی میں اس حالت سے بیدار ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ میرے اقربا مجھے نہلانے اور کفن پہنانے کی تیاری میں ہیں۔ حضرت والانے ایک روز میرے ساتھ باتیں کرتے ہوئے فرمایا کہ سید علیہ السلام شیخ آدم بنوری کے اکابر خلفاء میں سے تھے۔ انہوں نے تمباکو کی حرمت پر ایک رسالہ لکھا۔ اس میں یوم تاتی السماء بدخان مبین اور ان جیسی اور آیات سے استدلال کیا۔ وہ رسالہ دو افغان مولویوں کے ہاتھ لے کر دہلی کے علماء کے پاس بھیجا۔ ان دونوں نے اسے پہلے مجھے دکھایا۔ میں نے کہا ان بے کار دیہلوں سے کوئی بات ثابت نہیں ہوتی اور علماء نے اس آیت کی تفسیر میں جو کچھ لکھا تھا میں نے بیان کیا۔ اس کے متعلق روایات اور فقہی اقوال کا مفہوم بھی واضح کیا وہ اس سے قدے ناخوش ہوئے اس کے بعد وہ ملا یعقوب کے درس میں گئے جو اس شہر کا نامور فاضل تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ مجلس درس میں تمباکو نوشی کر رہا ہے۔ وہ معترض ہوئے۔ اس نے کہا میں اس مجلس درس میں اس لئے تمباکو نوشی کر رہا ہوں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ مباح ہے اور اگر کسی کو اس مسئلہ میں شبہ ہے تو لائے۔ انہوں نے رسالہ کی بعض روایات اور احادیث بیان کیں۔ تو وہ بھڑک اٹھا اور معمولی توجہ سے انہیں رد کر دیا۔ دونوں غمگین اور سکستہ دل واپس آئے اور صورت حال مجھ سے بیان کی۔ میں نے کہا تم نے حرمت کا دعویٰ کیا اور یہ دلائل پیش کئے۔ بات کیسے بنتی۔ اب جاؤ اور آیت کریمہ یا ایہا الذبی لم تحرم ما احل اللہ لک کا شان نزول پوچھو وہ یقیناً یہ کہے گا کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب رضی اللہ عنہا کے گھر میں شہدتنا دل فرمایا۔ باقی ازواج مطہرات کو رشک آیا۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عرض کیا کہ آپ کے دہن مبارک سے مغفیر کی بو آتی ہے۔ فرمایا میں نے مغفیر نہیں کھایا بلکہ شہد کھایا ہے۔ انہوں نے کہا ممکن ہے شہد کی مکھیوں نے مغفیر کے درخت سے مغفیر کھایا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شہد کو اپنے اوپر حرام کر دیا اور یہ آیت نازل ہوئی۔

ان سے پوچھو کہ اس ناپسندیدگی کی علت کیا تھی۔ لامحالہ کہے گا کہ اس کی بُری بو تھی پھر پوچھو کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ من اکل من ہاتین الشجر تین فلا تقربن مسجدنا یہاں ہی کی علت کیا ہے۔ وہ کہے گا بدبو پھر پوچھو۔ حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو کو پسند فرماتے تھے اور بدبو سے نفرت کرتے تھے۔ درست ہے یا نہیں۔ پھر کہو کہ تمباکو میں بدبو ہے یا نہیں۔ اگر وہ کہے کہ نہیں ہے تو کہو کہ جو لوگ تمباکو نہیں پیتے ان سے پوچھنا چاہیے کہ ان کو اس کی بو کس قدر ناخوشگوار لگتی ہے جب یہ ثابت ہو گیا کہ بدبو ہے تو محتاط اور اہل ورع کے لئے مناسب یہی ہے کہ اسے ترک کر دیں۔ یہ دونوں گئے اور اسی ترتیب سے سوالات کے لئے ملاحظہ فرمائیے۔

کاتب حروف کہتا ہے کہ شائع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو قسم کے علوم عطا کئے ہیں۔ علم مصالح اور علم شرائع۔ علم مصالح سے ہماری مراد یہ ہے کہ چار خصلتیں یعنی طہارت، خشوع، سخاوت اور عدالت اور وہ تمام امور جو ان سے متعلق ہیں۔ اور کلمہ حق کو بلند کرنے کے لئے ملائکہ اعلیٰ کا ارادہ اور وہ مقامات جو اس راہ سے تعلق رکھتے ہیں رضائے الہی کا موجب نہیں۔ اور ان خصائل اربعہ اور ان کے متعلق دوسرے امور کے دو مقابل اور مخالف خصائل و عادات غضب الہی کا سبب نہیں۔ اور تمام اخلاق فاضلہ شجاعت وغیرہ کی دعوت دی اور یہ تمام الاموال و حقیقت معقول ہیں۔ اور ان معانی کو ہم مصالح کہتے ہیں۔ اور شرائع سے ہماری مراد احوال و اعمال کے شرعی پیمانے، نظام الاوقات اور وہ امور ہیں جو ان سے متعلق ہیں اور یہ سب محض بندگی ہیں۔ اس معنی میں کہ عقل اگرچہ ان پیمانوں، اصولوں اور ان کے نازل ہونے کی وجوہات کو اچھا سمجھتی ہے لیکن ان کے قائم کرنے کے سلسلے میں انجام اور نتیجے کو کوئی دخل نہیں ہوتا کہ ملائکہ اعلیٰ میں ان میں سے کونسی کی کرنے والے کو نفع اور گناہ کرنے والے کو ضرر پہنچائے گی۔ مثلاً ہم جانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو یاد کرنا نجات کا باعث ہے لیکن یہ کہ خاص وقت میں خاص صفت کے ساتھ یاد کرنا صرف فرض کی ادائیگی ہوگا اور کچھ نہیں ہوگا۔ ایسی چیز ہے جس کی ملائکہ اعلیٰ میں ایک خاص صورت ہے۔ اور محض عقل اس کے ادراک کے لئے کافی نہیں۔ میرا مذہب یہ ہے کہ شرائع شریعت کے حکم کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتے اور مصالح کو عقل۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی

اور بعد بھی سمجھتی رہی ہے پس غیر مخصوص اور غیر قیاسی احکام جن کے متعلق کوئی نص نہ ہو۔ حکم شرعی نہیں کہا جائے گا۔ ندراضی اور رضامندی مصالح کے اعتبار سے ہوگی۔ ہم جانتے ہیں کہ سونے چاندی کے برتنوں اور ریشم کے لباس کی نہی کا سبب حد سے زیادہ آسودگی کو ناپسند کرتا ہے۔ لیکن برائی ریشمی لباس اور برتنوں کی ذات کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ خواہ کوئی شخص آسودگی کی غرض سے استعمال کرے یا نہ کرے لیکن یا قوت اور زبرد کے برتنوں کا استعمال یا بہت قیمتی شالوں کا پہننا اگرچہ ان سے زیادہ رفاہیت رکھتی ہوں۔ چونکہ برائی ان کی ذات کی طرف متوجہ نہیں۔ اس لئے اگر کوئی شخص آسودگی کی غرض سے استعمال کرے گا تو آسودگی کی قیامت اور ضرر موجود ہوگا اور اگر اس ارادہ کے بغیر کرے گا تو کوئی ضرر نہیں ہوگا۔ ہذا ایذبحی ان یعلم ویعتقد واللہ اعلم۔

فرماتے تھے مجھے میرے خواجہ نے وصیت فرمائی تھی کہ درس و تدریس اور غیر ضروری کتابوں اور کہانیوں سے اپنے آپ کو دور رکھنا۔ سچ تو یہ ہے کہ جب تک ان چیزوں میں محور یا نسبت و وحانی کے عجیب و غریب آثار مجھ پر ظاہر نہ ہوتے مجھے یاد پڑتا ہے کہ حضرت والا سے کسی نے سوال کیا کہ شیخ ابوالفتح اور مخدومی حضرت شیخ محمد قدس سرہ کی نسبت میں کیا فرق ہے۔ فرمایا کہ شیخ ابوالفتح کی نسبت عشق کی نسبت ہے۔ اور ان کی نسبت شہود کی نسبت ہے۔ فرماتے تھے کہ شیخ ملکیار پران کی نسبت اہل بیت سے کامل مناسبت رکھتی ہے۔

فرماتے تھے کہ ایک شخص نے مخدومی اخوی شیخ ابوالرضا قدس سرہ کی خدمت میں خط لکھا۔ جس میں سلوک راہ خدا اور حقیقت کیمیا کے وجود یا عدم وجود کے متعلق استفسار کیا تھا۔ اس کا جواب لکھنے کے لئے وہ خط آپ نے میرے سپرد کیا۔ میں نے یہ فقرہ لکھا۔

اذا تزوجت الاجساد وتجددت الارواح حصل المقصود۔

جب تو نے مادی جسموں کو ملا دیا اور ارواح کو اجسام میں داخل کر دیا تو مجھے مقصود حاصل ہو گیا۔ حضرت والا کے مخلصین میں سے ایک شخص نے سوال کیا کہ لوگوں میں زندگی کیسی گزارنی چاہئے فرمایا۔ کن فی الناس کا حد من الناس۔ لوگوں میں ان جیسا ہو کر رہ۔ پھر پوچھا کہ حق تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ کیا ہے فرمایا

رجال لاتلبہم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ (خدا کو پانے والے وہ لوگ ہیں جنہیں کاروبار اور خرید و فروخت خدا کی یاد سے نہیں روکتی)۔

حضرت والا سفر میں تھے اور اجاب بہلی میں نوبت نوبت سوار ہوتے تھے اسی اثنا میں بعض ساتھی اپنی باری سے زیادہ سوار ہوئے حضرت والا نے فرمایا کہ بہلی کی سواریوں سے دریافت کرو کہ اعدا ہوا ہوا قرب للتقویٰ کونسے سپارہ میں ہے۔ اس جماعت میں سے شیخ بدرالحق بات کا اشارہ سمجھ کر بہلی سے اتر آئے اور کہا کہ اس آیت کے بعد پارہ یعنی نون ہے۔ شیخ امان اللہ نے کابل جانے کا ارادہ کیا حضرت والا سے دعا کے طالب ہوئے اس وقت اپنے فرمایا جہاں کہیں بھی جاؤ اہل اللہ کے متلاشی رہو۔ ساک یا مجذوب جس میں بھی اس کی خوشبو پاؤ اس کی صحبت اختیار کرو۔ وہ چلے گئے اور ارشاد کے مطابق عمل کیا جب واپس آئے تو حضرت والا کے سامنے کھڑے ہو کر یہ شعر پڑھا۔

آفا کہاگر دیدہ ام مہربتاں درزیدہ ام  
بسیار خواباں دیدہ ام آتا تو چیزے دگیری  
حضرت والا شیخ محی الدین ابن عربی کی بہت تعظیم کرتے تھے فرماتے تھے کہ اگر میں چاہوں تو فصوص کو برسر منبر بیان کروں اور اس کے تمام مسائل کو آیات و احادیث سے واضح کر دوں اور ایسے انداز سے بیان کروں کہ کسی شخص کو کوئی شبہ باقی نہ رہے۔ اس کے باوجود وحدت وجود کی تصریح سے احتراز کرتے تھے کیونکہ لوگوں کی اکثریت اس کو سمجھ نہیں سکتی اور گمراہی اور بے دینی کے بھنور میں پھنس جاتے ہیں۔ اس کے باوجود ان کی بعض تقریروں سے وحدت الوجود کا اظہار ہوتا تھا۔ اس فقیر شاہ دلی اللہ وحدت الوجود کے رسائل کے مطالعہ کی رغبت دلاتے تھے۔ اس فقیر نے لواحد شرح رباعیات اور مقدمہ شرح لمعات پوری توجہ سے حضرت والا سے پڑھی ہیں اور بعض دوستوں نے نقد النصوص تمام کی تمام حضرت والا سے پڑھی فقیر بھی ان کے ساتھ بعض اوقات شامل ہو جاتا تھا۔ آپ اس کے مسائل کو بخوبی حل فرماتے تھے۔ حادث کو قدیم کے ساتھ ربط کی تحقیق میں حضرت والا سے بارہا سنا گیا کہ صورت علمیہ کی تمثیل دیتے تھے فرماتے تھے کہ علمی صورتیں جن کو ہم ذہنی طور پر ملاحظہ کرتے ہیں خارج میں ان کا کوئی وجود متحقق نہیں محض ہماری قوت علمیہ سے متحقق ہیں۔ یہ تمام سمارا علم ہے جس نے اس قدر رنگ اختیار کر رکھے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان ذہنی صورتوں کو عین

علم نہیں کہہ سکتے کیونکہ علم تھا مگر یہ صورتیں نہیں تھیں لیکن ان صورتوں کو علم سے جدا نہیں کہہ سکتے کیونکہ ان تغیر پذیر صورتوں اور ہیولوں کو جو شکل دینے والا علم ہے۔ علم بے رنگ ہے اور یہ مختلف رنگ اس کی بے رنگی میں مزاحم نہیں ہیں۔ اوکما قال۔

آیتہ کریمہ ہو معکد کی تشریح میں فرماتے تھے کہ یہ معیت محض علم سے نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت میں بھی موجود ہے اور اس سے کوئی خدشہ پیدا نہیں ہوتا کیونکہ یہ معیت جو ہر کی جو ہر کے ساتھ یا عرض کی عرض کے ساتھ یا جو ہر کی عرض کے ساتھ نہیں ہے۔ ان معیتوں سے زیادہ لطیف معنی ہے۔ جسے ان معیتوں سے کوئی تعلق نہیں۔

فرماتے تھے ہر شخص نے اپنی استعداد کے مطابق معیت کے مشلہ سے حصہ لیا ہے ایک گروہ نے یہ سمجھا ہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ اپنے علم قدرت، سمع اور بصر کے ساتھ محیط ہے جیسا کہ فرمایا۔ مایکون من نجوی ثلثۃ۔ اور ایک گروہ نے یہ معائنہ کیا ہے کہ دنیا میں جو فعل و انفعال حرکت اور صفت ظاہر ہوتی ہے حق سبحانہ و تعالیٰ سے ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے قل کل من عند اللہ وقال وما بکم من نعمۃ فمن اللہ۔ اور ایک جماعت نے مشاہدہ کیا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہے۔ وہی ہے۔ اور اس کے علاوہ کوئی چیز نہیں۔ جیسا کہ فرمایا۔ کل شیئی ہا لک الا وجہہ اور فرمایا۔ هو الاول والاخر والظاہر والباطن اور ایک جماعت نے حق کو حق میں دیکھا اور اس مقام کو الفاظ بیان کرنے سے قاصر ہیں۔

تجدد و امثال کی جب بات شروع ہوئی تو آپ نے عجیب تقریر فرمائی مگر چونکہ میں اس وقت بہت کم عمر تھا۔ اس لئے وہ اسلوب یاد نہیں رہا۔ حاصل کلام یہ تھا کہ یہاں موجود اور موجود کے درمیان اس کی ہمیشگی کے ساتھ ہمیشہ کا تعلق ہے جب کوئی چیز عدم سے متعلق ہوتی ہے تو اس کا نام ایجاد رکھتے ہیں اور جب حالت وجود میں قیاس کرتے ہیں تو اس کا نام ابقا ہے اور اسماء کا اختلاف۔ اختلاف لحاظ کی وجہ سے ہے حقیقت ایک ہے جیسے سورج سے نکلنے والی روشنی جسے اپنے وجود کو قائم رکھنے کے لئے سورج کے ساتھ تعلق کی ضرورت ہوتی ہے جب اس کی پہلی حالت پر نگاہ کریں تو اشراق اور رفع ظلمت ہے اور دوسری حالت بقائے نور ہے اور اسی کو تجدد کہتے ہیں۔ تجدد مثال کی حقیقت اس مثال سے سمجھی جا سکتی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے وہ قصہ

جو پہلے لکھا گیا ہے کو بیان کیا۔

فرماتے تھے کہ صفات ان معنوں میں عین ذات ہوتی ہیں کہ ذات محض صفات زندہ قائم بالذات سے آثار کے ظاہر ہونے میں کفایت کرتی ہے۔

فرماتے تھے اس عالم میں جو کچھ ہے حسن ذاتی رکھتا ہے اور بُرائی نسبتی ہے اس بات میں بہت سی مثالیں بیان کرتے تھے مثلاً تلوار کی تیزی فی نفسہ عمدہ چیز ہے کیونکہ لوہے کے کمال کا اثر ہے۔ اور ایسے شخص کو قتل کرنا جو قتل کئے جانے کا مستحق نہیں ہے۔ بری ہے وغیرہ اور مثالیں۔ فرماتے تھے مخلوق کو اپنے مسمی میں کوئی دخل نہیں اور کسی شخص کے عقل فہم اور اک اور اندیشہ کو وہاں رسائی نہیں البتہ مسمی اللہ کو اس قدر دخل ہے کہ وہ اپنے تمام اسماء و صفات کے ساتھ موصوف ہے۔

ایک روز اس فقیر نے ہندی کا یہ دوہا۔

جب جوینہ تھا تب پیونہ تھا اب پیو ہے جوینہ  
حضرت والا کے مجموعہ خاص میں لکھا ہوا دیکھا چونکہ اس قسم کے امور کم ہی استعمال کرتے تھے مجھے تعجب ہوا حضرت والا سے پوچھا کہ کیا بیت ان کی نظم سے ہے یا نہیں۔ فرمایا میں نے اسے نظم کیا ہے۔ اور میرے ہی ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

ایک روز لطائف مستہ اور متاخرین صوفیاء نے ان کے لئے جو مقامات متعین کئے ہیں کی بات چل نکلی۔ فرمایا قلم دوات اور کاغذ لاؤ جب یہ تمام چیزیں حاضر ہو گئیں تو آپ نے ایک اثرہ کھینچا اور فرمایا یہ روح ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ایک دائرے کے اندر دوسرا دائرہ بناتے رہے یہاں تک کہ مقام انات تک پہنچے۔ پھر فرمایا لطائف کی صورت میں میں سب سے زیادہ پسندیدہ مقام ہے اور وہ باقی دل کے رخ اور اعتبارات ہیں۔ اس کے بعد خواجہ نقشبند کے اس قول "آئینہ مارا شش جہت است" کی اس مسئلہ پر انہوں نے تطبیق دی۔

اس فقیر نے بعض دوستوں سے سنا تھا کہ حضرت والا کا نام عالم ملکوت میں ابوالفیض ہے



ایک روز حضرت والد ماجد ظہر کی نماز کے فوراً بعد اس فقیر کی طرف متوجہ ہوئے اور فی البدیہہ یہ دو شعر پڑھے سے

گر تو راہ حق بخواہی اے پسر      خاطر کس را مر نجاں الحذر  
در طریقت رکن اعظم رحمت است      این چنین فرمود آں خیر البشر  
پھر فرمایا کہ دوایت قلم لا کر اس کو لکھ لو کیونکہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے یہ اشعار اچانک میرے دل میں القا فرمائے ہیں۔ تاکہ تجھے وصیت کروں۔ پھر فرمایا یہ بہت بڑی نعمت ہے۔ اس کا شکر ضروری ہے یہ رباعی بھی حضرت والا کے پاکیزہ خیالات سے ہے۔ رباعی۔

اے کہ نعمتہائے تو از حد فزوں      شکر نعمت صاٹے تو از حد بڑوں  
عجز از شکر تو باشد شکر منا      گر بود فضل تو مار راہ نموں !  
اس فقیر کو اپنی صحبت کی مجلس میں حکمت عملی اور آداب معاملہ بڑی توجہ سے سکھاتے تھے ان میں سے ایک بات جو حافظہ میں رہ گئی ہے کہ فرماتے تھے کہ مجلس میں ہرگز کسی قوم کی بُرائی مت بیان کرو۔ یوں مت کہو کہ اہل یورپ یوں ہیں۔ اور پنجابی ایسے۔ افغان ایسے اور مغل ایسے ہیں ممکن ہے اس مجلس میں اس قوم کا کوئی آدمی ہو یا ان سے کوئی باجمیت آدمی ہو۔ وہ اسے بُرا سمجھے۔ اور مجلس میں تلخی پیدا ہو جائے۔

فرماتے تھے کہ عوام کے خلاف مجلس عام میں کوئی بات زبان پر نہیں لانی چاہیے خواہ وہ فی نفسہ سچ بھی ہو کیونکہ وہ اس کا انکار کریں گے اور صحبت میں تلخی پیدا ہو جائے گی۔  
فرماتے تھے اگر تجھے کسی آدمی سے کوئی کام ہو تو پہلے موزوں تمہیں باندھو پھر تدریجاً اپنی ضرورت پیش کرو۔ ایسا نہ ہو کہ اپنی ضرورت اس شخص کے سامنے پتھر کی مانند دے مارو۔  
فرماتے تھے مجلس عام میں کسی کی کھلم کھلا تردید نہ کرو۔ فرماتے تھے آدمی کو ایسا لباس پہننا چاہیے جس سے اس کی صفت کمال کا اظہار متواہو۔ مثلاً جو دانش مند ہے اسے دانشمندیوں کا سا لباس پہننا چاہیے اور ان جیسی زندگی گزارنی چاہیے۔ اور جو فقیر ہے اسے فقیرانہ لباس پہننا چاہیے اور فقرا کی سی زندگی گزارنی چاہیے۔ فرماتے تھے بزرگوں سے بات کرتے وقت پیچیدہ انتہائی مختصر اور بہت آہستگی سے بات کرنا جائز نہیں۔ اگر تم بہادری سخاوت

یا جو امر دی کا کوئی کام کر دو تو لوگوں کو اس کا علم ہونا چاہیے۔ عیادت کا سب سے بڑا مقصد بیمار کی خوشنودی ہے۔ صرف اس کے مزاج کی کیفیت سے واقفیت نہیں۔ اسی طرح تعزیت اور سفارش وغیرہ ہیں۔ پس وہ شخص جس نے ان امور کو سرانجام دیا۔ لیکن صاحب معاملہ کو اس سے آگاہ نہ کیا۔ اس نے اپنی محنت کو ضائع کر دیا۔ اور ہر وہ کام جس کے کرنے میں کوئی مصلحت یا لوگوں کے درمیان الفت و محبت پیدا کرنا یا صلح جوئی ہو۔ اسی قبیل میں شمار ہوگا۔ دوسروں کو رخصت کرنے یا انہیں وصیت کرتے وقت آپ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

آسائش دو گیتی تفسیریں دو حرف است بادوستاں تطف بادشمنان مدارا

فرماتے تھے وہ لوگ جو مرتبہ میں تم سے کمتر ہیں تجھے سلام کرنے میں پہل کریں تو اسے انعام الہیہ میں سے شمار کر اور اس پر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کر۔ ان کے ساتھ خندہ روئی سے پیش آؤ اور ان کی خیر و عافیت دریافت کرو۔ تمہاری معمولی توجہ جس کی تمہارے نزدیک کوئی وقعت نہیں ان کی نظر میں بہت بڑی چیز ہو۔ اور اس پر اعتبار کر لیں۔ اور اگر اس توجہ کو نہ پائیں تو غمگین ہو جائیں۔

صد ملک دل بہ نیم نگاہ می تو اوں خرید خوباں دریں معاملہ تقصیرے کنند  
 احمقوں کی بیخصت ہے کہ لباس یا کسی عادت کو اپنے لئے علامت بنا لیتے ہیں یا کوئی تکریم کلام مقرر کر لیتے ہیں یا کسی خاص طعام سے منفرد پیدا کر لیتے ہیں جس سے لوگ ان کے ساتھ مذاق کرتے ہیں۔ بعض دوست تجھ سے ذاتی محبت رکھتے ہیں کہ اگر تیری محبت ان کے دل میں تبدیل ہو جائے تو اس کے بعد ان کے دل سے کبھی بھی تیری محبت نہ نکلتی۔ نہ راحت اور نہ تنگی میں ایسے دوست کو غنیمت سمجھنا چاہیے اور اولاد سے بہتر جانا چاہیے۔ تمام دوستوں کو ایک ہی مقام و مرتبہ نہ نہیں رکھنا چاہیے۔ بعض دوستوں کی محبت کا سبب ان کی فضیلت کے ظہور اور ان کی ضروری بات کا تیرے ساتھ واسطہ ہوتا ہے۔ اس لئے ہر دوست کی حیثیت پہچانی چاہیے۔ اور سب کو ایک ہی مقام میں نہیں رکھنا چاہیے اور کسی دوست پر اس کی حیثیت سے زیادہ اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔

فرماتے تھے کہ عقلمندوں اور اہل حکمت کا کام یہ ہے کہ امور میں صرف لذت اندوزی

متصور نہ ہو بلکہ دفع حاجت۔ حصول فضیلت اور ادائے سنت کے ارادے سے کام کرنا چاہیے۔  
 فرماتے تھے بول چال سیر و سفر و نشست و برخاست میں قوی لوگوں کا انداز اختیار کرنا  
 چاہیے۔ اگرچہ تو ضعیف ہی کیوں نہ ہو۔ اگر تجھ سے بزدلی بخیلی یا کوئی عیب اچانک سرزد ہو  
 تو اسے چھپانے کی کوشش کرنا چاہیے اور اس سے شرمندہ ہونا چاہیے اور اپنے آپ کو مکلف  
 اور کوشش سے اس کے مقابل عمدہ صفت سے متصف کرنا چاہیے تاکہ نفس اس عیب کا عادی  
 نہ ہو جائے۔ جب آداب سفر پر گفتگو ہوتی تو آپ چروں اور ٹھگوں سے بچنے کی بہت  
 تاکید فرماتے اور اس قسم کے جو واقعات سفر اکبر آباد میں پیش آنے بیان فرماتے۔

حضرت والا اخلاق حسنہ پسندیدہ از قسم شجاعت۔ فراست۔ قناعت اور غیرت  
 کی صفات سے پورے طور پر متصف تھے اور امور آخرت کی سمجھ بوجھ کی طرح معاشی و اقتصادی  
 امور پر بھی کامل عبور رکھتے تھے اور ہر معاملہ میں اعتدال اور میانہ روی کو پسند فرماتے تھے۔  
 نہ تو دینداری میں اس قدر مستغرق تھے کہ اسے رہبانیت سے ملا دیں اور نہ اس قدر آداب  
 عبادت اور قیود مذہب سے بیگانہ کہ عبادات کی ادائیگی پس منستی کریں۔ آپ کے لباس اور  
 وضع قطع سے بے تکلفی کا اظہار ہوتا تھا۔ موٹا جھوٹا اور نرم و گداز جیسا بھی میسر آجاتا پہن لیتے  
 تھے۔ اور ان کو برابر سمجھتے تھے لیکن حق تعالیٰ انہیں بلا طلب ہمیشہ عمدہ لباس عطا فرماتا تھا۔  
 فرماتے تھے جب سے دنیا کو ترک کیا ہے۔ اب تک اپنے لئے بازار سے کبھی لباس نہیں خریدا۔  
 دستار جامہ اور جوتے ہر چیز بوقت ضرورت بکثرت حق سبحانہ و تعالیٰ دیتا رہا۔ ایک روز حضرت  
 والا نے قیمتی لباس پہن رکھا تھا۔ ایک خشک صوفی نے اس کے پاس میں بحث کی۔ آپ نے فرمایا  
 میرے لباس کی ہزارا اگرچہ شال و شیل ہے محبت الہی کی گند ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے میری کوشش  
 و ارادے کے بغیر عطا فرمایا ہے اور میرے لباس کی ہزارا اگرچہ موٹے کھدر کی دھاگوں پر  
 مشتمل ہے۔ وہ اژدہا ہے کیونکہ وہ تو نے اپنے ارادہ اور کوشش سے حاصل کیا ہے۔  
 حضرت والا امراء کے گھر نہیں جاتے تھے اور یہ دروازہ اپنے لئے بالکل بند کر دیا تھا اگرچہ لوگ  
 آپ کی زیارت کے لئے آتے تو بڑے اخلاق سے ملتے تھے اور سردار قوم کی خاص طور پر عزت کرتے تھے  
 اگر وہ نصیحت کے طالب ہوتے تو انتہائی اور نرمی سے اس فرض کو ادا فرماتے تھے۔ اگر یہ

گمان ہوتا کہ سائل قبول کرے گا تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بڑی نرمی اور ملائمت سے کرتے تھے۔ ہمیشہ علم اور علما کی تعظیم کرتے اور جہالت اور جاہلوں سے نفرت ان کا دستور تھا ہر حالت میں آثار نبویہ کی پیروی کرتے تھے۔ آپ کی شریعت پر استقامت کی ایک یہ دلیل بھی تھی کہ شرعی عذر کے بغیر زندگی بھر کبھی نماز باجماعت فوت نہیں ہوئی تھی۔ بزرگوں نے کہا ہے۔ الاستقامت خیر من الکرامت (سنت نبوی پر استقامت کرامت سے بہتر ہے) آپ نے اپنی زندگی کے کسی بھی مرحلہ میں نہ بچپن میں نہ جوانی میں امور ممنوعہ کی طرف رغبت نہیں کی بطریق محمدی کی پیروی آپ کی فطرت تھی۔ اپنے ضروری امور خرید و فروخت خود کیا کرتے عمامہ وغیرہ میں نہ تو خشک فقہاء کی ہیئت اختیار کرتے اور نہ رسوم و قیود سے آزاد فقہاء کی حیثیت بلکہ مشائخ صوفیاء کا سائباس پہنتے تھے مجموعہ طور پر بے تکلفانہ زندگی گزارتے تھے۔ حاجت ضروریہ کے سوا قرض لینا ناپسند کرتے تھے۔ ایسے لوگوں کو ناپسند کرتے تھے جو قسم قسم کے کھانے اور میوہ جات کے لئے قرض لیتے اور ان کی برائی بیان کرتے تھے۔

آپ کو ہر علم میں پہرہ وافر حاصل تھا کسی فن کو بھی چھوڑنے پر آپ کی طبیعت راضی نہیں ہوتی تھی۔ فن طب میں آپ کو کامل دستگاہ حاصل تھی۔ تہجد کے نوافل آپ بلا قید رکعات جس قدر خوش دلی کے ساتھ پڑھ سکتے پڑھتے تھے۔ اشراق اور چاشت کے علاوہ نماز مغرب کے بعد والدین اور بڑے بھائی کی ارواح کو ایصال ثواب کی خاطر دو۔ دو رکعت پڑھتے تھے۔ اگر کوئی عذر نہ ہوتا تو ہمیشہ قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول رہتے تھے۔ آپ بڑی عمدہ آواز اور تجوید کی رعایت کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ اکثر و بیشتر حلقہ اجاب میں روزانہ تلاوت کے علاوہ ترجمہ و تفسیر کے ساتھ بھی دو تین رکوع پڑھتے تھے۔ ایک ہزار بار درود شریف۔ ایک ہزار بار نفی اثبات بعض صبح کی نماز کے بعد چہرے کے ساتھ اور بعض خفی طور پر۔ اور بارہ ہزار بار اسم ذات روزانہ ہمیشہ پڑھا کرتے تھے۔ روحانی بے خودی کے علاوہ یہ وظائف کمزوری اور بڑھاپے کے باوجود ہمیشہ جاری رہتے۔ جب متوجہ ہوتے تو یہ غیبوت کا زمانہ طویل ہو جاتا۔

سیدنا و محدومنا شیخ ابوالرضا محمد کی وفات کے بعد بعض اجاب کی استدعا پر اسی اسلوب و عظ فرماتے تھے۔ اکثر مشکوٰۃ شریف تہذیب الغافلین اور غینۃ الطالبین پڑھایا

کرتے تھے اور آخر میں تفسیر بھی شروع کر دی تھی جب ان کتابوں کے درس سے فارغ ہوئے تو بہت کمزور ہو گئے اور یہ سلسلہ موقوف ہو گیا۔

اس فقیہ نے کئی بار حضرت والا سے سنا فرماتے تھے ہم نے جو کچھ حاصل کیا ہے۔ درود شریف اور محض توجہ سے حاصل کیا ہے۔ ظاہری غنا کے لئے گیارہ بار سورہ منزل اور گیارہ سو بار یا مغنی پڑھا کرتے تھے۔ ظاہری اسباب کے بغیر حق تعالیٰ لوگوں کے دلوں کو ان کی خدمت میں مصروف رکھتا تھا آخری عمر میں جب رمضان کا مہینہ آیا تو روزے اور تراویح قدیم دستور کے مطابق ادا کئے۔ اگرچہ شریعت کی رو سے انہیں افطار کی اجازت تھی کیونکہ پیر فانی ہو گئے تھے اور روزے رکھنے کی طاقت نہیں تھی۔ یہ فقیر اور تمام اہل خانہ جب سوال کرتے کہ شرعی رخصت کے باوجود اس قدر سخت مشقت برداشت کرنے کی کیا وجہ ہے فرماتے اس سے زیادہ تو نہیں ہو گا کہ کمزوری کی وجہ سے میں بے ہوش ہو جاؤں اور بے ہوشی کی مجھے عادت ہے اور اسی طرح ہو جائیں گے یعنی حالت غیبوت۔

جب سوال کا چاند نظر آیا تو یک دم بھوک ختم ہو گئی اور کمزوری آگئی جس سے مہینہ ہو گیا یہاں تک کہ زندگی کی امید جاتی رہی اور مردوں کی طرح گر پڑے۔ یہ فقیر بھی حاضر تھا کرتے وقت یہ کلمہ استغفر اللہ الذی لا الہ الا هو الحی القیوم۔ ان کی زبان پر جاری ہوا۔ اس کے بعد رُوبصحت ہونے لگے اور مرض کی شدت کم ہو گئی ماہ صفر کے ابتدائی دنوں میں بیماری پھر غالب آگئی اور صبح صادق سے پہلے جب موت کے آثار ظاہر ہوئے آپ کا عزم یہ تھا کہ صبح کی نماز قضا نہ ہو۔ کمزوری کی حالت میں چند مرتبہ پوچھا کہ صبح ہوتی ہے یا نہیں۔ حاضرین نے کہا نہیں۔ جب موت قریب ہو گئی تو جواب دینے والوں کو بھرہک کر کہا کہ اگرچہ تمہاری نماز کا وقت نہیں ہے۔ مگر ہماری نماز کا تو وقت آگیا ہے۔ پھر فرمایا مجھے قبلہ کی طرف متوجہ کرو۔ پھر اشاروں سے آپ نے نماز ادا کی۔ حالانکہ نماز کے وقت میں شک تھا۔ پھر زیر لب اسم ذات میں مشغول ہو کر امانت خالق حقیقی کے سپرد کر دی۔ یہ واقعہ فرخ سیر کے آخر عہد میں بدھ کے روز ۱۲۔ صفر ۱۱۳۱ھ کو ظہور پذیر ہوا۔ حضرت والا کی وفات کے تقریباً پچاس روز بعد قید ہو گیا۔ اور عظیم گڑ بڑ ہوئی آپ کی عمر شریف ستتر، ۷۷ سال تھی۔ فتح چنور اور جامع مسجد شاہ جہاں آباد کی تعمیر انہیں ہی تھی۔

اپنے سردار اور خدوم شیخ عبدالرحیم قدس سرہ کے مناقب کا اختتام ہے اس کے بعد  
سیدنا و مخدومنا شیخ ابوالرضا محمد قدس سرہ کے مناقب ذکر کریں گے۔

## حصہ دوم

جناب معارف آباء امام طریقت و حقیقت مخدومنا و مولینا شیخ  
ابوالرضا محمد رضی اللہ عنہ کے حالات

اگرچہ طبعی وضع اس امر کی مقتضی تھی کہ یہ حصہ مقدم ہوتا لیکن سند اور صحت کا لحاظ کرتے ہوئے  
اسے حصہ دوم میں شمار کیا گیا کیونکہ حصہ اول اکثر و بیشتر اس قسم کا ہے کہ جو اس فقیر نے بلا واسطہ  
دیکھا اور سنا ہے اور اس دوسرے حصہ کا اکثر مواد ایک یا دو واسطہ سے نقل کیا گیا ہے۔  
بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنے بندوں میں سے ایک  
گروہ کو منتخب کیا پس اپنا ولی بنایا۔ اور انہیں انوار و برکات کا لباس پہنایا اور ان پر اپنی نعمتوں کی  
راہیں کشادہ کر دیں۔ اور ان کی زبانوں سے علم کے چشمے جاری کر دیئے اور اسی کو ان کا مقصد بنا  
دیا۔ جس کے نتیجہ میں وہ ہادی و مہدی اور ارباب تقویٰ کے پیشوا بن گئے۔ انہیں کے لئے اس نے  
زمین و آسمان کو بنایا۔ پاک ہے وہ ذات اور کس قدر بڑی ہے اس کی جود و عطا اور اس کے  
انعام و اکرام کس قدر مکمل ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ وحدہ  
لا شریک ہے اور جس کے حکم اور فیصلے سے کوئی منہ نہیں پھیر سکتا۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد  
(صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ جسے انبیاء اور رسولوں میں اپنی رفعت شان اور  
غایت میں کامل ترین بنایا۔ صلی اللہ علیہ و علیٰ آلہ و صحابہ ما عاقب الصباح و مساء۔

حمد و صلوة کے بعد یہ فقیر سراپا تقصیر و لی اللہ بن عبدالرحیم اللہ ان سے لطف عظیم سے پیش  
آئے، کہتا ہے کہ عالی قدر پیشوا اہل ذوق عم بزرگوار شیخ ابوالرضا محمد قدس سرہ الامجد  
کے علوم و معارف کے متعلق یہ چند کلمات ہیں جن کے مجموعہ کا نام شوارق المعرفۃ ہے حسبنا  
اللہ و نعم الوکیل۔

## ابتدائی حالات

حضرت شیخ ابو الرضا نے بچپن میں علوم ظاہری حافظ بصیر سے حاصل کئے جو زمانہ شاہ جہاں میں ایک بلند مرتبہ عالم تھے۔ ان کے

علاوہ خواجہ محمد باقی جگے صاحبزادے خواجہ خورشید سے بھی علم حاصل کیا۔ دراصل ان کے تمام علوم وہی تھے۔ یہ ظاہری تحصیل سنت اللہ کی محافظت کی غرض سے تھی، پھر والد ماجد کے مشورہ سے ظاہری نفع کی خاطر ایک امیر کے پاس آمدورفت رکھتے تھے۔ اچانک آپ کی استعداد اور خداداد قابلیت ظاہر ہوئی آپ نے گوشہ نشینی، کامل تنہائی، توکل کلی، اتباع سنت کا طریق اور صوفیاء کے احوال کو اس انداز سے اختیار فرمایا کہ اس سے زیادہ انسانی طاقت سے باہر تھا۔ صحیح روایات سے معلوم ہوا ہے کہ جب تمام تعلقات سے یکسو ہو گئے تو اپنی بیوی سے فرمایا ہم نے یہ راستہ شدائد کی کثرت کے باوجود اختیار کیا ہے اور کسی وجہ سے بھی اس راہ سے نہیں پھریں گے اگر ان تمام تکالیف کو برداشت کر سکتی ہو اور کھانے پینے کے لذائذ اور عمدہ لباس قبیلہ اور رشتہ داروں سے میل ملاپ سے قطع نظر کر سکو تو تم ہماری ساتھی ہو ورنہ نہیں اختیار ہے۔ ان کی بیوی نے ہمت کی نیلے کپڑے پہنے اور تمام زیورات اتار پھینکے۔ اس کے بعد حضرت والائے اپنے والدین کے گھر سے نکل کر مسجد فیروز آباد کے نزدیک حجرہ بنا کر رہائش اختیار کی۔ ان دنوں اکثر دو تین تین روز تک متواتر فاقہ سے رہتے اور اگر کچھ معمولی سی غذا میسر آتی تو وہ جو کچھ چند روٹیاں اور دہی ہوتا جو محمد جان طحان اور ان جیسے اور مخلصین لاتے تھے، آپ انہیں فقرا پر برابر برا بھلا تقسیم کر دیتے تھے، خود بہت قلیل پرکتفا کرتے اور دوسرے روز تک اسی طرح گزارتے آپ کے گھر میں دیگچہ چولہا درحلی وغیرہ قطعاً نہیں تھے۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ نے پوری برکت ظاہر فرمائی اور لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف متوجہ کر دیا۔ وسیع حویلی اور کشادہ روزی عطا فرمائی۔ اپنے ابتدائی حالات یوں بیان کرتے تھے کہ ایک فقیر تجربید کے انتہائی مقام اور بے سبائی کی آخری منزل پر فائز جو حضرت خواجہ محمد باقی کے خلیفہ شیخ تاج سنہلی کے اصحاب میں سے تھا خواجہ خورشید کے پاس آیا، اس پر قوی نسبت غیبوت طاری تھی خواجہ اس سے جو کچھ پوچھتے بڑی تاخیر اور تکلف سے جواب دیتے تھے حضرت خواجہ خورشید نے اس وقت فرمایا جو شخص خدا تعالیٰ کی معرفت کا طالب ہو اسے چاہیے کہ اس مرد سے

مردانہ وار تعلق قائم کرے جب میں نے یہ بات سنی تو میرے دل میں اس سے بیعت کرنے اور حصول طریقت کا خیال پیدا ہوا۔ میں نے استخارہ کیا اور حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی روح کی طرف متوجہ ہوا۔ میں نے آپ کو خواب میں دیکھا۔ گویا آپ شتی پر سوار دیا کی سیر کر رہے ہیں اور میں دیا کے کنارے پر آپ کی پشت کی طرف کھڑا ہوں۔ سچانک میری طرف متوجہ ہوئے آپ کے ایک ایک بال سے انتہائی چمکدار سورج طلوع ہو رہا ہے مجھے میرے نام سے پکارا۔ اس خواب میں ایسے امور مجھ پر منکشف ہوئے کہ اس فقیر کی محبت میرے دل سے جاتی رہی اور حضرت غوث الاعظم سے استفادہ کا دروازہ کھل گیا۔

فرماتے تھے ایک مرتبہ بیداری میں میں نے حضرت غوث الاعظم کو دیکھا۔ اس جگہ بڑے بڑے اسرار مجھے تعلیم فرمائے۔ فرماتے تھے ایک بار میں نے خواب میں دیکھا کہ آنجناب صفوف اولیا میں تشریف لائے جو مربع شکل میں بیٹھے ہوئے تھے اور ہر صف میں ایک ہزار ولی تھا۔ سیر روحانی کر رہے تھے۔ اس جماعت میں سے ہر شخص کے ہاتھ میں مور پھل تھا۔ میں اس جماعت سے الگ کنارے پر کھڑا تھا۔ میرے دل میں خیال پیدا ہوا جس پر آپ مطلع ہو گئے اور مجھے ایک صف میں داخل فرما دیا اور جو مور پھل آنحضرت کے ہاتھ میں تھا مجھے عنایت فرمایا۔ پھر آپ نے ہوا میں پرواز کی اور مجھے اس پرواز میں اپنا شریک بنایا۔ باقی تمام لوگ اسی جگہ پر پٹھرے رہے۔ پھر آنحضرت نے عصر کی نماز آسمان سوم میں مسجد عالی میں ادا فرمائی۔ دوسری مرتبہ میں نے آپ کو خواب میں دیکھا۔ میں نے عرض کیا۔ میرے آقا! میں چاہتا ہوں کہ آپ کے طریقہ کے کسی شخص سے بیعت کر دوں تاکہ جو کچھ میں نے آپ سے اخذ کیا ہے۔ اس کی تفصیل اس سے دریافت کروں۔ مجھے ایسے شخص کی جو اس کام کے لائق ہو۔ نشان دہی فرمائیے۔ فرمایا تیری بیعت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ ہوگی۔ چند روز کے بعد میں نے دیکھا گویا میں راستہ میں چلا جا رہا ہوں جس پر کوئی آدمی نہیں گزرنے والوں کے نشان پادکھائی دیتے ہیں۔ میں نے ایک شخص کو راستہ کے درمیان بیٹھے ہوئے دیکھا۔ میں نے اس سے راستہ پوچھا۔ اس نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ میری طرف آؤ۔ مجھے اس سے انشراح قلب حاصل ہوا۔ اس نے کہا۔ اے مسرت فتاہ! میں علی ہوں۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھیجا ہے تاکہ میں تجھے آپ کی خدمت



میں نے چلوں میں ان کے پیچھے پیچھے تیزی سے چلا جاتا تھا یہاں تک کہ ہم جناب رسالتاب کی خدمت میں پہنچ گئے۔ پس حضرت امیر نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ کے نیچے رکھا اور اپنا ہاتھ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں سے دیا اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہذا ابی ابی الرضا محمد۔ پس حضرت رسالتاب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر کی بیعت لی۔ اس جگہ میرے دل میں ایک خیال پیدا ہوا حضرت امیر اس خدشہ سے مطلع ہو گئے۔ فرمایا میں اسی طرح اولیاء کے درمیان بیعت کا وسیلہ ہوتا ہوں۔ لیکن دراصل تمام کی بیعتوں کا مرکز تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک ہے۔ پھر مجھے اشغال وادرا دکی تلمین فرمائی اور علوم و سیرا عطا فرمائے جس سے ان کا حصول میرے لئے آسان ہو گیا۔ اس واقعہ سے پہلے میں ذکر قلبی وہی میں مشغول تھا فرماتے تھے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا گویا کہ آپ نے مجھے اپنی ذات ساتھ متحد کر لیا اور خود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عین تصور کیا۔ اس وقت کسی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا آپ نے مجھے اشارہ فرمایا میں نے اس کا واضح جواب دیا۔ پھر مجھ سے جدا ہو گئے۔ اس واقعہ سے پہلے خواب میں حضور اکرم کی زیارت کا بہت شوق تھا۔ جب یہ اتصال و اتحاد حاصل ہو گیا وہ شوق جاتا رہا۔ ایسی لذت حاصل ہوئی کہ کوئی حسرت باقی نہ رہی۔

## آپ کی پسندیدہ زندگی تصرفات اور قلبی خیالات پر مطلع

### ہونے کا بیان

اجاب کی ایک جماعت نے بیان کیا ہے کہ بادشاہ عالمگیر نے کئی بار حضرت والا کی زیارت کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ مگر آپ نے قبول نہ کیا۔ امرار اور دولت مندوں کو آپ ہمیشہ حقیر سمجھتے تھے اور ان کی اور ان کے تحائف کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتے تھے مگر یہ کہ کوئی امیر حد سے زیادہ اصرار و مبالغہ کرے۔ لیکن غریب معتقدین مثل موچی۔ نانہائی وغیرہ چارپانچ پیسے بھی پیش کرتا تو بڑی کشادہ دل سے اپنے ہاتھ سے لیتے۔ صحیح روایات سے معلوم ہوا ہے کہ آپ جمید عالم فصیح اللسان۔ بے انتہا متقی۔ علوم معرفت کے ماہر۔ براق نورانی چہرے۔ دراز قد۔ گوڑے

ہلکی داڑھی نرم گفتار تھے۔ جمعہ کی نماز کے بعد وعظ کہتے تھے۔ تین احادیث بڑی ترتیل کے ساتھ زبانی پڑھتے تھے۔ احادیث پڑھتے وقت مجلس کے ہر گوشہ پر توجہ فرماتے تھے۔ اس کا فارسی میں ترجمہ کرتے اور اسی صحت اور ترتیل کے ساتھ ہندی میں اس حدیث کے جو مضامین مناسب ہوتے بیان فرماتے تھے جن میں مبالغہ کی بجائے اعتدال ہوتا۔ شروع میں تمام علوم پڑھایا کرتے تھے۔ لوگ بڑے ذوق شوق سے ان کی تقریر سننے کے لئے جمع ہوتے اور آخر میں دو اسباق تفسیر ضیاء و سی اور مشکوٰۃ کے سوا کوئی اور سبق نہیں ہوتا تھا۔ اکثر اوقات توجہ الی اللہ میں رہتے یا خواص اصحاب کے ساتھ معرفت کی باتیں بیان کرنے میں گزارتے آپ وحدت وجود کے قائل تھے۔ اس باب میں ان کی بڑی تحقیق تھی اپنی مجالس میں صوفیاء کے مشکل کلام حل فرماتے تھے۔ اس فقیر نے شیخ معظم پہلوی سے سنا ہے کہ عہد اورنگ زیب کے آغاز میں سلطنت کے ایک حصہ پر ستنامیوں نے قبضہ کر لیا تھا ان کے مقابلہ کے لئے مسلمانوں کی افواج متعین کی گئیں سخت مقابلہ ہوا اور مشہور ہو گیا کہ فریقین میں سے کوئی مغلوب نہیں ہوگا۔ اس وجہ سے بادشاہ اور ارکان سلطنت پریشان ہو گئے۔ اس سلسلہ میں اجانب نے دعا کی درخواست کی حضرت والانے دعا فرمائی۔ جو مقبول ہوئی اسکے بعد زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ آپ نے فرمایا مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور کفار مکمل طور پر تباہ اور شکست کھا گئے۔ دوست اجاب جب مجلس سے اٹھ کر بازار و کوہ میں گئے تو انہوں نے یہ خبر مشہور کر دی رفتہ رفتہ یہ خبر اورنگ زیب کو بھی پہنچی۔ حیران ہوا کہ ہر کسے ابھی تک یہ خبر نہیں لائے یہ افواہ کہاں سے پھیلی۔ تلاش شروع کر دی کسی شخص کو حضرت والانے کی خدمت میں بھیجا۔ اپنے پوری تفصیل سے ان واقعات سے باخبر کیا چند دنوں کے بعد بغیر کسی فرق کے اسی قسم کی خبر پہنچی۔ وہ یہ بھی ذکر کرتے تھے کہ ایک مرتبہ ان کے دل میں خیال آیا کہ ایسا موٹا کپڑا جو ایک دو سال تک کافی ہو۔ تیار کرنا چاہیے کیونکہ یہ تقویٰ اور دلی وسوس کو دور کرنے میں مدد دیتا ہے کشمیر کے ایک شخص کے ذمہ یہ کام کیا وہ اون کا نہایت سخت کپڑا لایا۔ حضرت والانے اسے ایک دن رات پہنا پھر چاشت کی نماز پڑھ کر بیٹھے ہوئے تھے اور مجلس میں سکوت تھا تو آپ مسکرانے راوی نے تبسم کی وجہ پوچھی۔ تو اپنے فرمایا حق سبحانہ و تعالیٰ نے الہام بھیجا ہے کہ شاید یہاں سے خزانہ میں کوئی کمی ہے جو لوگوں نے

اس کپڑے کو پسند کیا ہے۔ تمہارے تمام حالات کے ہم کفیل ہیں۔ ہم تجھے ناز و نعم میں رکھنا چاہتے ہیں۔ ان کپڑوں کو تار دو جلد ہی تمہارے لائق لباس ہم بھجواتے ہیں۔ اس کو انہوں نے اتار دیا اور لباس موعود کا انتظار کرنے لگے۔ جلد ہی ایک بڑھیا ان کے دروازہ پر آئی اور داخل ہونے کی اجازت طلب کی۔ راوی کو اپنے بھیجا کہ اگر کپڑا شمال در شمال جس کا رنگ فلاں اور اس پر پھول پھول ہو تو قبول کر لو اور کہو کہ تمہارا نذرانہ مقبول ہے۔ اور اگر کسی اور وضع کا ہے تو واپس کر دو۔ آپ کے فرمان کے مطابق نکلا۔ اسے پہن کر خدا کا شکر بجالائے۔ اس روز کے بعد سے ان کا لباس ہمیشہ امیرانہ ہوتا تھا اور بغیر طلب کے ہوتا۔ بیان کرتے تھے کہ شروع شروع میں دو تین روز قاتل رہا۔ کوئی کھانے کی چیز میسر نہ آئی۔ اس وقت مخلصین میں سے ایک شخص آیا اور کہا میرے گھر میں کھانا تیار ہے قدم رنج فرمائیں۔ آپ اٹھے اور چل دیئے جب اس مخلص کے گھر پہنچے وہ عورتوں کو ایک طرف کرنے کے لئے گھر میں داخل ہوا۔ وہاں حضرت والا پر چارپائی جو دروازہ میں رکھی ہوئی تھی گر پڑی اور شدید چوٹ آئی اور بے ہوش ہو گئے۔ افاقہ کے بعد فوراً گھر لوٹ آئے اور کہا کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اس بات پر تنبیہ ہے کہ امر معاش میں تمہیں کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ خدا تعالیٰ کی کفالت کا منتظر رہنا چاہیے۔ اس کے بعد مہمانی کے طور پر بھی بغیر شد ضرورت کے کسی کے گھر نہیں جاتے تھے۔ راوی یہ بھی بیان کرتا تھا کہ حضرت والا ایک روز آغاز کار میں صبح کے مراقبہ کے بعد اٹھے اور بھنگ نوشوں کے تکیہ میں جا کر خاموش بیٹھ گئے۔ ان کا ارادہ عصمت حق کے ظہور کو دیکھنا تھا۔ جب بھنگ فروش بھنگ کا پیالہ ان کی طرف لاتا تھا تو اہل مجلس میں سے کوئی شخص اس کا ہاتھ پکڑ لیتا تھا کہ اس شخص کو نہ دو۔ چند مرتبہ ایسا ہی ہوا۔ اس کے بعد نماز کا وقت آگیا۔ ان کا دل مضطرب ہوا لیکن ضبط کر کے بیٹھے رہے۔ امام مسجد وہاں قریب ہی رہتا تھا اور بھنگ نوشی بھی کرتا تھا۔ اٹھا اور ان کے ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ ہر چند انہوں نے انکار کیا مگر اس نے نہ چھوڑا اور کشاں کشاں مسجد میں لے گیا وضو کے لئے پانی پیش کیا اور ان کو امام بنایا اس کے بعد ان کا دل مطمئن ہو گیا اور ان کو معلوم ہو گیا کہ عفت اور تقویٰ ایک امر معلوم ہے وہ چاہیں نہ چاہیں ان کے اختیار کے بغیر ان کو اس پر رکھتے ہیں۔

راوی بیان کرتا تھا کہ رستم اور اسدا اللہ نے جب اہل پھلت کو تکلیف دی تو میں نے اس کا تذکرہ حضرت والا کی خدمت میں کیا اور درخواست کی کہ آپ عاقل نماں کو رقم لکھیں تاکہ ان کی فریاد کو پہنچے۔ اس کے بعد حضرت والا کی طبیعت میں اشراق کی نماز کے بعد جوش پیدا ہوا اور فرمایا کہ تم چاہتے ہو کہ تمہارے حالات عاقل خاں کو لکھوں میں تمہارے حالات حقیقی بادشاہ کے پاس کیوں نہ پہنچا دوں۔ پھر آپ نے توجہ فرمائی اور ان دونوں کی ہلاکت کی خوش خبری سنائی۔ راوی قصہ دکن میں بادشاہ کے پاس گیا۔ وہ دونوں گرفتار ہو کر لشکر میں گئے اور جلد ہی شدید مرض میں مبتلا ہو گئے۔ پہلے رستم بیمار ہو کر مر گیا۔ اس کے بعد اسدا اللہ بھی بیمار ہو گیا۔ لشکر خمان ایک شخص تھا اس نے راوی سے کہا کہ فلاں کے حق میں دعا کرو۔ اس نے کہا مجھے تو ان دونوں کے دفن کرنے کا حکم ہے۔ جلد ہی وہ بھی ہلاک ہو گیا۔

اس فقیر نے شیخ مظفر رشتکی سے سنا ہے کہ ایک مرتبہ مجھ پر زبردست خوف طاری ہوا میں روتا اور ہائے ہانے کے نعرے لگاتا تھا۔ حضرت والا نے فرمایا۔ بابا! خدا تعالیٰ نے اپنے طالبین کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک گروہ کو خوشی و شادمانی کے راستہ سے بلا یا ہے اور ایک گروہ کو غم و اندوہ کے راستہ سے۔ یہ ازلی تقسیم ہے۔ حضرت والا سے گریہ زاری اور غم وغیرہ کا کبھی اظہار نہیں ہوا۔ ہمیشہ خوش دل اور شادمان رہتے تھے۔ وہ یہ بھی بیان کرتے تھے کہ حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ جب کسی سالک کے باطن پر اپنی صفات زجر و توبیح کی تجلیات کا ظہور فرماتے اور اس سے ہر قلیل و کثیر آداب پر مواخذہ شروع کر دے اور برداشت کی طاقت اس میں نہ ہو تو اسے دنیا کی باتوں اور امور معاش میں مشغول ہو جانا چاہیے۔ یہ عمل اس غم کو فرو کر دیتا ہے۔ وہ یہ بھی بیان کرتے تھے کہ شروع شروع میں میں جب رشتک سے آتا تھا تو نبات کا تحفہ لاتا تھا۔ آپ اسے ہرگز قبول نہیں فرماتے تھے۔ کیونکہ بستنیوں اور دیہات کے لوگوں کی زبردستی شرعی قانون کے مطابق نہیں ہوتی۔ پھر میں نے یہ دستور ترک کر دیا لیکن کچھ نہ کچھ ان کے بچوں کو دیتا تھا کچھ نبات ہدیہ کے طور پر پیش کرتا۔ آخر میں ایک بار آپ کی خدمت میں آ رہا تھا تو دو نبات کے مزبان ان کے بچوں کو دینے۔ بچے حضرت والا کی خدمت میں لے گئے۔ اس میں سے کچھ لے کر کھایا اس کے بعد ایک روز میری طرف توجہ ہو کر کہا۔

ہم نے تمہاری نبات کو کھایا اور ہاتھ اٹھا کر انہیں جھاڑا یعنی ہم نے ان تمام زائدہ تورعات کو ترک کر دیا۔ اب شریعت کے ظاہر حکم پر عمل کرتے ہیں۔

یہی راوی بیان کرتے ہیں کہ جب درگداس کے واقعہ سے رہتک کا گرد و لواج دیران ہو گیا تو میں تمام قبائل کو دہلی لے آیا۔ اس وقت تمام زمیندار درندے بن چکے تھے باوجود کثرت قبائل عورتوں اور ساز و سامان کے ساتھ میرے بغیر کوئی دوسرا مرد میدان نہیں تھا خلاف توقع راستہ کے فتنوں سے ہم محفوظ رہے۔ ایک جگہ دیہاتی جمع ہو گئے اور دست درازی کرنا چاہی میں نے مکان میں تیر چڑھا کر ان پر حملہ کیا۔ وہ سکت کھائے خیمہ یا چھپر کے پیچھے چھپ گئے جب میں حضرت کی خدمت میں پہنچا تو بڑی خوش دلی سے ملے اور فرمایا، ہم اس سفر میں تمہارے ساتھ تھے اور تمہاری امداد اور حفاظت کرتے تھے کیا تو نے نہیں دیکھا کہ جب دیہاتیوں نے دست درازی کرنا چاہی اور تو تنہا تھا ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے فلاں آفت کو ان پر سے مارا۔ یہاں تک کہ وہ ہمیشہ زندہ ہو گئے اور چھپر کے پیچھے ہو گئے۔

یہ راوی یہ بھی بیان کرتے تھے کہ بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ لوگ آپ سے واضح مسائل کے متعلق سوال کرتے تھے حضرت والا اپنی آنکھوں کو بند کر دیتے اور سوچ میں پڑھ جاتے تھے کچھ دیر کے بعد جواب بیان کرتے تھے کسی ساتھی نے اس کے متعلق سوال کیا تو فرمایا کہ جب یہ سوال کرتے ہیں تو میرے سامنے بے شمار جوابات ہوتے ہیں اور وہ جوابات اپنے آپ کو مجھ پر پیش کرتے ہیں میں سوچتا ہوں کہ کونسا جواب مسائل کی سمجھ کے مطابق ہے۔

یہی راوی بیان کرتے ہیں کہ حضرت والا جب مسجد میں جانا چاہتے تھے تو مسجد کے نزدیک کھڑے ہو جاتے تھے اور بائیں پاؤں کو جوتی سے نکال کر اس کے اوپر رکھ دیتے تھے پھر دایاں قدم مسجد میں رکھتے تھے۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ اس صورت سے مقصد یہ ہوتا تھا کہ دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے اور حدیث لیکن الیہنی اولہما تنعل والخرہما تنزع اور حدیث کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یحب التیامن فی شانہ کلہ۔ یہ عمل سنت نبوی کی رعایت اور احتیاط کی عجیب نظیر ہے۔

یہی راوی بیان کرتے ہیں کہ جب میں آپ کے ساتھ منسلک ہوا اور میرے حال کی طرف

متوجہ ہونے تو مجھ پر توجید کے دروانے کھل گئے۔ ان دنوں کم و بیش تین روز میرا علم منظر مقید سے علیحدہ ہو گیا اور بظاہر ہستی مطلق کے ساتھ پویست ہو گیا۔ حضرت والانے شیخ عبد الحفیظ سے فرمایا کہ اس کی دیکھ بھال کرو اور حجرے میں قید کرو۔ ان دنوں میں بعض اوقات کہتا تھا کہ اگر میں چاہوں تو بارش برسا دوں اگر چاہوں تو بار دوں اگر چاہوں تو زندہ کر دوں اور حضرت والامیرے ساتھ بیت انکساری کرتے تھے فرماتے تھے کہ ادب یہی ہے کہ ہر وہ شخص جس پر یہ حال وارد ہو ایسا ہی سلوک کیا جائے جب افاقہ ہو گیا تو حضرت والانے یہ ہندی شعر بطور مثال پڑھا۔ دوہرہ

کنتھارن مول تیرہ کرکھاندا باہ سنگہ      باچہ چرہ ہی ژندا پانا چہ چڑھی کلنک  
یہی راوی بیان کرتے ہیں کہ رہتک سے ایک جماعت کسی تقریب سے دہلی آئی انہوں نے ایک روز ارادہ کیا کہ اٹھے حضرت والا کی زیارت کو جائیں۔ راستہ میں ایک شخص نے آپ کے مناقب اور کرامتیں بیان کیں۔ دوسرے شخص نے کہا اس قسم کی باتیں لوگ بہت بیان کرتے ہیں۔ لیکن میں جب تک اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں تصدیق نہیں کروں گا۔ مثال کے طور پر یہ ہندی بیت پڑھا۔

جب لک نہ دیکھوں اپنی پننا      تب تک نہ بچوں کر کے بنیا  
اور کہا ان کو آج مجھے خصوصیت کے ساتھ ملو اور نان کھلانی چاہیے۔ جب وہ پہنچے اور ملاقات کی۔ حضرت والانے ہر ایک کے حالات دریافت فرمائے اور ہر باتیں کیں جیسا کہ آپ کی عادت شریفہ تھی۔ پھر آپ نے گھر سے نان اور حلوہ طلب فرمایا اور اس شخص کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ خاص اس کا حصہ ہے۔ اور وہی دوسرا ”جب تک نہ دیکھوں اپنی“ الخ پڑھا۔  
اس فقیر نے سید عمر حساری سے سنا ہے کہ ایک روز حضرت والانے صلح رنگ کی ایک چادر اڑھی ہوئی تھی اور ہرن کی خوبصورت کھال پر بیٹھے تھے۔ وہ چادر اور کھال مجھے بہت پسند آئی اس قسم کی چادر اور کھال کی جستجو اور تلاش کا مجھے خیال اور دغدغہ پیدا ہوا جو کسی طرح دور نہیں ہو سکتا تھا۔ حضرت والا جب مجلس سے اٹھے۔ مجھے فرمایا۔ تم بیٹھو مجھے تم سے کچھ کام ہے۔ اس پر شرمینی کے کچھ داغ تھے۔ اپنے ہاتھ سے ان کو دھویا اور چادر اور ہرن

کی کھال دونوں کو تہ کر کے اپنے ہاتھ سے مجھے عنایت فرمائیں اور فرمایا کہ اس قسم کے خیالات ادویا کی مجلس میں دل میں نہیں لانے چاہیے۔

یہی راوی بیان کرتے ہیں کہ ایک روز حضرت والا اور شیخ عبدالاحد ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ شیخ عبدالاحد نے پوچھا فلاں کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔ فرمایا میں نے فرشتوں کو دیکھا کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ مناظرہ کرتے تھے۔ ایک نے کہا کہ وہ صاف اور پاکیزہ دل رکھتا ہے۔ دوسرے نے کہا۔ کیا فائدہ جبکہ وہ شرع کے موافق نہیں۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ یہ ایک بزرگ تھے اپنے زمانہ کے بہت سے لوگ اس کے معتقد تھے لیکن وہ پرکار باتیں بہت کرتے تھے۔

اس فقیر شاہ دلہ اللہ نے گلشن شاعر سے سنا کہ شویش عشق اور طلب سلوک کی ابتداء میں نے اپنے چہرہ کو سیاہ کر لیا تھا اور کوچہ و بازار میں پھرتا تھا جب میں محلہ فیروز آباد میں پہنچا میں نے دیکھا کہ حضرت والا تشریف فرما ہیں۔ میں ان کی خدمت میں پہنچا اور جوتیوں کی جگہ پر بیٹھ گیا۔ اس وقت آپ نے حاضرین میں سے ایک کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اس قسم کی رسوائی و ذلت کے خطرات اختیار کرتے ہیں اور لوگوں کو دکھاتے ہیں کہ ہم خدا کے لئے کرتے ہیں۔ اولیاء کی خدمت کرتے ہیں اور اس بات سے نہیں ڈرتے کہ ان کے دل کے راز اس گروہ پر ظاہر ہیں پھر میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا چلے جاؤ۔ میں بڑا شرمندہ ہوا اور ان وساوس کی برائی سے آگاہ ہو گیا۔

سنا گیا ہے کہ حضرت والا کو بچپن میں پنکھوڑھے میں سلاتے تھے تو بغیر کسی ہلانے والے کے آپ کا گھجولا جھوٹا رہتا تھا۔ لوگ پنکھوڑھے کو دیکھتے کہ متحرک ہے۔ حالانکہ اس کے نزدیک کوئی بھی نہیں توجیران ہوتے۔ یہ بھی سنا ہے کہ ایک جن عبدالشذنامی علوم پڑھتا تھا اور معارف سنا کرتا تھا حضرت والا فرماتے تھے کہ جو شخص میرے پاس آتا ہے اس کے تمام احوال و افعال مجھ پر منکشف ہو جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ ایک منکر میرے پاس آیا اور شاخ کے انکار کا اظہار کیا میں نے کہا۔ اے کتے تو ان کو کیا جانتا ہے۔ اس نے غصہ سے تلوار کھینچ لی اور مجھ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا میں نے اس پر اپنے قہر و غضب کا تصرف کیا اس نے

نے آگ دیکھی قریب تھا کہ اس میں جل جائے۔ اس نے توبہ کی اور گڑ گڑایا۔ میں نے اس ہلاکت سے اسے نجات دے دی۔ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ مسجد میں ایک عورت کا جنازہ لائے تاکہ آپ اس پر نماز جنازہ پڑھیں۔ حضرت والانے فرمایا اس کی روح ابھی اس سے جدا نہیں ہوئی اس صورت میں اس پر نماز جنازہ درست نہیں ہوتی۔ اس کے دربار نے مبالغہ کیا کہ یقیناً یہ مردہ ہے حضرت والانے فرمایا وہ نہیں مری۔ آخر کار اس کے منہ سے کپڑا ہٹایا ابھی جان اس میں باقی تھی۔ وہ اسے واپس لے گئے۔ ایک روز بعد وہ عورت فوت ہوئی۔ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ آپ کے خدام میں سے ایک شخص بڑے فعل کا مرتکب تھا۔ حضرت والانے کسی مجلسوں میں رمز و اشارہ سے اسے بڑے فعل سے منع فرمایا مگر وہ نہ چونکا اور نہ ہی اس فعل سے باز آیا۔ حضرت والانے اسے خلوت میں طلب فرمایا اور کہا میں نے تجھے کئی مرتبہ اشاروں کنایوں سے سمجھایا لیکن تو نے پرواہ نہ کی تیرا خیال ہے کہ ہم تیرے کرتوتوں سے بے خبر ہیں۔ اگر چھوٹی زمین کے سب سے نچلے طبقے میں ہو اور اس کے دل میں سو خیالات آئیں تو میں ان میں سے ننانوے خطرات کو جانتا ہوں اور حق سبحانہ و تعالیٰ پورے سو خطرات کا عالم ہے پس اس شخص نے توبہ کی۔

حضرت والانے فرماتے تھے ایک روز میں روزہ دار تھا مجھ پر بھوک پیاس نے غلبہ کیا۔ ذکر کرتے ہوئے مجھے غیبی موت اور استغراق حاصل ہوا۔ میں نے عالم مثال میں دیکھا کہ ایک شخص مجھے دودھ کا پیالہ دے رہا ہے میں نے اسے پیا۔ جب میں ہوشیار ہوا تو میں نے اپنے منہ سے دودھ کے قطرات نکلتے دیکھے۔ میں ڈرا کر میرا روزہ تباہ ہو گیا۔ میرے دل میں الہام ڈالا گیا کہ یہ غذا محض مشیت ایزدی سے عالم مثال میں تیرے اختیار کے بغیر دی گئی ہے عالم شہادت سے اس کا تعلق نہیں۔ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

حافظ عنایت اللہ نے حکایت بیان کی ہے کہ ایک شخص نے علم حاصل کیا تھا اور مجادلہ اور مناظرہ سے انتہائی شوق تھا۔ ایک دن اس نے مجھے کہا کہ میں اس شہر کے تمام فضلاء کو مغلوب کر چکا ہوں۔ میں نے کہا کبھی آپ شیخ ابوالرضا محمد کی مجلس میں حاضر ہوئے ہیں اور ان کی زیارت کی ہے۔ اس نے کہا میں نے سنا ہے کہ لوگوں کو تفسیر حسینی سے وعظ و نصیحت کرتے ہیں انہیں کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ میں نے کہا ایسا مت کہیے۔ ان کی زیارت کیجئے تاکہ ان کا علم اور



حال آپ کو معلوم ہو۔ اگلے جمعہ میں وہ وعظ کی مجلس میں آیا اور اس کے دل میں مناظرہ کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ حضرت والا اس کے خیال سے آگاہ ہو گئے۔ اس میں ایسی تاثیر کی کہ اس کا علم جاتا رہا اور اس کے حافظہ میں صرف و نحو کا کوئی قاعدہ نہ رہا۔ دوسرے علوم کا تو ذکر ہی کیا تھا اور بات سمجھنے کی صلاحیت جاتی رہی۔ اسے معلوم ہوا کہ یہ حال حضرت والا کے تصرف سے ہوا ہے۔ شرمندہ ہوا اور توبہ کی اور باطنی طور پر حضرت والا سے تضرع کی۔ حضرت والا نے اس کا علم اسے واپس دے دیا اور پہلی حالت پر لے آئے۔ اس نے نیاز مندی کا اظہار کیا آپ نے فرمایا میں عالم نہیں ہوں۔ عوام کو تفسیر حسینی سے وعظ و نصیحت کرتا ہوں۔ اس نے اور زیادہ عاجزی و انکساری کی اور کہا میں نے اپنے قول و فعل سے توبہ کی اور آپ سے بیعت ہونا چاہتا ہوں۔ حضرت والا نے اس کی بیعت قبول نہ فرمائی اور فرمایا وہ تختی جس پر لکھا ہوا ہو۔ کام نہیں دیتی۔

رحمت اللہ بوجہ حکایت بیان کرتا ہے کہ حضرت والا جس دوران مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے اور میں حضور کے سامنے ایک درخت کے نیچے کھڑا تھا۔ ایک شخص نے حضرت والا کی خدمت میں عرض کی کہ بایزید بسطامی بعض اوقات کسی کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے تو قوت جذبہ نظر کی تیزی سے مرجاتا تھا۔ آجکل ہم مشائخ کا غلغلہ تو بہت سنتے ہیں لیکن کسی شخص میں ایسی بطنی قوت نہیں پاتے۔ حضرت والا کو غیرت آئی۔ فرمایا بایزید روح کو کھینچ لیتے تھے لیکن اسے لوٹا نہیں سکتے تھے۔ لیکن میرے دل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قلب اطہر کے زیر سایہ تربیت دی ہے اور ایسی قوت عطا فرمائی ہے کہ میں اگر چاہوں تو روح کو جسم سے کھینچ لوں اور اگر چاہوں تو لوٹا دوں۔ پھر حضرت والا نے میری طرف دیکھا اور میری روح کو جذب کر لیا۔ میں زمین پر گر پڑا اور مر گیا۔ اور اس دنیا کا مجھے کوئی شعور نہ رہا۔ سوائے اس بات کے کہ اپنے آپ کو ایک بہت بڑے سمندر میں غرق پایا۔ بس آپ سائل کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اسے دیکھو زندہ ہے یا مردہ۔ اس نے غور کیا اور کہا مردہ ہے۔ فرمایا اگر تو چاہے تو اسی طرح مردہ چھوڑ دوں۔ اور اگر تو چاہے تو میں اسے زندہ کر دوں۔ اس نے کہا اگر یہ زندہ ہو جائے تو بڑی رحمت ہوگی۔ حضرت والا نے دوسری مرتبہ توجہ ڈالی تو میں زندہ ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ تمام حاضرین حضرت والا کی قوت حال سے متعجب ہوئے۔

حضرت والا کے معتقدین کی ایک جماعت نے بیان کیا کہ آپ کی مجلس میں تصوف کے مسائل زبان سے نہیں دریافت کرتے تھے مگر بہت کم بلکہ سوال قلوب اور خیالات کے ذریعہ ہوتا تھا جب کسی کے دل میں شبہ پیدا ہوتا تو آپ اس سے آگاہ ہو جاتے اور اس کا جواب دیتے اور اگر اس کے بعد دوسرا شبہ پیدا ہوتا تو اس کا جواب دیتے۔ اسی طرح وہ جواب دیتے رہتے یہاں تک کہ سائل مطمئن ہو جاتا۔

سنا گیا ہے کہ محمد عاشق نے ملا یعقوب اور حضرت والا دونوں سے استفادہ کیا تھا توحید کے مسئلہ میں اسے تردد تھا۔ ملا یعقوب کی باتیں آپ کی خدمت میں پیش کرتا اور حضرت والا کی باتیں اس کے پاس پہنچاتا تھا۔ جب یہ معاملہ طویل ہوا تو ایک روز ملا یعقوب نے کہا میں خود جا کر بالمشافہ بات کرتا ہوں اور آپ کے نظریات کو باطل کرتا ہوں حضرت والا کی خدمت میں پہنچا تو ساکت رہ گیا اور کچھ نہ کہا جب وہ مجلس سے اٹھا تو اس سے لوگوں نے خاموشی کا سبب پوچھا اس نے کہا جب میں آپ کے ہاں پہنچا میرے تمام علوم چھین لئے گئے۔ الف۔ باتا بھی میں نہیں پڑھ سکتا تھا۔

## حضرت شیخ ابوالرضا محمد حج کے ملفوظات

فرماتے تھے کہ میں مجلس ذکر میں تھا وہاں میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پہلو میں تشریف فرما ہیں جب میں نے آنکھ کھولی تو کچھ محسوس نہ ہوا۔ اس میں یہ راز تھا کہ یہ شاہد عالم مثال میں تھا۔ ظاہر آنکھوں سے دیکھنا عالم شہادت سے تعلق رکھتا ہے۔

فرماتے تھے کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت حالت مختلفہ میں دیکھنے والے کے احوال کے اختلاف کی وجہ سے ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آئینہ کی مانند ہیں۔ ہر شخص آئینہ میں اپنے چہرہ کو دیکھتا ہے۔ اسی لئے بدعتی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مریض کی صورت میں دیکھا۔ گویا اس شخص سے متاثر ہوئے ہیں اور اسی وقت متبع سنت نے نوجوان کی صورت میں انتہائی بشاشت میں مشاہدہ کیا۔ اسی طرح حق سبحانہ و تعالیٰ کا مشاہدہ ہے کہ اس کو عروج و نزول اور تقید نہیں بلکہ حق سبحانہ و تعالیٰ اسی طرح ہے جیسا کہ تھا اس

شخص نے عالم مثال یا خواب میں کسی صورت و ہیئت میں مقید دیکھا وہ گمان کرتا ہے کہ آئینہ مقید ہے نہیں نہیں۔ آئینہ اپنی حالت پر ہے۔ جو پابندی بھی ہے وہ دیکھنے والے کی طرف سے ہے۔ ایک مرتبہ فرمایا ان چار راویوں میں شیخ اکبر محی الدین محمد بن العربی کو میں نے مسلسل خواب میں دیکھا اور آپ کے عجیب و غریب مقامات اور معارف سے آگاہ ہوا۔ اس مقام میں میں نے ان سے سنا کہ حق تعالیٰ کو باعتبار کبارۃ یعنی اس کی ذات کے تصرفات کے ایک نام ہے اور وہ کہار ہے۔ فرماتے تھے کہ اس لفظ کو اس واقعہ سے پہلے کسی جگہ نہیں سنا تھا۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ کبر عربی کے معنی میں آیا ہے اور ایک قرأت میں امال الیتیم فلا کھما ہے اور حدیث میں آتا ہے۔ فوالله ما کھرنی ولا ضربتی اور لفظ قہر کا مرجع اور منشا اپنی تمام درو اعانت سے ہاتھ کھینچ لیتا ہے اس لحاظ سے کہہ کا استعمال ذات حق کے تصرف کے طور پر آیا ہے اور ذات حق پر اس کا اطلاق صحیح ہوا اور صیغہ کبارت کا استعمال صرف لفظ صرفت پر حمل کی وجہ سے ہے۔ واللہ اعلم۔

فرماتے تھے ایک مرتبہ میں دعائیں مشغول تھا اچانک میں نے ایک شخص کو دیکھا جو دروازہ میں کھڑا ہے اور میری طرف پیٹھ کئے ہوئے ہے میں حیران ہوا میرے دماغ میں یہ بات ڈالی گئی کہ یہ فرشتہ ہے جو اس دعا کے پڑھنے کی وجہ سے تمہاری حفاظت کرتا ہے۔ راقم حروف کہتا ہے گویا پشت ان کی طرف اس لئے کی کہ عالم ملکوت کا دروازہ دوسری طرف ہے اور عالم ناموت کا دروازہ دوسری طرف۔

فرماتے تھے میں نے لوح محفوظ میں لکھا ہوا دیکھا۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسنات الابرار سینات المقربین۔ کاتب حروف لکھتا ہے کہ اگرچہ بہت سے محدثین علمائے کبار نے کہا ہے کہ یہ حدیث نہیں ہے۔ بلکہ قول سلف ہے۔ مگر حقیقت میں یہ حدیث ہے۔ فرماتے تھے ایمان کی ایک حد مقرر ہے جب وہاں پہنچ جاتا ہے تو سرگزمسند نہیں ہوتا اسی طرح اعمال کی بھی حد مقرر ہے۔ جب اس حد تک پہنچ جائیں تو سرگزمردود نہیں ہوتے۔ اور ایمان کی کم از کم حد یہ ہے کہ مومن اپنے سینہ میں نور محسوس کر لے۔ پھر فرمایا ایک رات میں نے اپنے سینہ میں روشن چراغ کی مانند نور دیکھا میں نے اس نور کے ساتھ گھر کا تمام سامان

اور گھر کے اطراف دیکھے۔ اور خدا تعالیٰ نے میری طرف الہام کیا کہ وہ ایمان جو میرے نزدیک مقبول ہے۔ اس نور کی مانند ہے۔ میں اسے سلب نہیں کرتا۔ کیونکہ اس نور ایمان کی وجہ سے دبیز پردے مرتفع ہو گئے ہیں۔ کاتب الحروف کہتا ہے کہ نور ایمان سے مراد نورِ طہارت اور نورِ طاعات ہے جیسا کہ ہم نے اسے اپنے مقام پر بیان کیا ہے۔

فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں نے چشمِ حقیقت سے دیکھا کہ میرے دائیں پاؤں کو شیخ بائزید بسطامی کے پاؤں سے اور میرے بائیں پاؤں کو سید الطائفہ جنید بغدادی کے پاؤں کے ساتھ باندھ دیا ہے۔ پس میں نے شیخ بسطامی کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو انہیں مکمل غیبی اور مدہوشی میں پایا۔ شیخ جنید کو دیکھا تو وہ ہوش میں تھے۔ میں ان دونوں کے درمیان تھا۔ کاتب حروف کہتا ہے کہ یہ واقعہ ہر دو بزرگوں کے جذبِ سلوک پر دلالت کرتا ہے کیونکہ شیخ بسطامی اہل سکر سے ہیں اور شیخ جنید اہل صحو سے اور سکر کا جذب کے ساتھ تعلق ہے اور صحو کا سلوک کے ساتھ رابطہ ہے۔

فرماتے تھے ایک بار میں اپنے اسماء صفات کی طرف متوجہ ہوا تو میں نے انہیں ننانوے سے زیادہ پایا۔ جب میں نے ان کا اچھی طرح تجزیہ کیا تو وہ چار ہزار سے زائد تھے میں نے اچھی طرح جستجو کی تو وہ غیر محصور اور لامحدود تھے۔ پس میں نے اس حالت میں اپنے نفس کو دیکھا کہ میں ایک جہان کو پیدا کرتا ہوں اور ہلاک کرتا ہوں اور اس قسم کے حالات ولایت کبریٰ والوں کے بہت ہوتے ہیں۔ کاتب حروف کہتا ہے کہ اس کا سبب یہ ہے کہ وجود تمام استعداد کا جامع ہے جس میں نقطہ وجود بیدار اور تدبیر کلی جو کہ طبیعت مدبرہ کلیمہ مانی الکون کا مقتضی ہے ہو اور روش روشن ہو تو اس کی زبان سے اس نقطہ وجود کے معارف اور تدبیر کلی بیان ہوتے رہیں گے اور وہ اس حاسہ سے دیکھتا ہے۔ واللہ اعلم۔

فرماتے تھے بیس سال سے میں نہیں سویا لیٹ جاتا ہوں اور اپنے اوپر چادر تان لیتا ہوں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ میں سو رہا ہوں۔ کاتب حروف کہتا ہے کہ اس بات کی تاویل یہ ہے کہ عرف عام میں خواب غفلت اور ذہول کو کہتے ہیں اور آپ سے یہ دونوں چیزیں اٹھا دی گئی ہیں۔ فرماتے تھے کہ آدمی کی نجات عقائد میں بغیر کسی کمی بیشی کے انبیاء کی تخلیق

میں ہے جیسا کہ قدام اہل سنت کا مذہب ہے۔ بخبر اس آدمی کے جسے کوئی صاحب کشف بعض عقائد کی تفصیل و تحقیق سے متنبہ کرے۔

فرماتے تھے محقق متکلمین حقیقت ممکن اور حقیقت واجب کے درمیان بتائین سے ایسا معنی مراد لیتے ہیں جو صوفیا کی تحقیقات کے خلاف نہیں اور اگر اچھی طرح تو اس کا تجزیہ کرے گا محقق متکلمین اور صوفیاء کے درمیان بہت معمولی اختلاف رہ جائیگا۔ قدام متکلمین کے کلام کو صوفیاء کے مفہوم پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ کاتب حروف کہتا ہے کہ صوفیاء علوم جمع اور فرق کی تاریکیوں پر مشتمل ہیں اور متکلمین کے علوم صرف فرق پر منحصر ہیں اسے مخالفت نہیں کہا جاسکتا۔ بلکہ یہ بعض اشیاء کو چھوڑ کر بعض پر اکتفا کرتا ہے۔ واللہ اعلم۔

فرماتے تھے کہ توحید کے اعتقاد سے جو یقینی وجدان اور قطعی بہان سے ثابت ہے۔ شکی لوگوں کے وہی شبہات اور ان کے ترددات جو نا سمجھی اور عدم تدبیر سے پیدا ہوتے ہیں۔ کی وجہ سے روگردانی نہیں کی جاسکتی۔

فرماتے تھے تہذیب اخلاق اور صفات ذمیرہ سے خروج کی وجہ اگرچہ آدمی فرشتہ بن جائے بہ نسبت کمال ولایت یہ کوئی کمال نہیں۔ خدا تعالیٰ ملائکہ کی طرف سے نقل فرماتا ہے۔ وما منا الا له مقام معلوم۔ ہم میں سے ہر ایک کا ایک مقام متعین ہے) ہاں یہ مرد عنایات الہیہ کا مورد اور خارق عادات جو جنس کرامات سے ہیں کا مظہر بن گیا ہے کیونکہ یہ طاعات کے انوار اور بری صفات کے چھوڑ دینے کی وجہ سے ظاہر ہوتی ہیں لیکن یہ ابھی طریقہ ولایت میں دراصل داخل نہیں ہوا۔ ابھی اپنے آپ میں مشغول ہے تو وہ شخص جو صفات ذمیرہ رکھتا ہو اس طریق ولایت میں کیسے داخل ہو سکتا ہے۔

کاتب حروف کہتا ہے کہ وما منا الا له مقام یعنی ملائکہ کے مقامات کی مقدار معلوم ہے اور صاحب ولایت خاصہ جو تجلی ذاتی سے مشرف ہوا ہو کے مقامات کی کوئی حد نہیں اور انہیں معلوم نہیں کیا جاسکتا۔

فرماتے تھے بہترین ریاضت کھانے پینے میں اعتدال کے ساتھ خدا کی طرف ہمیشہ توجہ قائم رکھنے کے ساتھ ہے۔ یہاں تک کہ یہ اس کا ملکہ بن جائے۔

فرماتے تھے کہ جب حضور دل میں جاگزیں ہو جاتا ہے تو لوگوں سے گفتگو وغیرہ سے زائل نہیں ہوتا  
 ہاں اگر تعلیم و تعلم اور دقیق علوم میں مشغول ہو جائے تو خفیف سا حجاب واقع ہو جاتا ہے پھر فرمایا جے  
 حضور قلب اس طرح حاصل ہو گیا جیسے آنکھ میں بصارت تو اس کے لئے کوئی چیز حجاب نہیں۔  
 فرماتے تھے شیخ یاقوت حبشی کے عرش کی کہلانے کی وجہ تسمیہ یہ تھی کہ زمینوں آسمانوں اور حدود  
 و امکان سے گزر کر عرش وحدت سے پیوستہ ہو گئے تھے ورنہ عرش کی طرف دل کا ہمیشہ متعلق ہونا  
 کوئی کمال نہیں تصوف میں پہلا قدم تمام ماسوا شد عرش اور جو کچھ اس میں ہے سے گزر جانا ہے کاتب  
 حروف کہتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ شیخ یاقوت کی نسبت اس سبب نہ ہو کہ ان کا علم ان کی بلند مہمتی کی وجہ  
 سے عرش بن گیا ہے کیونکہ یہ بات بھی ان کے کمال کی نغی ہے۔ بلکہ اس معنی کے اعتبار سے ہو کہ تجلی  
 ذات حق کے بعد اور عرش ایک ہو گئے ہوں۔ اس مناسبت سے کہ عرش حق کی طرح ان کا  
 وجود بھی مظہر اتم بن گیا ہو۔

اس مشہور شعر کے معنی میں فرماتے تھے

اگر تو پاس داری پاس انفاس بہ سلطانی رساندت ازیں پاس  
 یعنی سالک کو چاہیے کہ کسی بھی سانس میں اپنی توجہ جناب احدیت اور وحدیت سے دوسری طرف  
 نہ پھیرے اور یہ مقام اس طرح حاصل ہوتا ہے کہ سالک میدان توحید میں سلسل غور و فکر کرنا ہے  
 یہاں تک کہ عالم امکان کے حجابات ختم ہو جائیں اور حق سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ باقی رہے۔ تو اس وقت  
 بادشاہ ہو جانے کا اور نفی سے مقصود متوہمہ غیریت کی نغی ہے اور یہ سالک کے بجز وحدت میں  
 استغراق سے حاصل ہوتی ہے۔

فرماتے تھے بعض مشائخ کہتے ہیں کہ تمام امور سے اہم یہ امر ہے کہ سالک ہر حالت میں  
 حق سبحانہ کا مشاہدہ مظاہر حق میں کرے۔ وہ یہ تصور کرے کہ حقیقت وجود باری تعالیٰ تقید و  
 اطلاق کی صفات سے صور کثیرہ میں مشتمل ہوئی ہے میرے نزدیک یہ نظریہ قابل تسلیم نہیں۔ بلکہ  
 سب سے اہم امر احدیت کے سورج کی طرف۔ سالک کا تعینات کے پہاڑوں میں طلوع کی حیثیت سے  
 توجہ کے ذریعہ حجابات کا اٹھانا ہے۔ اس سے خود بخود تمام اشیاء میں اس کے سرایت کا راز منکشف  
 ہو جائیگا۔ ہاں جب سالک اس توجہ سے ملول ہو جائے تو مظاہر حق کے ساتھ معیت حق کے

مٹانے میں کوئی مفاہقت نہیں۔ اس طرہ پر کہ نور بسط کو ملاحظہ کرے جو ہر چیز سے پہلے ہے آئینوں اور تمثیلات سے تجاوز کر کے حقیقت متمثلہ تک رسائی حاصل کرے۔ کاتب حروف کہتا ہے کہ انا کے پہاڑ سے احدیت کے سورج کو دیکھنا جذب کا مغز ہے اور رظا ہر حق میں معیت حق کا مشاہدہ سلوک نسبتوں میں سے ایک نسبت ہے۔

فرماتے تھے جنگ کرنا۔ رضا و غضب اور باقی تمام اوصاف بشریت بعض قومی کے بعض دوسرے قومی سے امتزاج کی وجہ سے ہیں اور سلوک اور مراتب ولایت بھی اسی سے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کا بھیجنا اور احکام شریعیہ کا لوگوں کو مکلف بنانا اسی پر مبنی ہے کیونکہ عارف بعض اوقات تلخ اور بدبودار چیز کو بڑی لذت اور رغبت سے کھاتا ہے کیونکہ اس وقت وہ بعض قوی سے نجات حاصل کر لیتا ہے۔ کاتب حروف کہتا ہے کہ قوی سے مراد مختلف انواع و افراد کے اعیان کی استعداد ہے۔ مثلاً انسان کی صورت نوعیہ نطق راست قاسمی اور چہرہ کے ظہور کی مقتضی ہے اور گھوڑے کی صورت نوعیہ ہنہنہانے جمیدہ قاسمی اور بال دار چہرے کی مقتضی ہے۔ اور اسی قیاس پر دوسرے انواع ہیں۔

فرماتے تھے کہ ممکنہ عجب اور وہی انانیت سے چھٹکارا سرفان کا پہلا مرتبہ ہے اور : شخص نے یہ کہا کہ الصوفی ہوا اللہ۔ اس نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا جب ممکن نے اپنے آپ سے امکان کی گرد جھاڑ دی تو اس میں بجز واجب الوجود کے اور کچھ نہ رہا۔

فرماتے تھے وجود حق ہر چیز میں اس کی استعداد کے مطابق جلوہ گر ہوا ہے اور جو کچھ سمع بصر اور باقی تمام صفات ظاہر ہوتا ہے وہ ان کی استعداد کے مطابق ہوتا ہے اس مقام پر مبتدی جب اپنے بغیر نظر آتا ہے تو وحدت میں متردد ہو جاتا ہے اور جب اسما و صفات کے سیالوں سے باہر نکل آتا ہے تمام اعتراضات و تخیلات رفع ہو جاتے ہیں جو خود محبوب نہیں قوی کے اعتبار کے بغیر حقیقت ہو۔ جو کو سمجھ سکتا ہے۔

فرماتے تھے کہ آنکھوں بصرات۔ روح کی بصیرت کا اثر ہے لیکن مخصوص سمت اور فاصلہ کی مقید ہے۔ اس سے قصور و تقویٰ ہے اور نہ ہی بعد حبیبیا کہ کوئی شخص سبز چشمہ لگالے تو وہ تمام چیزوں کو سبز دیکھے گا جب بعبیرت و معرفت قوی ہو گئی تو بصرات اس کے تابع ہوگی

اور اسی کا حکم حاصل کرے گی۔ اسی لئے جہت وغیرہ کی قید رفع ہو جائے گی۔  
 فرماتے تھے معتزلہ اور شیعہ رویت باری تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں کیونکہ وہ جہت کا مقتضی ہے  
 اور حجابات کے مکمل رفع کو ثابت کرتے ہیں۔ اور اہل سنت بلا کیف وجہت اثبات رویت کرتے  
 ہیں اور یہ مکمل انکشاف ہی ہے پس یہ نزاع لفظی ہے۔

فرماتے تھے اہل اللہ کو دنیا میں وہ کچھ حاصل ہو جاتا ہے جو دوسروں کو آخرت میں عطا ہوگا پس  
 وہ اشکال سے منزہ ذات کو رویت اخرویہ کے ساتھ چمکنے والی بجلی کی طرح دیکھتے ہیں اور بعض  
 اس سے بھی زیادہ اور بعض اولیاء کا ملین مسلسل دیدار کرتے ہیں حضرت علی کہم اللہ وجہ فرماتے  
 تھے لہ اعبد رب الہ ادا (میں نے جس خدا کو نہیں دیکھا اس کی عبادت نہیں کی)۔  
 فرماتے تھے کہ اولیاء کے سلسلہ اور ان کے طریقہ میں داخل ہونے سے مراد ہے کہ اس قوم صوفیاء  
 کے مشرب اور ریاضات کو قبول کرنا اور عمل کرنا ہے جو شخص اس قسم کا نہیں ہے وہ اولیاء کے  
 طریقہ میں داخل نہیں اگرچہ وہ بظاہر رابطہ پیدا کرے۔

فرماتے تھے کہ ہمارے زمانہ کے عارفین کو تجلی ذات حاصل نہیں ورنہ اپنی اور اپنے متعلقین  
 کی اغراض کی تکمیل کے لئے سلاطین کے محتاج نہ ہوتے کاتب حروف کہتا ہے کہ تجلی ذات کا  
 کبھی اس کے توجہ اور متعلقات پر بھی اطلاق ہوتا ہے پس اس جگہ مراد انکشاف کمال تدبیر ہے  
 اور اسباب سماوی وارضی اسباب پر تدبیر کے لحاظ سے ذات کے غلبہ کا ظہور ہے تاکہ بغیر کسی سبب  
 کے اسے معلوم ہو جائے کہ باری تعالیٰ جس چیز میں جو کچھ چاہتا ہے ظاہر فرماتا ہے۔ یہ جاننا  
 توکل کا ملکہ عطا کرتا ہے۔

فرماتے تھے کہ وصول الی اللہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تعصب ہے صوفیاء کے قول "تا قبلہ  
 توجہ یکے نمی شود افادہ و استفادہ صورت نے گردہ رکہ جب تک توجہ کا مرکز ایک نہ ہو افادہ و  
 استفادہ ممکن نہیں، کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ توجہ کے ایک ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ  
 ایک ہی جانب سے اخذ کیا جانے اور اس کے بغیر کسی دوسری طرف التفات نہ کرے اگرچہ وہ  
 غوث و قطب ہی کیوں نہ ہو لیکن اندازے سے اس کی تمام دوسروں پر افضلیت کا اعتقاد نہ  
 کرے۔ فرماتے تھے کہ عارف کے لئے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ اگر دوسرے عارف کے



مرید کو اپنی طرف راغب کرے اور اس کی توجہ شیخ کی طرف سے پھیر دے اور اگر وہ گڑگڑائے تو بھی اسے اس کے اپنے شیخ کے سپرد کرے۔ ہاں اگر اس کا شیخ فوت ہو جائے یا دوسرے شہر میں چلا گیا ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔

فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر طعن اور ان کا انکار ائمہ اہل بیت سے ثابت نہیں ہوا۔ یہ ان پر بہتان ہے۔ ابن عبد البر کے اس قول کی توجیہ کہ وہ بعض تابعین اور ان کے بعد والوں کی بعض صحابہ رسول پر فضیلت کے جواز کی طرف گئے ہیں اور حدیث اجر خمیسین منکم الخ سے دلیل پکڑی ہے۔ فرماتے تھے کہ صحبت جسمانی کی فرمانبرداری سے صحبت روحانی کی فرمانبرداری زیادہ ہوتی ہے۔ کاتب حروف کہتا ہے کہ عینی ابن عماد بھی صحابہ سے ہے اور ان کی محبت روحانی ہے اور وہ زیادہ مؤثر ہے۔ واللہ اعلم

فرماتے تھے کہ علماء عرفاء کی ایک بہت بڑی مجلس میں میں نے وحدت الوجود کے مسئلہ کو ثابت کیا اور متکلمین کے عقائد کی عبارات بطور دلیل پیش کیں اور عقلی و نقلی دلائل پیش کئے لیکن وحدت وجود کا لفظ زبان پر نہ لایا۔ تمام نے اسے قبول کر لیا۔ اہل رسوم کا تعصب صرف الفاظ کے ساتھ ہوتا ہے۔۔۔ فرماتے تھے کہ رسائل توحید کا پڑھنا بغیر ریاضت یا انجذاب کے نفع نہیں دیتا کیونکہ خط لکھی ہوئی کتاب کا پڑھنا بغیر مشق کے یا تیر اندازی کے رسائل بغیر تیر اندازی کے فائدہ نہیں دیتے۔ ہاں بعض اوقات ان رسائل میں مشغول ہونا مطلوب کیلئے مؤید اور اس کا مقوی ہوتا ہے۔

فرماتے تھے کہ تمام زمانے میرے نزدیک آج واحد کی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ بھی فرماتے تھے کہ ایک روز میں نے وضو کرنے کا ارادہ کیا۔ اسی لمحے مجھ پر کچھ غنودگی طاری ہوئی۔ اس کے بعد میرے دل میں ڈالا گیا کہ یہ مدت تو سو ہزار برس کے برابر ہے۔ کاتب حروف کہتا ہے کہ طویل ترین زمانوں کو آج واحد کے قائم مقام پانا فنا کے ایسی حقیقت کے ساتھ مل جانے سے پیدا ہوتا ہے جو زمانہ یا علم زماں سے بلند تر ہے اور ایک ساعت کو طویل زمانہ کے قائم مقام پانے کا منشا یہ ہے کہ زمان مقدار حرکت کو کہتے ہیں اور عالم مثال میں کوئی حرکت نہیں ہے۔ مگر یہ کہ اس سے زیادہ تیز حرکت ہے۔ اگرچہ یہ حرکت خارج میں ظاہر نہیں ہوتی پس کبھی حرکات مالوفہ سے

زیادہ تیز مقدار منکشف ہوتی ہے اور ان ازمندہ متطاوولہ کے لحاظ سے مختصر ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم  
 فرماتے تھے اگر تم کسی کو دیکھو کہ وہ بڑے کام کا مرتکب ہے تو جان لو کہ وہ قصداً ایسا نہیں  
 کر رہا۔ تم اسے نصیحت کرو۔ فان الذکر فی تنفع المؤمنین ای المنتہین شاید کہ بات  
 سینکڑوں میں سے کسی ایک کے لئے مفید ہو جو امر راوی کے موافق ہو۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے  
 کسی کی لونڈی بھاگ جائے اور وہ اسے ہر کوچہ و بازار میں پکارتا پھرے اگرچہ اس کی لونڈی ایک  
 خاص جگہ میں ہے اور اسے جاننے والا بھی ہزاروں میں سے ایک ہی ہے۔ کاتب حروف کہتا ہے  
 کہ تمام دنیا واجب کی رسموں سے بندھی ہوئی ہے۔ اگر فاسق ہے تو اس کا فسق بھی واجب ہے اور  
 اگر صالح ہے تو اس کی نیکی بھی واجب ہے اور واجب بالغیر کے لئے علت تامہ کی ضرورت ہے اور  
 ہدایت مرشد جو کہ علت تامہ کی جزو ہے۔ اکثر نفوس کی اصلاح کا سبب ہے۔ پس تدریجی  
 بعثت رسل اور انزال کتب کی مقتضی ہوئی جیسا کہ وجود تمام اسباب کا مقتضی ہوا۔ فقہر۔  
 اس سلسلہ میں کہ بعض آدمی باوجودیکہ متشرع نہیں ذوق مشاہد رکھتے ہیں فرماتے تھے  
 کہ جب کسی کو ذوق مشاہدہ حاصل ہو گیا تو وہ کسی معصیت سے زائل نہیں ہوتا۔ جیسا کہ شیرینی لہیز  
 ہے۔ گناہگار کے نزدیک بھی اور نیکو کار کے نزدیک بھی اور گناہوں سے حفاظت محض حق  
 تعالیٰ کے فضل پر مبنی ہے۔

فرماتے تھے کہ شیخ بایزید یعنی بایزید کے ایک ہم عصر نے مجھے بتایا کہ میں خدا کو چشم سر سے  
 دیکھتا ہوں۔ میں نے کہا تو کون ہے جو اسے دیکھے۔ اس نے کہا کیا دوست کو دوست سے حذر کرنا  
 چاہیے؟ میں نے کہا اس کا دشمن کون ہے۔ اس پر اس کا غصہ جاتا رہا کیونکہ آدمی انصاف  
 پسند تھا۔ فرماتے تھے دل دنیا میں جلایا جاتا اور تلوار سے قتل ہو جاتا ہے کیونکہ لوح پر عناصر  
 کا غلبہ ہوتا ہے۔ مگر عالم آخرت میں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ وہاں آگ پکائے گی کہ جز  
 یا مومن فان نورک اطفاء۔

لیکن یہ حال اہل کمال کا ہے جن کے سامنے سے امکان کے پردے مرتفع ہو گئے ہیں۔

فرماتے تھے کہ ایک فاضل نے صوفی سے سوال کیا کہ صوفی یہ سب ریاضتیں اور مجاہدے  
 کیوں کرتے ہیں اس نے کہا اگر تجھے کہا جائے کہ اگر تو اس طرح کی مشقت کرے تو تجھے سلطنت

حاصل ہو جائے گی یا بادشاہ تیرے تابع فرمان ہو جائے گا تو یہ تمام مشقتیں اور ریاضتیں تجھے گوارا ہوں گی یا نہیں۔ اس نے کہا ہاں ہر شخص خوشی سے یہ کرے گا اور احسان سمجھے گا۔ صوفی نے کہا ان یا فتا کی وجہ سے ذات حق ان کے دلوں میں عظمت الوہیت کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے۔ کاتب حروف کہتا ہے کہ ”در دل آمدن“ صورت الہیہ کے ساتھ بقا سے یہ کنایہ ہے۔ اور اس کا اصل اس نقطہ وجود کی روشنی ہے جو سالک کے نفس ناطقہ کے نقاط میں سے ایک ہے۔

عین القضاة ہمدانی کے بظاہر غیر شرعی شعر ہے

لے پسر لا الہ الا اللہ خود ز شرک خفی ست آئینہ دار

چیت شرک حبلی رسول اللہ خویشتن رازیں دو شرک بر آر

کی تاویل میں فرماتے تھے کہ لا الہ الا اللہ کا مفہوم لا معبود غیر اللہ ہے یعنی خدا کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں۔ اور معبود کے لئے عابد کا ہونا ضروری ہے۔ اس میں دو ٹوٹی کا تصور پایا جاتا ہے جو اصل شرک ہے اور خفی اس لئے ہے کہ عابد عبادت میں مذکور نہیں اور محمد رسول اللہ کا معنی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کی طرف بھیجا ہے۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مضاف بمضاف الہیہ کا غیر ہوتا ہے اور یہ شرک جلی ہے؛ جب تو وحدیت کی حقیقت کو پا لے گا اور تعینات کی غیریت کو اعتباری سمجھے گا اور رسول خدا کو بھیجنے والے کا منظر دیکھے گا تو شرک کی ان انواع سے آزاد ہو جائے گا۔

فرماتے تھے کہ وجود عالم عدم واجب کو مستلزم ہے کیونکہ واجب وجود عالم کی تقدیر پر پاتو عالم سے خارج ہے تو ایسی صورت میں وہ محدود ہوگا اور جو محدود ہے وہ واجب نہیں ہوتا یا عالم میں داخل ہوگا تو اس صورت میں حلول لازم آتا ہے اور حق سبحانہ و تعالیٰ حلول سے منزہ ہے۔ اسی طرح ہر حیثیت سے عدم ممکنات لازمی طور پر باطل ہوگا۔ پس یہ بات متعین ہو گئی کہ ہم کہیں کہ حقیقت وجود کے لئے تعینات اعتباریہ کا نام عالم ہے۔

دوسرے الفاظ میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ معدوم ہے بذات خود اور غیر کے ساتھ قائم ہے جو اس کا قیوم ہے۔ — شیخ اکبر کے قول کا منہوم —

فتوحات مکیہ کے باب ایک سوا کسٹھ میں شیخ اکبر کے اس قول ”لا من العالم من اللہ“

کے معنی کے بیان میں فرماتے تھے کہ عالم کا وجود وہم کے مرتبہ میں ہے اسحق تعالیٰ کا وجود حقیقی ہے۔ ایک عارف کا قول ہے کہ الوجود فی الكل ساری والتعینات امور اعتباریہ وجود حقیقی تمام اشیاء میں ساری ہے اور تعینات اعتباری امور ہیں پس عالم حق سبحانہ و تعالیٰ سے سب سے زیادہ دور اشیاء میں سے ہے کیونکہ وجود حقیقی اور مہموم محض آپس میں متضاد ہوتے ہیں۔ اور ان کے درمیان کوئی ایسی چیز نہیں پائی جاتی جو ان کی جامع ہو۔ اس کی مثال یہ ہے کہ سراب سمندر سے دور تر ہے اشیاء میں سے ہے کیونکہ سراب شعلہ آفتاب کے پرتوں سے دریا کی صورت اختیار کئے ہوئے ہے۔ حالانکہ ان کے درمیان مغائرت کلی ہے۔ اسی طرح آفتاب وحدت عالم پر چمکا۔ تو عالم وجود میں آیا اور اسے بحر ذات کے ساتھ ایک مناسبت پیدا ہو گئی حالانکہ وہ فی ذاتہ معدوم محض ہے۔

شیخ اکبر کے اس قول کہ ما فی احد من اللہ شینا کے معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے تھے اس طریق کے اکابرین کے نزدیک یہ بات مسلمہ ہے کہ غیر حق موجود نہیں ہے۔

کجا غیر کو غیر کو نفس غیر سوئی الشد والشد ما فی الوجود

یہاں لفظ فی حلول پر دلالت کرتا ہے۔ ذات حق اور اس کے شیونات کے مظاہر ظاہر ہیں پس اس کی ذات اور صفات غیر میں کیے حلول کر سکتے ہیں یا غیر سے ظرف کے طور پر متعلق ہو سکتی ہیں حالانکہ یہ دونی کو مستلزم ہے پس ثابت ہوا کہ خدا کی کوئی چیز اس کے غیر میں نہیں ہے جیسا کہ اس کے غیر کی کوئی چیز اس میں نہیں ہے چنانچہ صوفیاء کے اس قول کا بھی یہی مطلب ہے کہ لیس فی ذاته سوا ولا ذاته فی سوا۔ پس ظاہر ہو گیا کہ یہ دونوں عبارتیں وحدت الوجود کی منافی نہیں ہیں۔ فرماتے تھے بعض عارفین نے کہا ہے کہ قرآن مجھ پر سمندر کی صورت میں ظاہر ہوا اور اس کی آیات موجوں کی مانند ہیں نے ایک آیت پر توقف کیا تو مجھے اس میں بے انتہا معانی ملے اور میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ یہی وہ قرآن ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ تو مجھ پر قرآنی عظمت واضح گئی اور اولیاء اللہ میں سے کوئی ولی حق سبحانہ و تعالیٰ کی بارگاہ میں بعض لوگوں کے لئے کسی چیز کے طلب کرنے کے لئے متوجہ ہوتا ہے۔ تو اس کی ایک یاد و قرآن کی آیات اس کی حسب مطلوب الہام کی جاتی ہیں۔

فرماتے تھے کہ جب وجود امکانی صورتوں میں جلوہ ریز ہوا تو صفات واجبہ امکان کے پڑوں میں چھپ گئیں جیسا کہ وہ کارگر جس نے کبھی نشہ نہ کیا ہو۔ اچانک نشہ کھائے تو اس کی کاریگری کے اوصاف غائب ہو جاتے ہیں۔ کاتب حروف کہتا ہے کہ مظاہر ممکنہ میں وجود جلوہ ریز ہوتا ہے مگر تنزل کے سبب صفات کاملہ کا ظہور نہیں ہوتا۔

بعض صوفیاء کے اس قول کہ مابعد المقام الذی وصلنا لا مقام جس مقام تک ہم پہنچ گئے۔

## صوفیاء کے اقوال میں تطبیق

ہیں اس کے بعد کوئی مقام نہیں، اور بعض دوسرے صوفیاء کا قول کہ فوق کل مقام مقام مالا یقناھی (سر مقام کے بعد ایک اور مقام ہے اور یہ سلسلہ لامتناہی ہے) کی تحقیق میں فرماتے ہیں کہ پہلا قول اہل شہود کی نسبت درست ہے۔ مثل شیخ بسطامی کے۔ اذلیس و راع عبادان قریۃ والی ربك المنتھی کیونکہ عبادان کے آگے کوئی قریہ نہیں اور تیسرے رب کی طرف انتہا ہے۔ اور دوسرے قول کے قائل کی مراد اگر مظاہر اسماء میں سیر ہے جیسے ملائکہ۔ عالم مثال اور عالم ارواح وغیرہ تو یہ درست ہے۔ لیکن یہ کمال نہیں ہے۔ اور عارف ذات تک پہنچنے کے بعد ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ الا ما اشار الیہ اور مقام کا لفظ اس پر منطبق نہیں ہوتا مگر تسامح و چشم پوشی سے اور اگر اس کی مراد یہ ہے کہ وصول ذات کے بعد بھی مقامات غیر متناہیہ نفس الامر میں موجود ہیں تو یہ صریح زیادتی ہے۔

شیخ فرید الدین عطار کے اس شعر سے

عشق را با کافری خویشی بود کافری را مغز درویشی بود

کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ اس میں کفر سے مراد نسب اور دوسری اضافی چیزوں کو پوشیدہ رکھنا ہے۔ شیخ ابوبکر واسطی اور شیخ ابوسعید خرازی کے اس قول کہ اکثر العارفین حتی ابی یزید ماتوانی الوہم والظن اکثر عارفین یہاں تک کہ البزید بھی وہم و گمان میں فوت ہوئے یہی توجیہ میں فرماتے تھے کہ ولایت کبریٰ کی ابتداء دوئی کی جہت کی فنا ہے اور شہود اور ذات حق تک رسائی بھی اسی کو کہتے ہیں۔ اکثر عارفین اور شیخ ابوزید بھی ان میں شامل ہیں لازماً اس مقام پر سر فراز ہونے میں لیکن اس شہود کے بے شمار مراتب میں کبھی یہ شہود تجلی صفات و جوہر

کے ساتھ جبکہ امکان کا باقی فائدہ ساتھ ہوتا ہے۔ متحقق ہوتا ہے اور اکثر عارفین میں یہی غالب ہے اور یہ دائمی ہوتا ہے اور بعض اوقات یہ شہودِ خالص تجلی ذات کا ہوتا ہے۔ اور وہاں امکان کا باقی ماندہ کچھ نہیں ہوتا۔ یہ بالکل غلط ہے یہی تجلی برقی آئی ہے جو ہمیشہ اس جہان میں نہیں رہتی۔ ورنہ اس سے جسم کے اجزا متفرق ہو جائیں اور روح جسم سے پرواز کر جائے اور جو اس حیثیت سے شہود ذات کو نہیں پہنچا۔ درحقیقت وہ توحید کے راز تک نہیں پہنچا۔ اور امکان میں سے کچھ بقیہ کی وجہ سے وحدت اس پر غالب نہیں آئی۔

بازید بسطامی پر جب بعض مراتب شہودِ مستولی ہوئے اور امکان کی جہت سے اس پر غلبہ کیا امکان میں سے کچھ بقیہ کے باوجود پکاراٹھا سبحانی یا عظیم شانی اور یہ الفاظ اس شخص کے لئے جو مذکورہ طریق پر وحدت کے راز تک پہنچا ہو مناسب نہیں کیونکہ ما اعظم صیغہ تعجب ہے اور اس مقام پر کوئی تعجب نہیں ہوتا کیونکہ حق سبحانہ و تعالیٰ کو اپنی عظمت و کبریائی پر کوئی تعجب نہیں ہے اور یہ جو کہتے ہیں کہ اس کے بعد شیخ بسطامی نے ایک دھاگانزار کے طور پر گلے میں ڈالا اور پھر اسے چھری سے کاٹ دیا اور کہا۔ اللہم ان کنت قلت یوما سبحانی ما اعظم شانی فکنت محو سیارند یقا وانا اقطع زناری واقول لا الہ الا اللہ (اے اللہ اگر میں نے کسی دن سبحانی یا عظیم شانی کہا تھا تو میں مجوسی زندقہ تھا اب میں اپنی زنار کاٹتا ہوں اور لا الہ الا اللہ کہتا ہوں یہ ایک اور قرینہ ہے اس بات کا کہ امکان میں سے کچھ بقیہ رہ گیا تھا اور آخر میں اس سے آگاہ ہوئے۔ اگر بعض صوفیاء یہ کہیں کہ یہ ہدایت و ارشاد کے لئے تھا تاکہ تقلید کے طور پر ایسا نہ کہے تو ابن منصور کے متعلق ابو سعید خراز کہتا ہے کہ کان اوحد زمانہ لم یکن فی عہدنا من الشرق الی المغرب مثله کہ ابن منصور میدان وحدت میں یگانہ روزگار تھے اور ان کے زمانہ میں مشرق سے مغرب تک ان کے پائے کا کوئی آدمی نہیں تھا، اسی لئے اس پر توحید غالب آگیا اور اس سے انہوں نے رجوع نہ کیا۔ لیکن قائل کو یہ کہنے کا حق پہنچتا ہے کہ وہ بھی توحید حقیقی کے راز کو نہیں پاسکے۔ اس کا قرینہ یہ ہے کہ وہ اپنے قول انا الحق پر ڈٹے رہے حالانکہ تجلی برقی ایک آن سے زیادہ نہیں۔ حاصل کلام یہ کہ اکثر عارفین شہود کی ایک قسم سے مطلع ہوئے اور انہوں نے اسے شہود ذاتی سمجھ لیا اور اسی گمان و ہم میں مر گئے۔

کاتب حروف کہتا ہے کہ تجلی تجلی لہٰذا جسے تجلی سے نوازا جائے، کی استعداد کے مطابق ہوتی ہے اور جو چیز بھی محدود کے لئے ہو وہ حد اور حصر سے خالی نہیں ہوتی۔ لیکن ان نفوس میں جن پر قوی اطلاق کا غلبہ ہو اور ان نفوس میں جن پر قوی تقیید یہ غالب ہوں فرق ہے۔ وہ نفوس جن پر قوی تقیید یہ غالب ہوں۔ غایت معرفت ظہور صفات ہے نہ کہ ذات اور یہ بھی ایک قسم کے اختلاط اور امتزاج کے ساتھ اس کی مثال یوں ہے کہ ہر آئینہ اپنے وجود کی وسعت کے مطابق ہی اجسام کو ظاہر کرتا ہے۔ اسی لئے آسمان وزمین چھوٹے آئینہ میں آجاتے ہیں اس کے باوجود بسز زرد طولانی یا مثلث آئینہ میں کئی دوسری تبدیلیاں بھی وقوع پذیر ہوجاتی ہیں اور ہر تفسیر ایک حجاب ہے۔

فرماتے تھے کہ انا الحق جیسے الفاظ کہنے والا اگر امکان کے پردوں میں پوشیدہ ہے تو چھوٹا ہے اور فرعون کے حکم میں ہے اور اگر وہ مغلوب ہے تو وہ معذور ہے پھر فرمایا تجلی برقی ہل دھوروں سے بے نیاز ہے کہ نروالی اور ممکنہ دلیل ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ جب کوئی شخص کسی حسین و جمیل کو دیکھتا ہے تو اپنے آپ کو اولیٰ بنی تمام صفات کو فراموش کر دیتا ہے جیسا کہ مصر کی عورتوں کو یوسف علیہ السلام کے ساتھ واقعہ پیش آیا۔ اس سے اندازہ کر لینا چاہیے کہ جمال حقیقی کا حال کیا ہوگا۔

حدیث ان اللہ خلق الخلق فی ظلمة ثم دس علیہم من نورہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے تھے یعنی اعیان ثابتہ کی حیثیت سے ان کو پیدا فرمایا وہ ظلمت عدم کا لباس پہنے ہوئے تھے۔ اس حالت میں ان کا خارجی وجود نہیں تھا۔ اس کے بعد حق تعالیٰ نے ان پر وجود خارجی کا نور ڈالا تو وہ اعیان خارجی کی صورت اختیار کر گئے اور حق کو انہوں نے اس موجودیت کے ساتھ پہچانا۔

فرماتے تھے کہ مراتب امکانیہ کی طرف انسان کی توجہ اس اعتبار سے کہ وہ شیون ذات ہیں۔ بذات خود کمال ہے اور یہ جو انہیں غفلت کہا جاتا ہے اس اعتبار سے ہے کہ صفات واجبہ کی طرف توجہ سے مانع ہے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی اس حالت میں فوت ہوجاتا ہے اور ذات حق تک پہنچنے سے محروم رہ جاتا ہے۔

یا تمام اعتبار سے صرف نظر کرنے کی وجہ سے اسے غفلت کہا جاتا ہے پس وہ موت کے

بعد نسبت اپنے مالوف کے حاصل نہ کر سکتے اور اپنے کمال کو نہ پاسکتے کی وجہ سے متاثر نہیں اور  
متاثری ہوتا ہے۔

فرماتے تھے ذات باعتبار نفس خود تمام اعتبارات سے نفیاً و ثبوتاً قطع نظر کرتے ہوئے  
ذات بحت ذات سافج لا تعین۔ احدیت اور وجود مطلق کے ناموں سے موسوم ہے اور وجود مطلق  
اس معنی میں ہے کہ تعین و اطلاق کی نسبت سے خالی ہے اس معنی میں نہیں کہ وہ اطلاق کی قید  
میں مقید ہوتا ہے۔ صوفیاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ذات بحت موجود ذہنی اور محض معقول ہے  
اس کا خارج میں کوئی وجود نہیں۔ اس کلام کا مفہوم یہ ہے کہ اس حیثیت سے مقید امر ذہنی ہے  
کیونکہ ذات کے اعتبارات اس کے اسماء اور صفات ہیں جو کہ ذات کے لوازم ہیں جو ذات سے خارج  
میں جدا نہیں ہو سکتے اور ذات ان کمالات کے ساتھ انزل سے ابد تک جلوہ ریز ہے۔ یہ جو کہا گیا ہے  
کہ وحدت سے پہلے احدیت تمام پہلے آنے والی وحدت سے پہلے ہے اس سے مراد احدیت ذاتی  
ہے۔ جہاں کسی اعتبار کا لحاظ نہیں نہ سقوط اور نہ ہی ثبوت۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ احدیت اس  
وحدت کے بعد ہے اس سے مراد احدیت صفاتی ہے جس میں نفسی یا سوا شد کا لحاظ ہے پس ان  
میں کوئی اختلاف نہیں۔ غرضیکہ نفسی یا عدد ذات کو احدیت کہتے ہیں اور اس کے مرتبہ ثبات  
کو واحدیت۔ اور یہ واحدیت کمالات و جوہر اور امکانیہ کو شامل ہے اور لفظ واجب کا  
اطلاق تجلی و وجود مطلق کے اعتبار سے صفات واجبہ مؤثرہ پر اور لفظ ممکن کا اطلاق باعتبار  
تجلی صفات امکانیہ متاثرہ پر ہوتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ ان مراتب میں تقدم و تاخر زمانی نہیں بلکہ ترتیب کے لحاظ سے ہے جیسا کہ  
محبوب لوگوں کا وہم ہے۔ ترتیب کے لحاظ سے تقدم کی نظیر جیسا کہ زید ایک ہی وقت میں خارج  
میں بھی زید ہے انسان بھی ہے اور عالم بھی اور پارچہ باف بھی لیکن اگر خالص ذات پر نظر کی  
جانے تو اس کا نام انسان رکھا جائے گا اور اگر صفات کی نفی کی جائے تو صرف انسان کہلائے گا۔  
اور اگر ان تمام صفات کو اس کے ساتھ ملحوظ رکھا جائے تو اسے صفات سے متصف انسان کہا جائیگا۔  
پھر اگر فرداً فرداً جملہ صفات کی تفصیل بیان کی جائے تو علم کی صفت کے لحاظ سے وہ عالم ہے  
اور اگر پارچہ بافی کی صفت سے متصف کیا جائے تو وہ پارچہ باف ہوگا اور زید ان تمام حالات میں



واحد ہے اور خارج میں اس کی صفات ہرگز اس سے جدا نہیں ہیں۔ اور اسماء کا اختلاف محض عقلی اعتبارات کی وجہ سے ہے۔ اور ایک اعتبار کا دوسرے اعتبار پر تقسیم رہی ہے نہ کہ زمانی پس اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ خارج میں محض ذات موجود ہے تو اس سے اس کی مراد ہے کہ جسے ذات بحت فرض کرتے ہیں وہی مظاہر میں بعینہ موجود ہے کچھ فہموں کے ادہام کو دور کرنے کیلئے یہ کچھ کہا گیا ہے جو ذات خالص کو علم سے خارج تصور کرتے ہیں اور ظاہریت اور مظہریت کی نسبت ثابت کرتے ہیں۔ تعالیٰ اللہ عما یقول المطالمون علوا کبیرا۔

فرماتے تھے جس نے سبحانی یا انما الحق کہا غالباً غلبہ حال اور نظر سے جہت امکان کے خفا کی وجہ سے کہا و اگر نہ اسماء الوہیت کا اطلاق سوائے تمام معلومات کے عالم کے کسی پر جائز نہیں اور یہ علم ان میں پایا نہیں گیا۔ بلکہ دراصل اس کے مظاہر میں سے کسی ظہور میں بھی نہیں پایا گیا اور نہ اب تک پایا جائیگا۔

کہتے ہیں کہ تجلی برقی اپنے خواص کے ساتھ دائم ہو جانے تو یہ احاطہ جمیع معلومات ہے لیکن اس کا دوام کیسے ہو سکتا ہے جبکہ تجلی ذاتی سے روح بدن سے جدا ہو جاتی اور جسم متفرق اور پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔

فرماتے تھے کہ پردوں کے اٹھنے کے بعد کشف ذات جس کا نام رویت ذات اور تجلی برقی ہے اس عالم میں بقیہ امکان کے پوری طرح اٹھ جانے کے بعد ہوتی ہے اور جو شخص کہتا ہے کہ یہ تجلی برقی موت کے بعد ہی ہوتی ہے تو یہ ایک اعتبار سے کہا ہے۔ کیونکہ نوعی حجابات سے چھٹکارا موت سے ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے۔ او من کان میتا فلحیناہ وجعلناہ نوراً۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ من مات فقد قامت قیامتہ (جو مر گیا اس کے لئے قیامت قائم ہو گئی) لہذا اہل شہود کیلئے قیامت قائم ہے پس وہ ان حالات کو اب دیکھتے ہیں جنہیں لوگ قیامت موعود میں دیکھیں گے کاتب حروف کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول۔ او من کان میتا فلحیناہ سے مراد یہ ہے کہ او من کان میتا ای فانیارفع عنہ الحجب فلحیناہ ای ابقیناہ لا لاپیری الا بالہ ولا یسمع الا بہ وجعلناہ نوراً یعنی التجلی البرقی الالٰہی روحانی تھا اس

کے سامنے سے ہم نے پر دولا کو ہٹا دیا اور اسے قبا عطا کر دی وہ اپنے رب کی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور اس کے ساتھ سنتا ہے۔ ہم نے اس کو نور یعنی بجلی برقی آنی عطا کر دی،

ایک دن مشائخ میں سے ایک کا نام لے کر فرمایا کہ فلاں کا مقام معشوقیت کا ہے اور میں اس مقام میں ہوں کہ عاشقیت اور معشوقیت کا وہاں کوئی دخل نہیں۔

فرماتے تھے کہ جس شخص نے یہ کہا ہے کہ عاشقیت میں وہ لذت ہے جو دوئی کے اٹھ جانے میں نہیں ہے، اس نے خطا کی ہے کیونکہ عاشق دوئی کے سبب آتش عشق میں جلتا ہے اور وہ شکرِ خفی کا مرتکب ہوتا ہے۔ یہ مرتبہ اگرچہ حسنات الابرار میں ہے مگر سیاتِ مقربین میں شمار ہوتا ہے اور صاحبِ بہود کبریا۔ استغنا اور جلال و جمال سے لذت حاصل کرتا ہے۔ اور اس لذت کا درجہ عاشقیت کے مرتبہ سے بہت بلند ہے۔

فرماتے تھے کہ جس کے سامنے سے پرے اٹھ گئے اس نے اپنے پروردگار کو اپنی روح کے پیار میں دیکھا یہی کشفِ ذات ہے۔ اس وقت عارف عدمِ تناہی کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ صفات میں سے ہے کاتبِ حروف کہتا ہے کہ عارف کا علم حضورِ مانی کے ساتھ حقیقت الحقائق میں نافذ ہے اور یہ کہ انا محدود ہے اور حقیقت الحقائق غیر محدود ہے۔ ان دونوں میں کوئی منافاة نہیں کیونکہ اس کا نفوذ حقیقت الحقائق میں تمام اعتبارات سے قطع نظر کرتے ہوئے ہے اور تناہی اور تناہی دونوں اعتبارات میں سے ہیں۔

فرماتے تھے کہ حدیثِ قدسی کے دو اقسام ہیں۔ ایک وہ جسے جبرئیل علیہ السلام لائے مگر قرآن میں داخل نہیں ہوئی کیونکہ یہ کلامِ معجز نہیں تھی۔ اور کالمین کے ساتھ مخصوص ہے قرآن مجید عام و خاص تمام کے لئے شفاعت ہے۔ دوسرے یہ کہ خدا تعالیٰ نے اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بلا واسطہ بھیجا۔

حدیث اذ اتخبرتم فی الامور فاستعینوا باصحاب القبور رجب تم معاللات میں حیران رہ جاؤ تو اصحابِ قبور سے مدد لو کی تشریح میں فرماتے تھے۔ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ استعانت سے مراد مردوں کے حالات کو یاد کرنا اور ان سے عبرت حاصل کرنا ذیوی امور سے توجہ کو ہٹا دیتا ہے اور فکرِ معاش کو کم کر دیتا ہے۔

حدیث ان الدنیا قبم من حیفة منقنه دنیا گلی ٹری لاش سے بدتر سے م کے مفہوم میں فرماتے تھے کہ قلب کے دنیا کے ساتھ تعلق کی وجہ سے وہ حق کی طرف توجہ میں رکاوٹ ہوتی ہے۔ بخلاف مردار کے کہ اس میں یہ بات نہیں ہے۔

فرماتے تھے کہ اقوال میں جھوٹ یہ ہے کہ شریعت کے خلاف بات کہے اور افعال میں جھوٹ یہ ہے کہ شریعت کے مخالف کام کرے اور احوال میں جھوٹ یہ ہے کہ ایک حل سے دوسرے حال کی طرف بدل جائے کیونکہ سچا حال وہ شہود ہی ہے۔ کاتب حروف کہتا ہے کہ تلون سے یہاں مراد سر توحید کا یکبار ظہور اور دوسری بار اس کا پوشیدہ ہو جانا ہے یا ایک بار ایک چیز ظاہر ہوتی ہے اور دوسری مرتبہ کوئی دوسری چیز اس کے مخالف ظاہر ہوتی ہے اور ان جیسے اور امور۔ فرماتے تھے کہ لمبی ٹوپی اور ریشمی رسی جو کمر میں باندھتے ہیں اور ہندی زبان میں اسے سیلی کہتے ہیں۔ یہ دونوں نصاریٰ کی علامات میں سے ہے۔ امیر المؤمنین نے اس پر خفگی کا اظہار فرمایا۔ اس کے بعد جاہلوں کی ایک جماعت نے اسے پسند کیا اور اسے اختیار کر لیا۔

فرماتے تھے کہ حجب امکانیہ غفلت کی ظلمات سے ہیں جو دوئی میں ڈال دیتے ہیں۔ کھانے پینے اور سونے سے نہیں ہیں جو کہ لوازم حیات ہیں۔ بلکہ غصہ جسد بغض اور دوسرے افعال ذمیرہ سے ہیں۔ لیکن یہ دکھانا۔ پینا وغیرہ، غفلت کو تقویت پہنچانے والے ہیں۔

اور حجب وجوبیہ صفات واجبہ ہیں۔ سالک نے جب اللہ کے فضل سے حجب امکانیہ کو قطع کر لیا تو ذات حق کو حجب وجوبیہ کے پچھے سے دیکھتا ہے جیسا کہ دیکھنے والا سورج کو دیکھتا ہے۔ آگ ہوا اور سموات جو سورج سے نیچے ہیں اس دیکھنے میں مانع نہیں ہوتے اسی طرح سالک کے لئے حجب وجوبیہ مشاہدہ ذات سے مانع نہیں ہوتے۔ اس کے بعد حجب وجوبیہ بھی اخص اولیاء کے لئے مرتفع ہو جاتے ہیں۔

فرماتے تھے کہ مشاہدہ ذات حق سے مراد نفی ماعداء کے لحاظ سے حقیقت الحقائق کی طرف دل کی توجہ ہے خواہ ایک ساعت ہی میسر آئے جس شخص نے ذات حق کو نہ جانا اور اس کے مظاہر کو نہ پہچانا وہ مشاہدہ ذات حق سے بے خبر ہے۔

فرماتے تھے مشاہدہ کے لئے عالم مثال اور عالم ارواح کو عبور کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اسی طرح وہ شہود جو محض جذبہ الہیہ سے حاصل ہوتا ہے لیکن اس قسم کے شہود کی بقا کا کوئی اعتبار نہیں۔ بخلاف اس شہود کے جو سلوک کے بعد حاصل ہو۔ کیونکہ وہ عبود کے بعد حاصل ہوتا ہے اور اس کی بقا پر بھروسہ ہے۔

فرماتے تھے کہ عارف کا کمال یہ ہے کہ وہ خود عشق ہو جائے اور یہ عشق کے مادہ کا اشتقاق ہے پھر فرمایا کہ صوفیاء کی اصطلاح میں حقیقت الحقائق عشق سے موسوم ہے۔ اہل سلوک کے اس قول کہ "دل ریاضتوں سے پستی سے بلندی کی طرف جاتا ہے" فرماتے تھے کہ دل کا پستی سے بلندی کی طرف ارتفاع کا معنی یہ ہے کہ وہ پست اور بُرے کاموں سے اعراض کرے اور علویات کی طرف مائل ہو جائے ورنہ انسان دل کے ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف منتقل ہونے سے تکلیف اٹھاتا اور متاثر ہوتا ہے کیونکہ شر اس قلب کے ساتھ پیوستہ ہیں۔

شیخ اکبر کے قول "العلم اوسع من الحال" (کہ علم حال سے زیادہ وسیع ہے) اور سید خراز کے قول "الحال اوسع من العلم" (حال علم سے زیادہ وسیع ہے) کی تحقیق میں فرماتے ہیں کہ علم اس حیثیت سے وسیع ہے کہ عالم میں حال اور اس کے علاوہ کیفیات نفسانیرہ اس میں داخل ہوتی ہیں لیکن حقائق خارجیہ حال کے نزدیک کیفیت مخصوصہ ہے اس کا غیر اس میں نہیں سما سکتا اور حال اس حیثیت سے وسیع ہے کہ حال اس قدر قوی ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے عجیب کیفیات اور انوکھے علوم منکشف ہوتے ہیں۔ علم میں یہ بات نہیں۔

فرماتے تھے ایک روز میں نے دیکھا کہ ایک جن نے کنکری پھینکی اور وہ لڑھکتی ہوئی چلی جاتی تھی جنوں کی یہ خاصیت ہے کہ جو چیز وہ پھینکتے ہیں وہ سیدھی چلی جاتی ہے۔

فرماتے تھے کہ شمال کی طرف ایک بستی ہے بہاں ارضی ملائکہ رہتے ہیں اور ان میں تو والد و تناسل ہے بخلاف ملائکہ سماویہ اور اکثر ارضیہ کے کہ ان میں تو والد و تناسل نہیں ہے۔ فرماتے تھے۔ وجود ماہیات پر قابض ہوا تو ان ماہیات کی استعداد کے مطابق خوشبو بدلے۔ لذت۔ تھکاوٹ۔ دکھ سکھ۔ ٹوٹ بھوٹ اور اجزاء کا متفرق ہونا وغیرہ پیدا ہو گیا۔ ورنہ نوری وجود تو بسیط ہے ان کیفیات سے منزہ ہے پھر فرمایا۔ میل کچیل خود اور اس کا

مزد اور بونکے ذائقہ اور شامہ کی نسبت سے قبیح ہے اور کیرٹے مکوڑوں اور خنزیر کی قوت ذائقہ اور شامہ کے مقابلہ میں وہ اچھا ہے کیونکہ الم کا ادراک مزاج اور طبع کے مخالف چیز سے ہوتا ہے اور یہ مختلف ہوتا ہے جیسا کہ سانپوں کا زہر سانپ کے کاٹے کو مفید ہے اور دوسروں کیلئے نقصان دہ۔ اس کے باوجود حضرت وجود ہر فردہ میں یکساں طور پر ظہور پذیر ہے۔ اگر کوئی شخص بعض ادویہ کو اپنی زبان یا ناک میں استعمال کرے تو اس کی نمکینی اور برائی میں تمیز نہیں کر سکتا۔ اسی طرح جس شخص نے زبان و مکان کی تنگنائی سے چھٹکارا حاصل کر لیا تو کوئی چیز اس کیلئے مشکل نہیں۔ قدمائے سے کسی کا شعر ہے۔ ع

رق الزجاج و رقت الخمر شیشہ و شراب دونوں شفاف ہیں (یعنی مظاہر جو کہ شیشہ کے قائم مقام ہیں صاف و شفاف ہیں۔ اور جو محبوب اس میں مستور ہے انتہائی صاف و شفاف ہے۔ ع فتشابہا و تشاکل الامر پس دونوں متشابہہ اور ہم شکل ہو گئے۔ پس صفائی میں ایک دوسرے کے رنگ میں ہو گیا اور لوگوں کی نظر میں پہچان مشکل ہو گئی۔ فکانہما خمر و لا قدح۔ گو بنجھد شراب ہے اور شیشہ نہیں ہے۔ فکانہما قدح و لا خمر۔ گویا پیالہ ہے اور شراب نہیں ہے اور یہی مراد ہے اس شخص کی کہ جس نے کہا۔

ان شئت قلت حق لا خلق وان شئت قلت خلق و الحق

(اگر تو چاہے تو کہے حق ہے خلق نہیں اور اگر چاہے تو کہے کہ خلق ہے حق نہیں)

فرماتے تھے کہ صفات الہیہ میں سے سب سے بڑی صفت علم ہے اور حیات صفت علم کے شیون میں سے ہے سب سے بڑی نہیں ہے۔ اور عدم علم عین موت ہے جو لوگ حیات کو صفات الہیہ میں سب سے بڑی صفت کہتے ہیں تو انہوں نے اپنے اوپر قیاس کیا ہے۔ حالانکہ غائب کا قیاس حاضر پر باطل ہے۔

کاتب حروف کہتا ہے کہ انا کا علم حصولی ہے اور تحقق اور تقرر کی مانند ہے۔ اگر وہ زائل ہو جائے تو زندگی زائل ہو جاتی ہے اور حیات اس علم کے اعتبارات میں سے ایک اعتبار کا نام ہے۔ جب ان امور کی نسبت جو موت و حیات کے قابل ہوں قیاس کیا جائے۔ کسی شخص نے آپ کی خدمت میں ایک دعویٰ کا یہ قول نقل کیا کہ وہ کہتا ہے۔

” اقرب الطریق الی اللہ رُویت الامارڈ آپ نے فرمایا شاید اس کی مراد یہ ہو کہ وہ تمام محسوسات میں سے زیادہ واضح ہیں اور یہ بات بھی ہے کہ امارڈ کی مہنیت سب سے زیادہ مناسب اور نفس کی رغبت ان کی طرف زیادہ ہے۔ اس اعتبار سے ان میں رویت حق زیادہ آسان ہوگی۔ اور جن مشائخ نے اس کی قباحت بیان کی ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ان کو دیکھنا سالک کو عالم شہادت میں بند کر دیتا ہے۔ پس وہ جمال حقیقی پر مطلع نہیں ہوتا اور دوسری آفات پر بھی حتمال ہے۔ پھر مسکرا کر فرمایا کہ امارڈ میں خون جمال کی صورت میں جلوہ ریز ہوا ہے۔ اگر ان کے خون کو نکال دیا جائے تو کوئی شخص ان کی طرف التفات نہ کرے۔ اہل شہود کی مثال عینک کے وسط سے کتاب دیکھنے والے کی طرح ہے۔ اس کی نظر اور التفات عینک کی طرف بالکل نہیں وہ صرف کتاب کو دیکھتا ہے مگر یہ کہ عینک کے آگے پردہ ہو اور کوئی شخص عینک کے آگے ہاتھ رکھ دے تو اس کی توجہ عینک کی طرف ہو جاتی ہے۔

اہل شہود خوبصورت عورتوں جو رول اور امارہ کی طرف التفات نہیں کرتے کیونکہ ان کی نظر ان سے متجاوز ہو کر منہ ہی حقیقی جل جلالہ تک پہنچی ہوئی ہوتی ہے اور جو شخص محبوب ہوتا ہے وہ خوبصورت عورت کی طرف رغبت کرتا ہے اور بدصورت عورت سے اعراض کرتا ہے اور عارف کے نزدیک دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔ اسی طرح اہل شہود سرود کے سماع سے لطف اندوز نہیں ہوتے کیونکہ سرود کا فاصلہ کہنے والے کے منہ اور سننے والے کے کان تک محدود ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ اگر گانے والا جھیر الصوت ہو تو ایک تیر کے فاصلے تک پہنچ جاتی ہے اور بس۔ اور یہ عارفین کی قوم اس قسم کے امور سے گزر کر منہ ہی حقیقی تک پہنچ چکی ہے۔

فرماتے تھے کہ ولایت عامہ کے بہت سے متفاوت مراتب ہیں جیسے تقویٰ، ریاضت و وحدت شہودی نسبت اس شخص کے جو ذات حق کی سلطنت اور اس کے مظاہر پر احاطہ سے آگاہ نہیں ہوا۔ اور مثل عاشقیت اور معشوقیت کہ یہ اہل ولایت عامہ کے خواص کا مقام ہے۔ ولایت خاصہ سے نہیں ہے۔ ولایت خاصہ ذات واحد بسیط تک وصول کے بغیر حاصل نہیں ہوتی اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا شہود عاشقیت و معشوقیت سے بلند تر ہے جیسا کہ بعض احادیث سے ظاہر ہے۔ مجاہدین نے احادیث کے بعض الفاظ سے موسیٰ علیہ السلام کے محب اور حضرت

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہونے کو استنباط کیا ہے لیکن حقیقت الامر وہی ہے جو کہی گئی ہے۔  
 فرماتے تھے کہ کبھی کلمہ لا الہ الا اللہ کی تکرار یا ایک قسم کے جذبہ سے توحید شہودی کا تصور حاصل  
 ہوتا ہے اور اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ عین القضاة ہمدانی کی اس شطیح کہ۔

”اِنَّ رَاكُمَا خَدَامِيْدًا نَزِيْدًا نَزِيْدًا مَا مُحَمَّدٌ اَسْتَصَلِيَ اللّٰهَ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنْكُمَا شَمَامٌ صَلِيَ اللّٰهَ عَلَيْهِ  
 وَاَلَهُ وَسَلَّمَ مِيْدَانِيْدًا نَزِيْدًا مَا خَدَا اَسْتَا“ (جسے تم خدا جانتے ہو ہمارے نزدیک وہ محمد صلی اللہ علیہ  
 وآلہ وسلم ہے اور جسے تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہو وہ ہمارے نزدیک خدا ہے) کی تاویل کرتے ہوئے  
 فرماتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حق سبحانہ و تعالیٰ کے آئینہ اور اس کے منظر اتم ہیں اور حقیقت  
 محمدیہ تعین اول۔ جامع تعینات اور مظاہر ہے اور تمام کائنات انکے نور سے ظہور پذیر ہوئی ہے  
 اس اعتبار سے اس نے یہ بات کہی ہے۔ ورنہ حضرت وجود تو ہر ذرہ میں یکساں جلوہ گر ہے اور وحدت معنی  
 کے باوجود تکرار لفظ محض تفسیر عبارت ہے۔

فرماتے تھے فنا و نفس یہ نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کی جناب سے غفلت کے ہونے ہوئے اپنے نفس کا  
 شعور نہ ہو۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ قصاب جب گوشت کاٹنے میں مشغول ہوتا ہے اور زانہاٹی روٹی پکانے  
 میں مشغول ہوتا ہے تو اسے اس حالت میں اپنا شعور نہیں ہوتا۔

فرماتے تھے کہ جو جذبہ شیخ کی توجہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اس میں ضعیف القلب اور قوی القلب برابر  
 ہیں۔ مزاج کی صحت و محنت اور کوشش کی ضرورت نہیں ہوتی۔

فرماتے تھے کہ انسان کی روح میں وہ قوت ہے جو لوح مغیبات ہے۔ جب نبی وہاں سے علوم  
 اخذ کرتا ہے تو فرشتہ وحی کا توسط وہاں نہیں ہوتا ہے بعض تکلمیں نے بھی اس کی تصریح کی  
 ہے جب ولی وہاں پہنچتا ہے تو فرشتہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بیند کے وقت کبھی انسان کی  
 روح اس قوت کے ساتھ پویمتہ ہو جاتی ہے۔ بس اس سے کسی چیز پر مطلع ہو جاتی ہے بس اگر اس  
 معنی کے خیال کو مناسب تغیر نہ دے تو جیسا اس نے دیکھا اسی طرح وقوع پذیر ہوتا ہے  
 اور اسے کشف مجرب کہتے ہیں اور اگر مناسب صورت میں تبدیل کیا تو جیسا کہ وہ علم کے خیال  
 میں مشغول ہوا تو کسی مشروب کی صورت میں متمثل ہوا یا رمضان میں افان فجر میں اس کی  
 روح مشغول ہوئی تو لوگوں کے کھانے پینے اور شرمگاہوں پر مہرگانے کی صورت میں متمثل ہوئی

تو اس کی تعبیر اور تاویل کی ضرورت ہوتی ہے اور اسے کشف مخیل کہتے ہیں کبھی سونے والے کی روح عالم خیال میں پہنچ جاتی ہے مگر اس قوت سے نہیں پہنچتی۔ پس وہ مخزونہ خیالیہ کو دیکھتا ہے بعض اوقات یہ اشکال غلبہ خلاط کی وجہ سے متشکل ہوتی ہیں۔ جیسا کہ بلغمی مزاج جب نیند میں پہلے پانی پی لے تو وہ بخارات دیکھتا ہے اور گرم مزاج شخص جب بیگن کھاتا ہے تو خواب میں وہ آگ جلتی ہوئی دیکھتا ہے۔ یہ تمام الا یعنی قسم کے خواب ہیں۔ ان کی کوئی تعبیر نہیں اور ان کی طرف کوئی التفات نہیں کرنی چاہیے۔ اور تعبیر کرنے والے کو چاہیے کہ خواب دیکھنے کا وقت مثلاً آدھی رات یا صبح ہو اور اس تعبیر کرنے والے کے پاس خواب کو بیان کرنے کا وقت اور خواب دیکھنے والے کی حالت کہ وہ بہمکا مزاج کا شکار تھا یا نہیں۔ خوفزدہ تھا یا نہیں وغیرہ امور کی ابھی طرح احتیاط کرے۔ بعض اوقات ان شرائط کے عدم وجود کے باوجود اس قسم کی قوت قدسیہ حاصل ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ کفار کے لئے احتیاط کی جاتی ہے۔

علم تعبیر رو یا کتاب و سنت سے مستنبط ہے۔ اس فن میں بڑی عمدہ کتابیں ہیں اور بڑے بڑے ائمہ نے جسے جعفر صادق۔ ابن سیرین ایسے ائمہ کبار ہو گزرے ہیں۔

اس فن میں ماہر خواب دیکھنے والے کی اس خواب کو بیان کر دیتا ہے جسے قوت عاقلہ کی کمزوری یا قوت قدسیہ میں علوم و اخبار کے ازدحام سے اشتباہ کی وجہ سے اگرچہ وہ اسے بھلا چکا ہو۔ ان کلمات کے ضمن میں فرماتے تھے کہ آدمی کی روح بعض اوقات خواب میں بعض مغیبات کے مطالعہ کے لئے جدا ہو جاتی ہے۔ اس وقت اس کے لئے رجوع کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ اور وہ اضطراب کرتا ہے لوگ کہتے ہیں کہ اس پر جن بیٹھ گیا ہے۔ پھر فرمایا یا میں بعض اوقات مراقبہ میں ایسا گم ہو جاتا ہوں کہ ہوش میں آنا دشوار ہو جاتا ہے۔ فرماتے تھے درحقیقت ذات کے لئے قرب و معیت اور احاطہ کچھ نہیں ہے کیونکہ وہ دوائی مقتضایا ہیں اور ایک قسم کی مسافت پائی جاتی ہے لیکن خدا تعالیٰ نے مجاہدین کو سمجھانے کے لئے جو دور دور خیال کرتے ہیں عرش کی جہت بیان کی پھر آپ نے فرمایا ان الفاظ سے مراد وہ قرب و معیت اور احاطہ ہے جو برف اور پانی میں موجود ہے یعنی ان صورتوں میں وہ جلوہ ریز ہے۔

صوفیاء کے ایک گروہ کے اس قول کہ ”النقصان مقتضی استعدادات الماہیات“ (نقصان



استعداد و ماہیات کا تقاضا کرتا ہے، کے بیان میں فرمایا لیکن ان ماہیات کا مستقل وجود ہے تاکہ ان کا اقتضا ہو۔ اور اگر اقتضا حضرت وجود کا ہے تو ان ماہیات کی نسبت کا کیا مفہوم ہے۔ حقیقت کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ یہ سب لوگوں کی نظر کا فریب ہے اور بس۔

فرماتے تھے کہ تمام علوم۔ علوم توحید کی نسبت سے ایسے ہیں جیسے آٹے میں بھوسی۔ اور علم توحید وصول و شہود کی نسبت سے آٹے اور مغز کی نسبت ہے۔ وصول سے پہلے علم توحید میں مشغولیت مزہ نہیں دیتی۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ نکاح کرنے والا مشاطہ کے اقوال اور اس کی حکایات کی طرف التفات نہیں کرتا۔ صوفیاء کے اقوال کو بغیر تحقیق کے نقل کرنا ایسا ہی ہے جیسے ہمارے محلہ میں ایک قصہ گو رات کو اپنی طرف سے قصے گھڑتا اور صبح کے وقت لوگوں سے بیان کر دیتا۔

فرماتے تھے کہ اولیاء اللہ کے انکار کے اسباب میں سے سب سے بڑے اسباب یہ ہیں۔ شرکت مکان ہے کہ ایک دلی کے ساتھ ایک ہی شہر اور ایک ہی محلہ میں رہتے ہیں اور شرکت زماں ہے کہ اس کے ہم عصر ہوتے ہیں اور شرکت نسبت ہے کہ وہ ولی بھائی بندوں سے ہوتا ہے اور عوام غالباً اس شخص کے معتقد ہوتے ہیں جس کے خدام بہت ہوں اور عبادت زیادہ کرتا ہو۔ اگرچہ ریا اور دکھاوا ہی کیوں نہ ہو۔ حالانکہ اصول یہ ہے کہ شیخ کی عبادت کی اصلیت کی طرف نظر کی جائے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک شخص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی۔ فرمایا کہ ایک صحابی اس کے پیچھے گیا اور بڑی جستجو کی اسے اس کے نوافل کثیرہ نہ ملے اس سے حقیقت حل دریافت کی۔ اس نے کہا اگر زمین سے آسمان تک جو اہر درہم و دینار بھر جائیں اور وہ میری ملکیت میں ہوں اور وہ تمام دفعۃً ہلاک ہو جائیں۔ تو مجھے ان کے گم ہونے سے کوئی غم نہ ہو۔ ورنہ ہی ان کی موجودگی سے خوش ہوں حاصل کلام یہ کہ مقصود تو دل سے ماسوا کا نکال دینا ہے۔ اگر یہ صفت حاصل ہو گئی تو عبادت تھوڑی بھی زیادہ نفع دیتی ہے۔

حدیث "قلوب بنی آدم تلین فی الشتاء" انسانوں کے دل موسم سرما میں نرم ہو جاتے ہیں، کے معنی کے بیان میں فرمایا۔ انسان کا ظاہر حسی جسم سردیوں میں سرد ہو جاتا ہے اور اس کا باطن گرم ہوتا ہے اور موسم گرما میں اس کے برعکس ہوتا ہے اور جب اس صنف برسی دل کی چربی

پگھل جاتی ہے اور قلب معنوی کو صفائی حاصل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح بھوک کی زیادتی اور ذکر  
بالجہر سے یہ چربی پگھل جاتی ہے۔ شکم سیر کھانا، غصہ اور شہوت پیدا کرتا ہے۔

فرماتے تھے کہ خوارق عادات کا ظہور صرف نشانِ راہ ہے کیونکہ عارف کا مہلج نظر تو شہود  
وصول ہی ہے مگر وہ جو اس حالت سے نیچے اتر آئے تو اس سے وہ کچھ ظاہر ہوتا ہے جو خدا  
چاہتا ہے۔ فرماتے تھے عارف خاتمہ پر نظر نہیں کرتے کیونکہ یہ نقصان ہے اگر وہ ہزار بار یہ نہ دیکھنے  
کہ میں نے کچھ شے بنی بنا دی ہے۔ یا یہ سننے کہ تیرا خاتمہ نجیر ہو گا۔ وہ ان باتوں کی طرف توجہ نہیں دیتا اور  
فوری نفع جو کہ جمالِ محبوب ہے دُور کی امیدوں کے سہارے نہیں چھوڑتا۔

فرماتے تھے ملائکہ اور جن جس شکل میں چاہیں متشکل ہو سکتے ہیں لیکن ان کی حقیقت نفسِ اسی  
طرح باقی رہتی ہے۔ مثلاً جبرائیل علیہ السلام اپنے مقام پر قائم ہیں اس کے باوجود رسالت پناہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وحیہ کلبی کی صورت میں متوجہ ہے۔

اگر کوئی عارف جن کو مسخر کرنا چاہے تو اس کا طریقہ ہے کہ وہ اس کی شکل کی طرف بہت  
کے ساتھ متوجہ ہو تو وہ اس شکل سے نہیں نکل سکے گا مگر یہ کہ جیلے بہانے کر کے عارف کی توجہ  
کو منتشر کرے مثلاً اگر کتے کی شکل میں متمثل ہوا ہے اور عارف اس صورت کی طرف متوجہ ہے  
تو وہ اس صورت سے نہیں نکل سکتا۔ لیکن کبھی بکری کی صورت کو کتے کی صورت پر ڈال دیتا  
ہے۔ اگر عارف اس کی طرف متوجہ ہو تو بھی اسے بند کر دیتا ہے لیکن وہ کتے کی صورت کی  
طرف متوجہ ہو جاتا ہے کہ وہ کہاں گیا پس توجہ میں فتور واقع ہو جاتا ہے اور وہ جن دوسری  
صورت میں نکل جاتا ہے۔

فرماتے تھے کہ سورہ فاتحہ کو اس وضع سے کہ آخر بسملہ کا اول حمد لہ سے ملا کر ایک ہی  
سانس میں ایک ہفتہ تک اکتالیس بار پڑھے تو بعض عرفاء سے منقول ہے کہ مقاصد حاصل ہوتے  
جاتے ہیں۔ فرمانِ خداوندی۔ فوق کل ذی علم علیہم کے متعلق فرماتے تھے کہ علیم  
مبالغہ کا صیغہ ہے کثیر العلم کے معنی میں ہے اور وہ خدا تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی نہیں پس  
استثناء کے مقدر کئے بغیر معنی درست ہوے۔ کاتب حروف کہتا ہے کہ یہ ایک شبہ کا جواب ہے  
شبہ یہ ہے کہ تم کہتے ہو کہ شہود و وحدت کے اوپر کوئی مقام اور علم نہیں ہے اور اس آیت کا

تقاضا ہے کہ ہر علم کے اوپر علم ہے اور یہ لامتناہی سلسلہ ہے شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہاں استثناء مقدر ہے یعنی التوحید الذاتی اور دوسری وجہ یہ ہے کہ علیم خدا کا نام ہے اور شہود اور وحدت توحید ذاتی کے اوپر اسی کی ذات ہے۔ اگرچہ بندہ کیلئے مزید ترقی ممتنع ہے۔ شیخ جنید بغدادی کے قول طارت العبارات الخ کے بیان میں فرماتے ہیں کہ طارت العبارات کیونکہ وہ ظاہر اعمال ہیں اور فقیت الاشارات یعنی وہ جو ظاہر کے متعلق اور باطن سے خالی ہیں۔ وما ینفعنا نوافل العبادات یعنی مکمل نفع نوافل سے ظاہر نہیں ہوا۔ الارکعات خفیة صلیناھا فی جوف اللیل یعنی ہم نے راحت چھوڑ دی اور محنت و مشقت اختیار کی تو ہمیں نفع ہی سبباً نہ و تعالیٰ حاصل ہوا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ زبانی عبارتوں اور اشاروں پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے جناب اقدس میں مکمل خشوع کے ساتھ توجہ ضروری ہے خصوصاً ایسے اوقات میں جبکہ کوئی مانع مغل نہ ہو یہاں تک کہ حضور اور مشاہدہ دائمی ہو جائے۔ کاتب حروف کہتا ہے کہ یہ واقعہ فقیر کے نزدیک اس کے ظاہر پر محمول ہے۔ معیت و جذب کی راہ اگرچہ بذات خود بڑا مکمل ہے لیکن ثواب اور درجات صرف طاعات کا ثمرہ ہیں۔

حدیث الروح ملک له سبعون الف وجه کے بیان میں فرماتے تھے کہ ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد روح الارواح ہو کیونکہ وہ جو ہر ملکی ہے بعض اوقات اسے ملک سے تعبیر کیا جاتا ہے کاتب حروف کہتا ہے کہ روح الارواح سے مراد تجلی ہے جو حظیرة القدس ہے اور ہم ارواح اس کے گرد جسم معنی کے گرد روشنی کی مانند ہیں یا ہم کہتے ہیں کہ روح الارواح سے مراد مثال نوع انسان ہے کہ تمام روحیں اس سے پھوٹی ہیں۔

لطائف مستہ کی تحقیق میں فرماتے تھے کہ روح کے اختلاف عبارت سے مختلف نام ہیں۔ اس لئے ہر اعتبار ایک مستقل لطیفہ کے حکم میں ہے۔

حدیث ثعلبی جو تفسیر میں آئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ترغیٰ علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں دعا کی۔ اللہ ما شرح لی صدی ویسری امری واجعل لی ذریۃ من اہلی۔ اے اللہ میرا سینہ کھول لے اور میرے لئے میرے معاملہ کو آسان فرما دے اور میرے خاندان میں سے میرے لئے وزیر بنا، کے بیان میں فرماتے تھے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ

و جعل لی وزیراً خامساً من اہلی ریرے لئے پانچواں وزیر ریرے اہل سے بنا کیونکہ شیخین  
یعنی حضرت ابو بکر صدیق اکبر اور فاروق اعظم اور دوسرے یعنی جبرائیل و میکائیل پہلے ہی آپ کے  
وزراء تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اثر سئل رأیت ربك؟ قال ما كنت  
اعبد رباً بالماراة فقال النساء کیف رأیتہ۔ فقال لم تفرأ العیون بمشاهدة  
العیان ولكن راتہ القلوب بمحائق الايقان (حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کیا  
آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے فرمایا میں نے کبھی دیکھے بغیر اپنے رب کی عبادت نہیں کی مسائل  
نے پوچھا آپ نے اسے کیسے دیکھا؟ فرمایا اسے آنکھوں سے نہیں دیکھا لیکن قلوب نے یقین کے  
ساتھ دیکھا کے متعلق کاتب حروف کہتا ہے کہ اس توجیہ کا مقصد یہ ہے کہ یہ کلام دنیا میں  
اس طریقے سے روایت جو پہلے سے مقرر ہے کے منافی نہیں ہے۔ عیون سے مراد ایسی عیون  
ہیں جو جہت اور الوان کی تمناضی ہوں مطلقاً عیون مراد نہیں ہے۔ فرماتے تھے یعنی دنیاوی آنکھیں  
جو جہت و الوان اور اشکال کی تمناضی ہیں۔ انہوں نے اسے نہیں دیکھا بلکہ وہ حق الیقین کے ساتھ  
دیکھا گیا پھر فرمایا علم الیقین یہ ہے کہ دجواں دیکھنے کے بعد آگ کے وجود پر استدلال کیا جائے۔ اور  
عین الیقین یہ ہے کہ خود آگ کو دیکھا جائے۔ اور حق الیقین آگ کا علم ہے۔ اپنے نفس کے ساتھ شاہد  
عین الیقین میں ہوتا ہے۔ اور وصول اور شہود حق الیقین میں ہے لیکن سننے اور کتابوں کے مطالعہ  
سے اسرار کی معرفت علم الیقین نہیں ہے۔ علم الیقین یہ ہے کہ کشف حجابات پر اس طرح غالب  
آجائے کہ شک کا احتمال نہ رہے۔ ہاں یقین عرفی جو اطمینان قلب ہے اس طرح کے امور سے  
حاصل ہو جاتا ہے۔

صوفیاء کے اس قول کہ العارف لاہمۃ لہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ عارف  
کی توجہ اظہار خلاق کی طرف نہیں ہوتی بلکہ وہ قدرت حق کی طرف اور اس کے حکم کی طرف  
دیکھتا ہے۔ اگر حکم وقت اس کے قصد و ارادہ کے بغیر خوارق کے ساتھ اس میں جلوہ دیز ہوتا ہے  
تو کوئی ہرج نہیں۔ لیکن عارف کامل کو یہ قدرت دی گئی ہے کہ جب چاہے قہر و غضب کا  
اظہار کرے جیسا کہ ایک مرتبہ ایک بادشاہ عارف کامل کے گھڑی سوار سی کی حالت میں  
داخل ہوا۔ لوگوں نے اسے کہا کہ یہ ادب کے خلاف ہے۔ اس نے تکتبر کیا اور کہا ہم نے بہت سے

فقرار کو دیکھا ہے کسی شخص میں کوئی تاثیر نہیں ہے۔ عارف کو غیرت آتی۔ اس کی طرف غضب ناک ہو رہا دیکھا اسی وقت اس کے گھوڑے نے کسری کی اور پھلے پاؤں پر کھڑا ہو گیا اور بادشاہ زمین پر گر پڑا۔ عارف نے کہا یہ کام ہم نے اس لئے کیا ہے تاکہ فقرار کو حقیر نہ سمجھیں لیکن بعض کاملین باوجود قدر کے اس قسم کے امور کے طرف التفات نہیں کرتے چنانچہ شیخ فرید الدین عطار عین القضا اور حسین بن منصور سجستانی کی گئی ہے وہ خدا تعالیٰ کی قضا و قدر پر خوش ہوتے ہیں اور اس میں تصرف نہیں چاہتے تھے۔ شیخ عطار نے اپنے قاتل سے کہا اے ترک زادے! میں تجھے خوب پہچانتا ہوں خواہ کسی روپ میں آؤ۔ اور اپنا سراں کے ہاتھ میں دے دیا۔ یہاں تک کہ اس نے اسے کاٹ دیا۔ ان امور سے خود فرزدہ ہونا نقصان کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ہاں تنزل کے وقت مظاہرِ قہر کا مقابلہ نہیں کرنا چاہیے۔

فرماتے تھے کہ تجلی ذاتی میں علمی ذہنی یا وہی وجود سے نہیں بلکہ انوارِ موجودہ بوجود خارجی سے مشاہدہ ضروری ہے۔ کاتب حروف کہتا ہے کہ تجلی ذاتی سے مراد یہاں ظہورِ کمالِ تدلی ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا۔ جبکہ آگ کی صورت میں تجلی وقوع پذیر ہوئی۔

فرماتے تھے جو شخص یہ کہتا ہے کہ فنا سے مراد فنا غیرت ہے اور بقا سے مراد اثباتِ علمیت ہے۔ اس نے دلیل و کلام کی رُو سے فاش غلطی کی ہے۔ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کے پانچ لڑکے گھر میں ہوں اور وہ خود تنہا سفر کر رہا ہو۔ اس حالت میں دو چور اس کے سر پر آن کھڑے ہوں اور وہ اپنے لڑکوں کو یاد کرتا ہے اور زبان سے کہتا ہے کہ اے بیٹو! آؤ اور اس چور کو دور کرو۔ یہ حضورِ وہی اسے چوروں سے نہیں چھڑا سکتا اور نہ ہی خوف و ڈر سے نجات دلا سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص بیٹھا ہوا ہو اور وہ پانی کی حقیقت اور برودت بہاؤ و پیاس دور کرنے کی صلاحیت اور کپڑوں کو صاف کرنا وغیرہ پانی کے اوصاف سمجھ لے لیکن پانی پینا اسے میسر نہ آئے تو اس کی پیاس قطعاً نہیں بجھ سکتی اور اگر یہ سب کچھ جانتے ہوئے کسی شخص کو مٹھائی کھانے کی ضرورت ہو مگر اسے کبھی نہ دیکھا ہو لیکن اس کی مٹھاس کی کیفیت اور اس کے اوصاف و تاثیرات سنے ہوئے ہوں اور مٹھاس کے اوصاف بیان کرنے میں اپنے تمام ساتھیوں سے فائق ہو تو بھی اسے ان تمام باتوں سے کوئی نفع نہیں۔ اسی طرح وہ شخص جس نے توحیدِ رسمی پر اکتفا کیا اور شرکِ خفی کا اثر بھی اس کے دل میں باقی ہے تو اسے کوئی نفع نہیں ہوگا۔

پھر فرمایا مذکورہ تجلیات کے آثار وصول رسمی کے ساتھ نہیں بلکہ وصول شہودی کے ساتھ ہی حاصل ہوتے ہیں۔ حسین بن منصور کا ہاتھ کاٹ دیا اور وہ مسکرا رہا تھا اور اس کی ہر انگلی سے انا الحق کی آواز آتی تھی۔ اسے سولی پر لٹکا دیا گیا اور وہ انا الحق کہتا تھا اسے جلا دیا گیا اس کی راکھ سے انا الحق کی آواز بھرتی تھی۔ تین روز کے بعد راکھ کو دریا میں پھینک دیا۔ وہاں سے انا الحق کی آواز سنائی دیتی تھی۔ یہ سب کچھ اس وجہ سے تھا کہ اس نے توحید رسمی پر اکتفا نہیں کی تھی بلکہ توحید حالی سے مشرف ہوا تھا۔ پھر فرمایا توحید حالی کے آثار ہیں۔ توحید ذاتی میں انوار موجودہ کا وجود خارجی کے ساتھ ظہور نورانی کی رویت اور اسی چیز کا ظہور ہے جو کچھ حسین بن منصور سے ظہور پذیر ہوا۔ اور توحید صفائی میں خشوع و خضوع اور انہیں سرور ہوتا ہے۔ توحید افعالی میں توکل اور مدح و ذم کا برابر ہونا ہے۔

فرماتے تھے کہ اصل حق مجذوب سے غالباً خارق عادات اور کشف صادر نہیں ہوتا کیونکہ وہ وحدت ذاتیہ میں اس قدر مستغرق ہوتا ہے کہ کائنات کی طرف توجہ نہیں ہوتی بخلاف سالک کے۔ وہ اس سے مختلف ہوتا ہے۔ مجذوب کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کو ایک شہر سے دوسرے شہر اونٹ کے ہوج میں بیٹھا کر لے جائیں اور اس طرح وادیوں اور راستوں کو اسی طرح طے کریں۔ اگر اس سے کسی اس بستی کے متعلق سوال کریں جس کے پاس سے وہ گزرا تھا تو اسے کچھ علم نہیں ہوگا۔ بخلاف سالک کے کہ وہ ہر مقام کو بالتفصیل جانتا ہے۔

پھر فرمایا اصل حق مجذوب اگر کشف کائنات چاہتا ہو تو اسے لایہ سلوک طے کرنا چاہیے اور اگر کوئی شخص اس مقام کا دعویٰ کرے تو اس سے معرفت ذات و صفات کے متعلق استفسار کرنا چاہیے تاکہ حقیقت ظاہر ہو جائے۔ درہنہ بھوٹے درعیان شیخو خیت نے اپنی دکان چمکانے کے لئے اس بات کو نوک زبان کر رکھا ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ گرامات تو معمولی چیز ہیں ان کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہیے۔ ہاں یہ بات عرفا کا ملین کے حق میں تو بالکل درست ہے لیکن ان جہلا کو معرفت ذات و صفات اور توحید حالی کے شیونات کا کوئی علم نہیں ان کی طرف سے یہ دعویٰ ناقابل التفات ہے۔

شیخ محب اللہ آبادی صاحب تسویہ کے مشرب کی تحقیق میں فرماتے تھے کہ انہوں نے

ذات سے مبداء قائم بذاتہ مقوم بشیونہا تہ مراد نہیں لیا۔ بلکہ ان کی مراد ماہیت ہے جو کہ معقولات ثانیہ سے ہے۔ اسی طرح وجود سے انکی مراد معنی مصدری ہے جو کہ کون و حصول ہے اور تسویہ میں یہ جو کہا ہے کہ ذات الحق لفظ معقول ہے۔ تو یہ محسوس کے مقابلہ میں ہے موجود کے مقابلہ میں نہیں ہے چنانچہ شیخ الرئیس نے شفا میں لکھا ہے کہ معقول موجود کا منافی نہیں ہے چنانچہ ملا جلال دوانی نے بھی تہذیب کے حاشیہ پر یہی بات نقل کی ہے۔ اور اگر ہم اسے موجود کا مقابل کہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ معدوم مطلق ہو۔ بلکہ اس سے جو چیز لازم آتی ہے وہ موجود بنفسہ نفس ہے اور یہ بات درست ہے اور موجود یہی ہے پس ان کی اصطلاح میں لفظ معقول موجود بنفسہ نفس کے مقابلہ میں وضع کیا گیا ہے چنانچہ شیخ اکبر قدس سرہ نے فتوحات کے تیسرے باب میں لفظ معقول استعمال کیا ہے۔ اور اس لفظ سے یہی مراد لیا ہے جو دلیل کے طور پر بیان کیا گیا ہے بس لفظ معقول اگرچہ ان کی اصطلاح میں موجود بنفسہ نفس کے لئے موضوع ہے لیکن موجود من غیر مدخلۃ الغیر ہے حضرت محب اللہ قدس سرہ نے تسویہ میں شیخ اکبر کی اتباع میں یہ لفظ معقول استعمال کیا ہے۔ اور یہ عبارت شاہ عنایت اللہ اکبر آبادی قدس سرہ کی ہے جسے میں نے شبہ کے ازالہ کے لئے لکھا ہے معقول محض۔ ماہیت محضہ اور وجود محض جیسا کہ زید کی ذات حیوان ناطق ہے۔ اس حیثیت سے کہ اس کا وجود افراد کے ضمن میں ہی پایا جاتا ہے ان سے الگ کوئی وجود نہیں وہ یہ بھی فرماتے ہیں۔ افراد الانسان من زید۔ عمرو و بکر و خالد ینتزع منہم ما بہ اشتراکهم و هو الحيوان الناطق الذی هو من المعقولات الثانیة فکذا لک ینتزع من الشیونات وجود الحق د افراد و انسان زید عمرو و بکر و خالد سے جس طرح قدر مشترک یعنی حیوان ناطق کو حاصل کیا جاتا ہے جو کہ معقولات ثانیہ میں سے ہے۔ اسی طرح شیونات سے وجود حق کو اخذ کیا جاتا ہے اور یہ صریح کفر ہے کیونکہ مظاہر کا وجود قیوم جل جلالہ سے حاصل ہوتا ہے اور یہ مظاہر مثال کے طور پر اس کے یوں محتاج ہوتے ہیں جیسے شمع سے بنی ہوئی صورتیں اس شمع کی محتاج ہوتی ہیں۔ اور جو موجود و مشہود ہے وہ تو ذات حق جل شانہ ہے۔ اور خلق کی حیثیت طلسم معقول کی سی ہے۔ کیونکہ عالم تو اس کی فانی اشکال اور اطوار موجودات کا نام ہے اور

حق حضرت وجود کا نام ہے اور یہ ان کے اپنے اس قول کے مطابق کہ حق معقول محض ہے۔ اگر اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ عقل اس کی حقیقت کی تمہ کو پہنچ سکتی ہے تو یہ قول باطل ہے کیونکہ واجب کی کنہ کا کوئی عقل ادراک نہیں کر سکتی اور اگر اس سے مراد معقولات ثانیہ ہیں جیسا کہ سیاق و سباق اس پر دلالت کرتا ہے۔ تو یہ بھی صریح کفر ہے جو کہ وہ لوگوں کے باطل مذہب کی طرف جاتا تھا اور اگر اس سے ان کی مراد وہی ہے جو شیخ اکبر کی ہے کہ "ذات بحت اعتباراً لا یقین معقول محض ہے کیونکہ اس کا کمالات سے خالی ہونا اور اس کا عدم یقین عقلی مفروضے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا اگرچہ مظاہر فانیہ میں بھی موجود حضرت حق ہی ہے لیکن یہ مظاہر اپنے وجود میں درحقیقت اس کے محتاج اور حقیقت میں ذات اور اس کے اعتبارات و معانی اسی کے مقرر کردہ ہیں یا اس سے ان کا مطلب یہ ہے کہ ذات حق مجربین کے احساس سے بلند ہے تو یہ بات درست ہے لیکن ان کی خود اپنی تصریحاً اس مراد کے خلاف ہیں۔ ان کے خطبہ کے آغاز سے ہی احتیاج حق ظاہر ہوتا ہے جہاں کہ وہ فرماتے ہیں الحمد للہ لمن وجد بكل ما وجد تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام موجودات میں موجود ہے اور یوں نہیں کہا۔ الحمد لمن وجد به کل ما وجد تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں کہ تمام موجودات کا وجود اسی سے ہے) فرماتے تھے کہ حق حضرت وجود کا نام ہے جو خارج میں مشہور ہے اور اپنی حقیقت کے ساتھ موجود ہے۔ جیسا کہ پانی برتنوں کی شکلوں اور رنگوں کے اختلاف کے باوجود اپنی اصلیت پر باقی ہوتا ہے۔ اور عالم وجود کے اطوار شیونیات اور اس کی فانی شکلوں اور صورتوں کا نام ہے جو ایک صورت سے دوسری صورت میں تبدیل ہوتی ہیں۔ پس کفر و فسق اور نجاستیں وغیرہ اگرچہ فانی ذاتہ کمالات ہیں۔ لیکن ان کا حضرت وجود کے ساتھ کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ اوصاف عالم ہیں۔ اگرچہ قیوم کل حضرت حق ہے کیونکہ اگر کفر و معاصی کا وہ قیوم نہ ہو تو ان کا وجود کہاں سے آئیگا۔ اسی طرح تولد و تولید بھی اوصاف عالم سے ہیں۔ یعنی یہ بدلنے والی شکلیں اور صورتیں حضرت وجود کے اوصاف میں سے نہیں ہیں۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کے تعینات اور اوصاف امور اعتباری ہیں کیونکہ یہ سب ذات کے اعتبارات نسبتیں ہیں اور ذات ان تمام میں ظہور کے باوجود ان تمام سے منزه ہے فرماتے تھے کہ خواہ مخواہ کے عارف کا کلام دلوں پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ بخلاف عارف کے۔



کلام کے۔ عارف اور متصرف کے نزاع کی مثال نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت کے مہابہ کے مسئلہ میں موجود ہے۔ متصرف میں یہ طاقت نہیں کہ عارف کے ساتھ مکالمہ کرے۔ بلکہ اس سے گریزاں رہتا ہے۔

فرماتے تھے کہ مکاشفہ کا طریقہ یہ ہے کہ حجابات دور کر دیئے جائیں اور اس کا منبع محبت ذاتیہ ہے کہ دونوں جہانوں کو اس حد تک ترک کر دے کہ ملوک و اغنیاء اور تمام دنیا کے لوگ کتوں و خنزیریوں اور شیطانوں کے بھائیوں کی مانند اسے دکھائی دیں۔ اسی وقت حق تعالیٰ اپنی ذاتی محبت اس کے دل میں ڈالتا ہے اور فنا کی مہادیات لوگوں سے تنہائی و وحشت ہے۔ اور راتوں کو مراقبہ کے ساتھ زندہ رکھنا ہے پھر اپنے آپکے فانی اور خدا کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد کثرت مشاہدہ و وحدت کے لئے رکاوٹ نہیں ہونا اور جلوت و خلوت ہو جاتی ہے۔ عیندہ بیداری اور چشم بصیرت عنایت ازلہ کے سرمہ سے سرگیں ہو جاتی ہے۔ تاریک عقل کی غایت ادراک یہ ہے کہ مصنوعات کیلئے کسی صنایع کامل کی ضرورت ہے لیکن وہ ذات و صفات اور شیونات ذات کو کیا پہچانے گا۔

فرماتے تھے جاہل صوفیاء، صوفیاء، محققین کے معنی کو نہیں جانتے اور کہتے ہیں کہ حق کا ظہور مظاہر میں سورج کے کائنات میں ظہور کی مانند یازید کے وجود کا مختلف آئینوں میں ظہور کی مانند ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس طرح ایک جہتی محدود وجود کہ مظاہر سے جدا سے کا تصور پیدا ہوتا ہے۔

حاشا اللہ عن ذالک۔ ہاں بعض اسلاف نے بتدیوں کو سمجھانے کے لئے اس قسم کی مثالیں دی ہیں۔ خدا تعالیٰ کی نسبت عالم کا سایہ ہونا تسمیٰ کا مرتبہ ثانیہ میں ظہور کے معنی میں ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں جیسے دیوار پر درخت کا سایہ پڑتا ہے۔ تعالیٰ اللہ عن ذالک۔ مشہور شعر ہے

چوں تو فانی شدی ز ذکر بذر ذکر خفیہ کہ گفتہ اند آںست

جب تو ذکر کر کے ذریعہ ذکر میں فنا ہو گیا تو یہی ذکر خفی ہے، کا معنی بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ فانی کے لئے امکان کے پرے پوشیدہ ہو جاتے ہیں لہذا اس کا نام ذکر خفی رکھا گیا۔ فرماتے تھے کہ اہل شہود و سانس بچھو بشیر اور چوروں سے نہیں ڈرتے۔ اسی لئے بعض اکابر نے خود کو آزما یا اور ایسے جہنگل میں جہاں درندے بہت تھے اور آب و دانہ میسر

ایس تھا جاٹھرے جب ان کے دل میں کوئی خوف پیدا نہ ہوا تو انہوں نے سمجھ لیا کہ وہ کامل ہیں۔ کاتب حروف کہتا ہے کہ درندوں وغیرہ سے ان کا نہ ڈرنا اس وقت ہوتا ہے جب یہ عالم کثرت سے بے خبر ہو کر ذاتِ واحد کی تجلیات میں مستغرق ہوتے ہیں۔ ورنہ بعض اوقات عالم لوگوں کی طرح ہوتے ہیں۔

کان الشیخ عبد العار کا یحضر مجلسہ الانبیاء والاولیاء شیخ عبد القادر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں انبیاء و اولیاء کا ہجوم ہوتا تھا، کی تشریح میں ذمے تھے کہ آپ رضی اللہ عنہ حقیقت روح جو کہ تمام کائنات جاری و ساری ہے سے اصل تھے۔ پس آپ اسی مرکز ہدایت سے گفتگو کرتے تھے۔ جہاں سے دوسرے انبیاء اولیاء گفتگو کرتے تھے۔ اسی بات کو تسامح کے ساتھ اس طرح تعبیر کیا گیا۔

قوله تعالیٰ اذا قرأت القرآن فاستعذ بالله من الشیطان الرجیم کی تفسیر میں فرماتے تھے کہ تو شیطان سے اظہار برأت کر اور اس کے شر سے دور رہ۔ اس وجہ سے کہ تلاوت قرآن کے وقت دل مولیٰ کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ اور دنیا و آخرت سے روگردان ہو۔ درحقیقت یہی تمہود مفید ہے۔ اگرچہ الفاظ تمہود استعمال کرنے جاہل یا نہ کئے جائیں۔

خالد بن سنان کے اس قصہ کہ انہوں نے وصیت کی تھی کہ مرنے کے چالیس روز بعد نہیں قبر سے نکالا جائے تاکہ وہ عالم برزخ کے متعلق بتا سکیں۔ اسے متعلق فرماتے کہ جو عالم برزخ میں پہنچ گیا اس کا اس نام سوتی جسم کے ساتھ جو کہ قابلِ تجزی و تبخیر اور خرق و التیام ہے۔ دوبارہ آنا ممکن نہیں۔ البتہ اس کا مثال بدن کے ساتھ جو کہ قابلِ تجزی اور خرق و التیام نہیں ہے۔ واپس آنا جائز ہے جس دروہ روح اجساد شخص اعمال۔ اطلاق اور ظہور معانی مختلف صورتوں میں ذوات مجرد جسمانی اشباح میں آسکتی ہیں۔ جیسے جبرائیل علیہ السلام کا وحیہ کلبی کی صورت میں متشکل ہونا ہے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کی متشکل روحیں اور مشاہدہ خضر علیہ السلام وغیرہ۔ یہ تمام عالم مثال کی نیزگیان ہیں اس دنیا میں نفوس کاملہ مختلف اشکال میں ظاہر ہو سکتے ہیں تو عالم برزخ میں بطریق اولیٰ ہو سکتے ہیں کیونکہ یہ قوت مجاہدات بدنی کے ارتفاع کی وجہ سے زیادہ ہو گئی ہے۔ پس خالد بن سنان کی مراد بدن مثالی کے ساتھ رجوع ہے۔

جسم عنصری کے ساتھ نہیں۔ کاتب حروف کہتا ہے کہ قیامت سے پہلے اس دنیا میں روح کا بدن عنصری میں لوٹ آنا وہی رجعت ہے جس کے باطل ہونے پر اہل سنت کا اتفاق ہے۔ کاتب حروف کہتا ہے کہ بعید نہیں کہ یہ کلام اپنے کلام پر محمول ہو۔ عارف میں یہ طاقت ہوتی ہے کہ تدریجات ارواح کو ان کی مثالی صورتوں میں لانے کے لئے اپنے مقام سے نزول کرے ان تدریجات کی مثال ان صورتوں کی طرح ہے جو نیند کی حالت میں تخیل میں آجاتی ہیں۔ چونکہ آنجناب شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کو عالم ارواح میں مکمل نمکین حاصل تھا۔ اس لئے تدریجات ارواح انبیاء و اولیاء اپنے آپ وجود مثالی سے آپ پر نزول کرتی تھیں۔

فرماتے تھے آج سے پہلے سال پہلے الہام کیا گیا کہ اگر ہماری رحمت کی امید پر نماز ادا کرتا ہے تو تجھ پر رحمت کی اور اگر ہماری رضا کا متلاشی ہے تو ہم تجھ سے راضی ہو گئے ہیں نے عرض کی خداوند! امیر مقصد تو تعمیل ارشاد ہے اور بس لیکن اب دوسرا معاملہ ہے پھر فرمایا۔

”الصوفیة عبد الظواہر و احوار البواطن“

فرماتے تھے اہل شہود و عبادت کے مکلف نہیں لیکن خدا تعالیٰ ان پر عبودیت قائم رکھتا ہے۔ اور چونکہ یہ نفس بلکہ روح سے بھی نجات حاصل کر چکے ہیں۔ اس لئے زنا، شراب نوشی ایسی برائیوں کی طرف ان کی توجہ نہیں ہوتی مگر شافونادر کا کچھ اعتبار نہیں۔

صوفیاء کے قول القید کفر و لو کان باللہ کی تاویل میں فرماتے تھے کہ عبودیت دوئی کا مقتضی ہے۔ لہذا اہل شہود کی عبادت حق سبحانہ کی اقامت اور اس کے تصرف سے ہوتی ہے۔ پس عبودیت کی قید کے ساتھ عبادت کفر ایک حقیقت ہے۔ اور اسی کی تاویل صوفیاء کے اس قول ”عجبتہ اللہ راس کل خطیئۃ میں بھی جاری ہے کیونکہ محبت محبوب اور محبوب کی مقتضی ہے۔ اور دوئی تمام خطاوں سے بڑھ کر خطا ہے۔ لہذا جو شخص تمام خطاوں سے گزر جاتا ہے وہ خدا کی محبت کو پہنچ جاتا ہے اور جب اس محبت سے تجاوز کر جاتا ہے تو مرتبہ شہود کو حاصل کر لیتا ہے۔

کاتب حروف کہتا ہے کہ خلاصہ کلام یہ ہے کہ عبادت عارف اور مبتدی دونوں کرتے ہیں لیکن ان کے مراتب اخلاص میں فرق ہے۔ پہلا مرتبہ حضور ترک ریا اور شہرت اور فخر کو چھوڑ دینا ہے۔ اس کے بعد جنت کی طمع اور دوزخ کے خوف کے بغیر محبت ذاتیہ کے ساتھ عبادت

لئے کا درجہ ہے۔ اس کے بعد اپنی قوت و طاقت کے ساتھ نہیں۔ بلکہ اللہ کی قوت و طاقت کے ساتھ عبادت کرنے کا درجہ و مقام ہے۔ اس کے بعد سب سے زیادہ دقیق مرتبہ عبادت ہے جو عوام کی سمجھ سے بالا ہے حاصل کلام یہ کہ حضرت وال کا اشارہ ان مراتب کی طرف ہے۔ معاذ اللہ عبادات کے معاملہ میں تساہل مراد نہیں۔ اس کا قرینہ یہ ہے کہ حضرت والا شریعت کے اس قدر پابند تھے کہ آخری عمر تک آپ کے کوئی ادب اور سنت ترک نہیں ہوا۔ اور دوسرا قرینہ یہ ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ انبیاء علیہم السلام کا ظاہری اعمال کو ادا کرنا خیریت کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ حق تعالیٰ کا فریضہ ہے جس کی اقتداء کی جانے گی معلوم ہوا کہ خیریت سے ان کی مراد وہ معنی ہیں جو انبیاء میں بوجہ اتم پلٹے جاتے ہیں۔

پیرہات کے قول سے

از نفسی در اثبات بردوں صحرانے مست  
کیں طائفہ را در اں مبیلاں سولائے مست  
اسے دوست چو عاشقے در اں جابر سرد  
نہ نفسی نہ اثبات نہ موراجائے مست  
نفسی و اثبات سے آگے ایک صحرا ہے جس میں یہ گروہ سرگرداں ہے اے دوست جب کوئی عاشق  
وہاں پہنچتا ہے تو نفسی و اثبات تو کجا ایک بال کی بھی گنجائش نہیں ہوتی۔

فرماتے تھے کہ اصل شہود یہ ہے کہ ثبات کا ثبوت اس طرح ہو کہ مثبت اور مثبت ایک ہو جائے  
عشق عاشق اور معشوق تینوں ایک ہیں یہاں جب وصل کی گنجائش نہیں تو پھر کیسے سا سکتا ہے اور اہل  
سلوک کے ہاں نفسی وصل تو ہم غیریت کے لئے نفسی ہوتی ہے جب یہ وہم منحنی ہو گیا تو عین کی نفسی  
ثابت ہو گئی اور لفظ "نہ موراجائے مست" بساطت اور صرافت ذات سے کنایہ ہے۔

خواجہ نقشبند نے بعض اسلاف کا جو یہ قول "توحید کو چہ تنگ است" نقل کیا ہے کے بیان  
میں فرماتے تھے کہ جس وقت عارف کی نظر سے جم کثیرہ صفاتیہ، سماویہ پوشیدہ ہو جاتی ہیں اور  
وحدت ذات کے سوا کسی چیز کا مطالعہ نہیں کرتا پس یہ کو چہ تنگ ہے لیکن بقار کے بعد جب اسے  
وحدت میں کثرت اسماء و صفات میسر آتا ہے تو اس جگہ عظیم وسعت ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ  
نفس و حدت پر اکتفا کرنا کمال نہیں بلکہ کمال توحید عین وحدت میں کثرت کا مطالعہ ہے۔

بعض صوفیاء کے قول حقیقت الواجب اظہر الاشیاء اور بعض دوسرے صوفیاء کے قول  
حقیقت الواجب لا یدرکہ احد کے بیان میں فرماتے تھے کہ اظہریت اس اعتبار سے ہے

۔ دو وجود مشہور ہے۔ اس میں وجود حق ہے اور حضرت وجود تمام میں جاری و ساری ہے۔ اور دوسرے تمام امور اعتباری ہیں اور اس کا علم ادرال اس اعتبار سے ہے کہ مخلوقات مرتبہ مخلوقیت میں اس تک نہیں پہنچ سکتی۔ اس سے اپنی نبوت سے نہیں پہنچتا اور نہ ہی ولایت اپنی ولایت۔ زائد اپنے زید اور عالم اپنے علم سے پہنچتا ہے۔ لیکن امکانی مجاہبات اور نفسانی ظلمات کے اکٹھے جانے کے بعد وہ خود اپنے نور سے پہنچانا جاتا ہے۔ جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عرفت ربی لا بنفسی۔ یہاں ایک دوسرا مفہوم بھی ہے کہ معرفت سے مراد تمام شیونات کے ساتھ اس کی معرفت ہے اور یہ دنیا میں محال ہے۔ کیونکہ ہر مظہر عین واحد ہے معرفت کل کی طاقت نہیں رکھتا اور تجلی برقی آنی ایک لمحہ سے زائد نہیں ہوتی۔ اس وقت شیونات کی تفصیل کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا۔

ان اللہ سبعین الف حجاب کی تشبیہ ذاتیہ کی احدیت کے ساتھ تطابق ان اللہ سبعین الف حجاب میں فرماتے تھے کہ مظاہر کے ساتھ ذات جو باقرب حقیقی ہے اس کے ساتھ سب سے قریب ترین مثال کلی کا جزئی کے ساتھ قریب ہو سکتی ہے اگرچہ وہ علیہ اور جزئیہ سے بالاتر ہے۔ اسی اعتبار سے وہ شاد رگ سے زیادہ قریب ہے۔ مجاہبات و مجاہدہ کی کثرت کی وجہ سے اس کا بعد اعتباری ہے۔ پھر فرمایا کہ حضرت وجود کو ظاہر کے ساتھ نسبت امتبار سے کوئی حجاب نہیں ہے۔ بلکہ حجاب واجب اور ممکن کے درمیان ہے پس ممکن محبوبہ کے صفات تاثیرہ قاصرہ سے متصف ہے۔ اللہ کی طرف رسول جو کہ صفات و ابدیہ موثرہ جیسے عاقبت۔ از قیت۔ بقا۔ اور قدم وغیرہ سے متصف ہے کثرت منازل و وجہ سے معصوم لکھولت میں جو شخص مجذوب ہے اس پر خدا تعالیٰ وصول آسان کر دیتا ہے جیسا کہ دیکھنے والے پروردگار کا لکھنا آسان کر دیتا ہے باوجودیکہ دیکھنے والے اور سورج کے درمیان سمائی کثیف حجابات میں یہاں معنوی صیف حجابات کے سوا کچھ نہیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ جہانی اور امکانی حجابات میں محصور ہوگا اس حد سے اور کثرت ہے۔ تحدید نہیں ہے۔

خواجہ نقشبند کے قول "پی بس حقیقت می توان برد و اما بس معرفت و علم کے نوال رسد" کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے تھے جب آفتاب احدیت کو در عارف سے طلوع ہوگا حقیقت منکشف ہوگئی لیکن سر معرفت و علم تو یہ تمام شیونات کی معرفت کے ساتھ وابستہ ہے اور یہ

محال ہے۔ لوگوں کا صوفیہ کو کافر کہنے کا سبب یہ ہے کہ وہ ان سے سنتے ہیں کہ حق سبحانہ و تعالیٰ وجود مطلق ہے اور وہ یہ نہیں جانتے کہ ان کی اصطلاح میں وجود موجود کے معنی میں ہے اور مطلق سے ان کی مراد یہ ہے کہ ذات حیث الذات میں کوئی اعتبار ماخوذ نہیں ہے۔ نہ کلیتہً نہ جزئیہً نہ عموم ہے۔ خصوص بلکہ اس میں اطلاق کا بھی اعتبار نہیں ہوتا۔

صوفیاء کے قول "کل نبی ولی ولا عکس" کے بیان میں فرماتے تھے کہ ولایت اصطلاحیہ نبوت کے لئے شرط نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص محبت یا محبوبیت میں ہو اور خدا تعالیٰ اسے نبوت تبلیغ سے سرفراز فرمائے۔ ہاں کامل انبیاء کو ولایت اصطلاحیہ اور نبوت دونوں سے نواز دیتا ہے۔ جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام اولوالعزم پیغمبر علیہم السلام۔

حضرت بایزید کے قول "خضت بحر اوقاف الانبیاء بساحلہ" میں سمندر میں گھس گیا اور انبیاء اس کے ساحل پر کھڑے تھے، کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: انبیاء کی استعداد کامل ترین استعداد ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ وہمیت محضہ ہے تکاد ذیتھا یغیثہ ولولہ تمسہ نار۔  
 قریب ہے کہ اس کا روغن آگ کے چھوٹے بغیر روشن ہو جائے، لامحالہ وہ حقیقی اہل شہود میں سے ہیں۔ لیکن حکمت ارشاد کی وجہ سے خدا تعالیٰ انہیں مقام مشاہدہ میں اتار لاتا ہے پس بایزید کے قول کا معنی یہ ہے کہ وقفوا بعد الخواض (خوٹے لگانے کے بعد ساحل پر کھڑے تھے) بحر سے مراد شہود و عدت اور ساحل سے مشاہدہ مراد ہے۔

فرماتے تھے کہ توجید افعال کے حصول کی علامت یہ ہے کہ سالک معیشت کی تدبیر چھوڑ دے اسے توکل نام حاصل ہو گیا اور ضارب کی ضرب۔ موزی کی ایذا اور منعم کے انعام کو حضرت قیوم کی طرف منسوب کرے۔ اور توجید صفات کے حصول کی علامات یہ ہیں کہ بالغ نظر سالک اپنے قوی سماعت اور بصرات کو مالک حقیقی کے سپرد کر دے سوائے اس بات کے کہ حضرت وجود کا تعین و تقید میں ظہور تبیین صفات کا مورث ہوتا ہے۔ جیسے کہ کوئی شخص سمندر کے بہاؤ کو نہر یا جھوٹے ناموں میں مشاہدہ کرے ضروری نہیں کہ وہ شخص سمندر میں موجود لعل و جواہر اور حیوانات سے مطلع ہو۔ اسی طرح وہ دیکھتا ہے کہ سمیع و بصیران مظاہر میں ذات حق ہے تو ضروری نہیں کہ وہ تمام سموعات اور بصرات پر مطلع ہو کیونکہ یہ واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کے

خواص میں سے ہے۔ حدیث ما تقرب الی عبد الخ کا مفہوم حدیث ما تقرب الی عبد  
احب الی ما افترضت علیہ ولا یزال عبدی یتقرب الی بالنواحل حتی اکون  
سبعہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے تھے۔ توحید میں قرب فرائض یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اور  
اس کے افعال کے بے مثل و یگانہ ہونے پر ایمان لائے اور اس بات پر کہ عالم میں اس کے بغیر  
کوئی مؤثر نہیں ہے اور قیوم نہیں ہے اور جسے یہ ایمان حاصل نہیں ہوتا وہ آخرت میں ماخوذ ہوگا  
توحید میں قرب نوافل یہ ہے کہ محاببات کے ہٹانے کی کوشش کرے اور یہ قرب نفل ہے مگر  
بندہ اسے حاصل نہ کرے تو اس پر مواخذہ نہیں ہوگا۔ اس تقدیر پر حدیث کا معنی یہ ہوگا کہ  
کوئی شخص بھی توحید جمالی میں سے فرائض کی ادائیگی سے بڑھ کر حق تعالیٰ کے حضور قرب حاصل نہیں  
کر سکتا کیونکہ اسے ترک کر لے پر مواخذہ نہیں ہوتا ہے اور توحید تفصیلی میں بندہ ہمیشہ ریاضات  
شاقہ یا محض جناب قدس کی بارگاہ میں توجہ کے ذریعہ محاببات کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے  
یہاں تک کہ خدا تعالیٰ اسے اس کی خودی سے پھیر دیتا ہے اور دوستی اسی کا نام ہے اور جب  
بندہ مکمل طور پر اس مقام کو حاصل کر لیتا ہے تو جس طرح اس کی ذات فنا ہو جاتی ہے اس کی  
صفات بھی اٹھالی جاتی ہیں۔ اور جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ اس کی صفات لے لی جاتی ہیں اور  
ذات اسی طرح رہتی ہے۔ یہ غلط ہے۔ بلکہ تمام امکانی محاببات مرتفع ہو جاتے ہیں پس کیسے  
کہا جائیگا کہ اس کی ذات باقی ہے۔ کاتب حروف کہتا ہے کہ یقیناً جو شخص یہ کہتا ہے کہ صفات  
اخذ کی جاتی ہیں نہ کہ ذات۔ اس سے اس کی مراد یہ ہے کہ وجود عنصری اس میں زبردہ ہے اور  
اس طرح تمام طبقات خارج میں اسی طریق پر کہ پہلے تھے۔ توحید کے بعد بھی ہیں اور اگر بعض آثار  
بطور خوارق ظاہر ہوں تو لامحالہ یہ تبدل صفات میں سے شمار ہوگا اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ  
ذات بھی فنا ہو جاتی ہے ان کی مراد یہ ہے کہ ایسی فنا جو صوفیاء کے نزدیک معتبر ہے بس یہ طلی  
نزع ہے فرماتے تھے کہ جسے ذات حق سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ وصول حاصل ہو گیا لیکن  
بعض پردے درمیان میں حائل ہیں تو اس پر غم اور رونے کے آثار ظاہر ہوتے ہیں بلکہ بعض  
اوقات تو وہ عام بخوبین کی طرح ہو جاتا ہے لیکن وہ باخدا جس کی رسائی لطائف حقیقت تک  
ہے وہ غم و اندوہ اور دوئی میں ہرگز نہیں پڑتا۔ کاتب حروف کہتا ہے کہ یہ حجاب جو بکا

اور غم کا سبب ہوتا ہے وہ دشتی اور بہیمیت کی شدت ہے جو خود اس کے نفس کیلئے حجاب ہے۔ کی صورت بن جاتی ہے اور وصل عرفان نصیب نہیں ہوتا اور وہ شخص جس کی بہیمیت لطیفہ ہے وہ ہمیشہ اس اور سرور میں ہوتا ہے۔

والعصر ان الانسان لغي خسر کی تشریح۔ قول ربانی والعصر ان الانسان لغي خسر الخ کی تفسیر میں فرماتے تھے کہ اس جگہ زمانہ کی قسم۔ ذات بقار۔ سرمدیت اور اس کا دوام ہے کیونکہ واصیلین کے سوا تو ہم اور دوئی میں واقع ہیں کسی نے حضرت والا سے سوال کیا کہ سالک کی انتہا کیا ہے۔ تو فرمایا دوئی کو مٹانا اور شہود وحدت اور یہ وہ بلند ترین مقام ہے جس کے اوپر کوئی چیز نہیں شیخ عبدالشکر کھانی جو اس زمانے کے مشائخ میں سے تھے نے کہا کہ توحید ایک مقام ہے جو راستہ کے درمیان پیش آتا ہے۔ حضرت والا نے فرمایا مجھے اس سے آگے کی خبر دیجئے، اسی نے کہا ایک بہت ہی گہری چیز ہے۔ فرمایا سالک جب وحدت محضہ کے ساتھ دہل ہوتا ہے اور کثرت اس کی نظر سے غائب ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد منزل کرتا ہے تو وحدت کو کثرت میں دیکھتا ہے یہ منزل ہے اسے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ توحید سے بلند تر ہے۔ ولیس وراء عبدان قریۃ والی ربك المنقی

کاتب حروف کہتا ہے کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ توحید راہ سلوک میں ایک مقام ہے اس کی مراد کثرت سے رویت جمع و ذہول ہے اور پیکر و غلبہ کی ایک قسم ہے۔ اور جو شخص شہود وحدت محضہ کو راہ سلوک کا آخری مقام قرار دیتا ہے۔ اس کی غرض یہ ہے کہ لطیفہ انافی نفسہ۔ سبب اعلیٰ لطیفہ ہے۔ جبکہ جمع الجمع۔ وحدت اور کثرت دونوں کو دیکھتا ہے۔ رویت کا منشا لطیفہ انا کی وحدت محضہ ہے۔ اور رویت کثرت کا منشا لطائف سافلہ میں پس حقیقت اعلیٰ مقامات وہی ہیں جو لطیف ترین لطائف کے مدارک ہوں۔ واذا علم

رشحات میں بعض عارفین سے جو منقول ہے کہ من درابتدایے گفتہ ممکن عین واجب است و در انتہا معلوم شد کہ واجب عین ممکن است کے متعلق فرماتے تھے کہ ان دونوں عبارتوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی بات صفات امکانیہ میں ضرور واجب کو مستلزم ہے اور دوسری عبارت کا معنی یہ ہے کہ تعینات امور اعتباریہ اور اعدام محضہ ہیں اور موجود حقیقی واجب کے سوا کوئی



نہیں۔ فرماتے تھے کہ ہر دورہ میں جب خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ شیونہات کو پیدا فرمائے تو پہلے مثالوں کو پیدا کرتا ہے جو کہ باب انواع سے متعلق اور اس کی ذات سے عبارت ہیں اور یہ ہر نوع میں ہوتا ہے۔ جیسے دلخت پتھر انسان گھوڑا وغیرہ بس نوع انسانی کی مثال اس کے مظاہر میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس کے بعد یہ دورہ ختم ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ارجح بھی فنا ہو جاتی ہیں۔ اس کے بعد مذکورہ ترتیب سے پیدا فرماتا ہے۔

حق تعالیٰ کے افعال و صفات میں تعطل نہیں ہے پس امام جعفر صادق کا قول کہ "نخن انما بس سرمدیوں" طول مدت پر محمول ہے۔ یا اس اعتبار سے کہ خدا تعالیٰ سرمدی ہے پس اس کے لحاظ سے ہر وہ شخص جس پر ابد اور ازل منکشف ہو گیا خود کو سرمدی جانتا ہے۔ کاتب حروف کہتا ہے کہ اس فقیر کے نزدیک اس کلام کا معنی یہ ہے کہ ظہور مثال سے پہلے محتائق کاملہ کے یقین کی صورت انسان ہے۔ اور یہ یقین اشتقاق صورت محضہ کی رو سے حقیقتہ الحقائق ہے۔ اس طرح جینر بساطت میں وہی ہے اور مراتب تنزل میں وہی ہے اور مراتب کونہیہ میں غور و خوض کی تیاری کے لئے وہ اشتقاق ارادہ قدیمہ واجبہ میں ہے جیسا کہ وہ ستارے جو حوض میں عکس ریز ہوتے ہیں جو حوض کا پانی خواہ ہزار شکلیں تبدیل کرے ستارے ویسے کے ویسے ہی رہتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

شیخ اکبر کے قول کی تشریح | شیخ اکبر کے قول العبد عبد وان ترقی والرب دب وان تنزل کی توضیح بیان کرتے ہوئے فرماتے

تھے کہ بندہ اگرچہ مراتب عالیہ پر ترقی کر جائے۔ اپنی عین کی مقدار سے خارج نہیں ہوتا پس تمام کمالات اس کے عین کی استعداد کے اندازے کے مطابق ہیں۔ اور حضرت حق اپنی صرافت اور اطلاق کے ساتھ ہے۔ اگرچہ اس نے مظاہر میں ظہور فرمایا ہے۔ اس فقیر کے نزدیک اس کلام کا معنی یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ کسی شخص یا کسی انسان کے لئے تجلی فرماتا ہے تو اگرچہ وہ تجلی متجلی لہ کی استعداد کے مطابق ہوتی ہے بسطوت تسخیر اور قہر و جوب اس میں نمایاں ہوتا ہے اور بندہ مقام فنا میں کسی مرتبہ اعلیٰ مراتب پر پہنچتا ہے۔ انفعال اور تاثر امکان اس میں ظاہر ہے

واللہ اعلم

## حضرت شیخ ابوالرضا محمد تقی کے چند مسودات اور مکتوبات

شیخ عبداللہ جو کہ شیخ احمد سرہندی کے پوتے تھے اور اس دور کے مشائخ میں سے تھے حضرت والا کی خدمت میں خط لکھا جس میں تحریر تھا: "میں آپ کے اخلاقِ کریمانہ سے امید کرتا ہوں کہ آپ مجھے اپنے اوقاتِ مخصوصہ میں اپنی نیک دعاؤں سے فراموش نہیں کریں گے۔ بلاشبہ معاملہ دشوار ہے اور راستہ مشکل و خوفناک ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وان امامکم عقبۃ کتودرتہارک سامنے پچھیدہ اور دشوار گھائی ہے، شرع

کیف الوصول الی سعادہ و دنہا قلیل الجبال و دونہن حتوف

الرجل حافیۃ و مالی مرکب و الکف صفر و الطریق مخوف

میں سحارت تک کیسے پہنچوں۔ راستہ میں بلند پہاڑ اور نشیب و فراز حامل ہیں میرے پاؤں میں جوتا ہے نہ میرے پاس کوئی سواری ہے۔ راستہ خوفناک ہے اور میں تہی دست ہوں۔ میرے عزیز و مشفق! حقیقت الفاظ میں نہیں سما سکتی، غیر حق بیان کے لائق نہیں اس لئے بات مختصر کرتا ہوں۔ والسلام۔

حضرت والا نے اس مکتوبات کا جواب اس طرح دیا۔ ہوا اللہ احد

آپ کا شفقت و عنایت نامہ ملا جس نے دوستی و یگانگت کو استحکام بخشا، اللہ سبحانہ و

تعالیٰ آپ کو اس مہربانی کی جزا عنایت فرمائے اور اپنے مقصد تک پہنچائے۔ آپ نے لکھا تھا۔

کیف الوصول الی سعادہ و دنہا۔ قلیل الجبال و دونہن حیوف۔ الرجل حافیۃ

و مالی مرکب۔ و الکف صفر و الطریق مخوف۔ انتہی۔ حق یہ ہے کہ ہویہ ذاتیہ مطلقہ کی

محبوبہ رسالت تک اطلاق حقیقی کے ساتھ سیر مستطیل کے ذریعہ وصول دشوار ہے کیونکہ اس

کی بنیاد اعتبارات محضہ و اضافات و ہمیہ صرفیہ جو کہ عالم خلق و اثر سے ہیں کے پہاڑوں کی

چوٹیوں کے عبور پر ہے۔ جوہیت صعب الحصول ہے کیونکہ سالک نے اپنی حقیقت کو اس سے

خوفزدہ بنا دیا ہے۔ اور اپنے شعور و ادراک کو اس کی تلاش میں لگا رکھا ہے۔ درنہ سبحانہ و

تعالیٰ تو درحقیقت وجہ خاص کی بنا پر انسان کی شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اس کا

راستہ پر امن ہے خوفناک نہیں اس مقام پر ننگے پاؤں ہونے کی گنجائش نہیں۔ نہ ہی سواری کی اور نہ ہی اس جگہ تہی دستی کا سوال ہے۔ جبکہ وہ اپنی ذات میں قائم ہے لیکن لوگوں میں اس کا ظہور نہیں بس پاک ہے وہ ذات جو اپنے نور کی شعاعوں میں محبوب ہے اور اپنے ظہور کے استغراق میں مخفی ہے۔

تو همت قدما ان لیلی تبرقعت      وان لنا فی البین ما یبتنع اللہاد  
فلاحت فلا واللہ ما ثم مانع      سوی ان عیذنی کان من حسنہا اعمی  
قدما کا خیال ہے کہ لیلی نے برقعہ اڑھ رکھا ہے۔ مگر ہمارے سامنے تو یہی بدائی ہے کہ جو حجاب بن کر  
بوسے مانع ہے جب محبوب نے اپنا چہرہ ظاہر کیا تو اس وقت کوئی چیز اس کے دیدار سے مانع نہیں تھی  
مگر ہماری آنکھیں اس حسن کا جلوہ نہ دیکھ سکیں۔

پردہ برخاست تا بدیدستم      دوست با دوست کردہ در آغوش  
آن شناسد حدیث این دل مست      کہ ازیں بادہ کردہ باشد نوش  
اپر وہ اٹھاتو میں نے دیکھا کہ دوست نے دوست کو آغوش میں لے رکھا ہے۔ دل مست کی بات  
وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس نے اس شراب کو پایا ہوم۔ رباعی سے

وغنی بی منی قلبی فغینت کما غنی      وکنا حیث ما کانا و اچیت ما کنا  
روزیاں تو بودم ونمی دانستم      شب با تو غنودم ونمی دانستم  
ظن بودم را بن کہ من جملہ منم      من جملہ تو بودم ونمی دانستم  
مکتوب میں یہ بھی لکھا ہوا تھا کہ جو حق ہے وہ بیان میں نہیں آسکتا۔ اس سے ظاہر ہوا تو یہ  
ہے کہ سننے والوں کے فہموں میں قصور ہے اس لئے بیان میں نہیں آسکتا۔ ورنہ سخن اگر لفظی ہے تو یہ  
عین گفتہ ہے۔ اور اگر نفسی ہے۔ فدا من عیان الاولہ بیان — دومرہ

کبیرا کا کہر سکھ رہی جہاں سلسلی سبل      وکت بانو پیل کی سودا کون لادی بیل  
والسلام علی اهل اللہ الکرام۔

جب شیخ کا نامہ گرامی پہنچا تو شیخ بعد الاحدثے ایک انتہائی فصیح و بلیغ خط لکھ بھیجا اس  
میں صعوبت حصول اور بعد راہ کے مضامین کو بیان فرمایا۔

مکتوب شیخ عبدالاحد۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ وسلام علی  
 عباده الذین اصطفیٰ امابعد۔ گرامی نامہ جواز راہ شفق و تطف ار سال کیا گیا تھا موصول  
 ہوا۔ اس کے مطالعہ سے بہرہ ور ہوا۔ یہ مکتوب باریکیوں سے پر ایک باب اور معارف و حقائق سے  
 بھر پور ایک کتاب تھی۔ اس کی رنگین عبا زمیں پاکیزہ اور اس کے لطیف اشارات دلکش تھے۔  
 نکتہ نش ہمہ ہر رنگ چمن کردہ بر دفتر گل مشق سخن

اس کے تمام نکات باغ کی طرح تر و تازہ و رنگیں تھے گویا پھولوں کے کاغذ پر مشق سخن کی گئی ہے  
 اللہ سبحانہ آپ کو بہترین جزا عطا فرمائے اور اپنی بہترین خوشنودی سے خوش کرے خط  
 میں تحریر تھا کہ ہویت ذاتیہ کی محبوبہ (سعادت) تک مستطیل کے ساتھ صعب الموصول ہے۔ ورنہ  
 حق سبحانہ و تعالیٰ تو شاہ رگ سے بھی بندوں سے زیادہ قریب ہے۔ یہ آپ نے وجود کے متعلق فرمایا  
 لیکن وجدان میں حق سبحانہ و تعالیٰ و راہ الوراہ سے بھی و راہ الوراہ ہے۔

برگ بیزنگی بسازے عند لیب بے نوا کہیں گل ماہر تابد از نزاکت رنگ را

### دوہڑا

پنپ نکت سنکم کم بگر یا یہ چون جہانہ چکہ اکیں مکہ من رہی ملنہ بہر بہرمانہ  
 شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

با این ہمہ نزدیک جانناں چہ بسی دوری در عین وصال تو گشت این ہمہ بھوری  
 تحریر تھا کہ اس کی طرف کوئی راستہ نہیں جاتا تھا نہ پر من اور نہ خوفناک بر منہ پانی اور  
 تہی سستی کی وہاں گنجائش نہیں۔ ہاں وہاں کوئی راستہ نہیں لیکن اس سے پہلے پہاڑوں کی چوٹیاں  
 اور ان سے ورے نشیب و فراز حائل ہیں۔ وہاں راہ حقیقت کشادہ اور مضبوط ہے اور قوموں  
 کی قومیں اس میں رواں دواں ہیں۔ سبحان الذی اسری بعد ۶ لیلا میں اس کی  
 طرف ایک رمز ہے اور انی ذاہب الی ربی میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ قل ہذا سبیلی  
 ادعوا الی اللہ سے یہی مراد ہے "ففر والی اللہ" اسی معنی کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور وہ  
 دو شعر جو آپ نے نور مطلوب کے ظہور اور طالب کی کم مائیگی سے متعلق تحریر فرمائے ہیں نے مجھے  
 بہت محظوظ کیا۔ لکھنے اور کہنے والے نے کیا کمال کیا ہے۔

ہاں معاملہ ایسے ہی ہے۔ انت الغمامة على شمسك دع نفسك وتعال۔ فارسی اشعار میں جو مطلوب کا وصل اور محبوب کی ہم آغوشی مرزوقی۔ یہ سب کے لئے دل سوز اور سینہ افروز ہے اور عرفان کی بنیاد بے حجابانہ وصل ہے۔

لیکن واضح ہو کہ یہ تمام باغ تشبیہ کے پھول اور عالم سکر و مستی کے شعبدے ہیں مقام تنزیہیہ جو حضرت ذات کی طرف سب سے زیادہ قریب ہے۔ ان تمام امور کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اور وہاں تو صرف وہی ہے جو بیان سے بلند تر ہے وہاں حیرت و نکارت میں سے کچھ نہیں اور حقیقت کا ادراک نہ کر سکنے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہو سکتا ہے

عنقا شکار کس نشود دام باز چسپیں کاینجا ہمیشہ باد بدست است و امیرا ماللتراب ورب الادیاب رچہ نسبت خاک را بعالم پاک سے

تواز خوبی نمی گنجی بعالم ! مرا برگز کجا آئی در آغوش

یہی وجہ ہے کہ مقربانِ بارگاہِ ایزدی کو حزن و ملال و امنگیں رہتا ہے اور یاس و حرمان سردی خاصانِ درگاہ کے لئے لازم کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ حدیث میں ہے کہ کان علیہ الصلوٰۃ والسلام دائم الحزن۔ متواصل الفکر۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیشہ حزیں اور مسلسل فکر مند رہتے تھے۔

دلہا ہمہ آب گشت و جانہا ہمہ خون تا چسپیت حقیقت ز پس پردہ بروں اور وہ دوسرے جو اس کی راہ کی دشواری کے متعلق لکھا تھا وہ بہت دلنشیں اور بے ساختہ تھا۔ اور اس راستہ کی دشواریاں اس سے بھی زیادہ ہیں۔ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام ان دشواریوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "ان امامکم عقبۃ کؤد" یہ تو ہے لیکن سے

گرموج ز ند عنایت او مولاں بکنند کار پیلاں

اگر اس کی عنایت کا سمندر موج زن ہو تو چو نثیاں ہا تھیوں کا سا کا آ کریں

احادیث میں ہے کہ ان الله يفعل بالضعيف ما يتخيره فيه القوي بلا شبهة اللہ

مکڑو سے وہ کام کر لیتا ہے جس سے قوی عاجز آجاتا ہے۔

عجانب رہ عشق اے رفیق بسیارست ز پیش آہوئے اس دشت شبہ زہر زہید

دائے دست رہ عشق کے عجائبات بہت ہیں۔ اس غزل کے ہرن سے شیرز بھاگتا ہے، دو ہڑہ  
 مینہی گرد پرہیم۔ کو پل بہاں رمنہ دیکھ کا رن بنہ کوچ کچھیت بنجی دہارو  
 یرباعی۔ روز آں بتو بودم ونمی دانستم شب با تو غنودم ونمی دانستم  
 ظن بود بن کہ من جسدہ منم من جسدہ تو بودم ونمی دانستم

جو آپ نے تحریر فرمائی ہے، وصال کی خبر دیتی اور غلبہ سکرو مال کے باب سے ہے ورنہ لیس  
 عند ربك صباح ولا مساء۔ (خدا کے ہاں نہ تو صبح ہے اور نہ شام) لم یلد و یولد اس کے  
 جلال کے صحیفہ کا عنوان ہے اور ولہد یکن لہ کفو احد اس کی توقع کمال کا دیباچہ ہے  
 ابرو نے دوست کے شو دوست کش خیال من کس نزدست زین کمان تیر مراد برہرف

اور یہ جب کہا گیا ہے وہ یعنی بی منی مغنیت کما غنی  
 وکنلیث ما کانوا کانوا حیث ما کانوا

یہ بھی اسی قبیل سے ہے۔ ورنہ وہاں تو قیل وقال نہیں ہے اور نہ ہی حیث۔ کان اور انس و جان  
 ہے۔ کان اللہ ولہد یکن معہ شی والان کما کان اور آیت وما کان لبشر ان ینظہ  
 اللہ الا وحیا او من وراء حجاب۔ جو ہر سالکان کے لئے نقاد ہے اور ولا تضربوا اللہ  
 الامثال واللہ یعلم وانتم تعلمون۔ عارفین کے پہچاننے کا معیار ہے۔ کیا آپ نہیں سمجھتے  
 کہ سرخیل مجاں نے لن تو انی کا رنم برداشت کیا اور سرد فر مجو باں نے لیس لک من الاہر  
 شیٹی کی ندا سنی گویا ایک طرف عنایت ہے اور دوسری طرف بے نیازی۔ تحریر تھی۔ اپنے لکھاتا  
 کہ جو حق بات ہے گفتگو میں نہیں آتی۔ اس سے بظاہر یہ مراد ہے کہ سننے والوں کے افہام کے تصور  
 کی وجہ سے کہ وہ ادراک نہیں کر سکتے۔ ورنہ سخن اگر لفظی ہے تو عین گفت ہے اور اگر نفسی تو ہر عیاں  
 چیز کے لئے بیان ہوتا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ اس سے مراد خود متکلم کا تصور ہے اور یہ ایسے ہی ہے  
 اور سخن حق سے مراد حقیقت ذات کا بیان ہے۔ کیونکہ ذات کو ہدایت کرنا انسانی طاقت سے باہر  
 ہے۔ اور ظن و تخمین سے گفتگو کرنا بے ادبی ہے۔ فان الظن لا یغنی من الحق شیئا ظاہر  
 ہے کہ جو کچھ ممکن کے قبضہ اور متناہی کے احاطہ میں آگیا لا محالہ وہ ممکن اور متناہی ہوگا اور واجب  
 تعالیٰ کی ذات غیر متناہی ہے وہ اس سے بہت بلند ہے۔

حضرت خواجہ بزرگ خدا ان کی قبر کو معطر فرمائے، نے فرمایا جو کچھ بھی دید و شنید ہے تمام غیر حق ہے  
اسے کلمہ لا کی حقیقت کے ساتھ نفی کرنا چاہیے۔

بس بزرگ است یار دل خواہ اسے دل قانع نشوی بزرگ ناگاہ اے دل  
پس حاصل کلام یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو اس کے ساتھ تعلق سے منزہ ہے اس سے متعلق تکلم سے  
بطریق اولیٰ منزہ ہوگی۔ ابصار اس کا ادراک نہیں کر سکتیں یعنی فکر و رسم اور نگاہوں کی بصر اسے  
نہیں پاسکتی ہے۔

چساں نشاں و ہم آں نشاں بیکتارا گس چہ شرح دید آشیاں عنقارا  
میرے محترم! جسے اس نے خلعت کلام پہنائی اور انی اصطفتیک بکلامی و پوسالتی  
کی خوش خبری سے معزز کیا اس نے یضیق صدری و لا ینطلق لسانی کی صدا بلند کی جسے اس  
نے جوامع الکلم عنایت فرمائے۔ تاج معراج۔ اولیت اور خاتمیت سے عزت بخشی وہ بھی پکار اٹھا  
لَا أَحْصَى ثَنَاءً عَلَيْكَ سُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ

لے تو از گمان حلق بس دور	جلوٹے تو از پر گس دور
ہر کس کہ ز کمنہ تو سخن گفت	خود گفت و ز گفت خود بر آشتفت
اے بر تر ز آں ہم کہ گفتند	وانہا کہ بدید ہم نہ ہفتند
تو حید تو بہر کہ راند در قیل	بر مورچہ ز د عمار ی فیل

لیکن آپ کا یہ ارشاد کہ فہم عیان الاولیٰ بیان۔ ارشاد خداوندی ہے۔ الرحمن علم القرآن  
ہاں یہ درست ہے لیکن جو عیاں سے بلند ہے وہ بیان سے خالی ہوگا اور آپ علم کے  
ذریعہ اس کا احاطہ نہیں کر سکتے بعض محققین نے صوفیاء کے اس قول "من عرف اللہ طالع  
لسانہ" کے متعلق کہا ہے کہ صفات شیون اور اعتبارات کے مرتبہ سے ہے لیکن صوفیاء کا یہ قول  
"من عرف اللہ کل لسانہ" مرتبہ خالص ذات جو صفات و اعتبارات سے خالی ہے کیونکہ وہ  
مجہول الکیف ہے۔ میں کہتا ہوں کہ پہلی بات قول خداوندی "الرحمن علم القرآن" میں بلاشبہ  
قرآن صفات میں سے ایک صفت ہے۔ اس لئے ہم ذات کی بجائے ہم صفت سے آغاز کیا اور  
دوسری بات یہ ہے کہ "فاوحی الی محمد لا ما وحی" میں جو کچھ وحی کیا گیا اسے ہم رکھا گیا۔

اور عیب کی اضافت ہو تیرہ ذاتیہ کی طرف کی۔ گویا کہ پیغمبر علیہ السلام کے اس فرمان ابھروا ما بہم اللہ میں یہی بات پوشیدہ ہے۔ یعنی تم ذات کے متعلق بحث مت کرو۔ کیونکہ تم رخ کبریا سے پردہ اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے۔

ہر چہ گوئم عشق را شرح و بیاں چوں بعشق آئم نجل باشم از ازل  
نکتہ۔ محترم! چونکہ نماز اعمال میں سے سب سے مقرب عمل ورتجلیات و مشاہدات کا مورد ہے۔ حدیث نفیس۔ "الصلوٰۃ معراج المؤمن" اور خبر معتبر "اقرب ما یكون العبد من الرب تعالیٰ فی المسجد" اس مدعا پر بین اور واضح دلیل ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس کی ادائیگی کے وقت سالک بے حجاب کی ہم آغوشی اور بے نقاب محبوب کی ہم دوستی کا وہم پیدا ہو جاتا ہے اور فرط عشق و طلب میں مظہر و ظاہر اور صورت و حقیقت میں فرق نہیں کرتا ایسی لٹے ناز کے تمام ارکان میں تکبیرت کا حکم دیا اور تسبیح کا امر فرمایا۔ یعنی اے سالک! تیرے دل میں مصال کا جب کوئی خیال پیدا ہو تو جان لے کہ ذات باری تعالیٰ اس سے کہیں بلند و برتر ہے اور وہ سبحانہ تیرے خیال سے منزہ ہے۔

حافظ شیرازی نے سالک کے وصول کا توہم جو تجلیات و مشاہدات کے ورود سے پیدا ہو جاتا ہے۔ حالانکہ دراصل وہ ایسا نہیں ہے۔ اس شعر میں خبر دی ہے۔

عکس روئے تو کہ در آئینہ جام افتاد عارف از خندہ سے در طمع خام افتاد  
یعنی خون دل عارف جو محبت کے پیدا ہونے کی جگہ ہے۔ ماسوا کے نقوش کو مٹا کر تجلی ذاتی جو اس کی ذات سے کنایہ ہے کامرکز بن جاتا ہے۔ اور باطن کی کیفیت سے پہلے سوگنا ترقی کر جاتی ہے اور بے پایاں شگفتگی اور مسرت ظہور پذیر ہوتی ہے تو ناچار عارف ظللال کے پردہ کے بغیر اصل کے ساتھ وصول و وصال کے لالچ میں پڑ جاتا ہے۔ اور وہ نہیں جانتا کہ تجلی یعنی کان کی تجلی شائبہ ظلیت سے خالی نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ مرتبہ ثانیہ یا ثالثہ ظہور الیشی ہے۔

خلق زاروشی کے نباید او در کداحم آئینہ در آید او  
پس اگر کہا جائے کہ تب تو ذات تک رسائی بالکل ممکن نہیں۔ حالانکہ مشائخ کبار سے اس حد تک رسائی منقول ہے بعض صوفیاء نے کہا ہے۔



ذات من نیست جز تجلی ذات ذات بر من زده است راہ صفات  
 اور ایک دوسرے نے کہا ہے "حق تو یہ ہے کہ میں اسم صفت سے گزیرے بغیر ذات تک پہنچا ہوں۔ اس سلسلہ میں مشائخ کے اقوال اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہم کہتے ہیں کہ ہم وصول الی الذات سے مطلقاً انکار نہیں کرتے بلکہ اس کی ذات کی کنتہ تک پہنچنے سے انکار کرتے ہیں۔ اور حصول کے طریق پر اس کی کیفیت کے ادراک سے انکاری ہیں لیکن بلا کیف وصول اور ادراک تو وہ ممکن ہے بلکہ واقع ہے اور اس کے برہین و دلائل ہیں جیسا کہ اپنے باب میں ثابت ہوا ہے اور اسی قبیل سے ایک یہ بات ہے کہ اس وصول کے ساتھ ابدی نگرانی حاصل ہو جاتی ہے اور اس وصول کے باوجود دائمی حزن و اندوہ جدا نہیں ہوتے اور یہ دو امور کی وجہ سے ہے۔ ان میں سے ایک تلون و تلذذ ہے جو اسے اس سے پہلے تجلیات صفتیہ میں حاصل تھا اور اس کا باطن اس کے ساتھ کچھ عرصہ مانوس رہ چکا ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ سالک اپنی تشنگی اور شوق کے باوجود اس مقام کی وسعت کے سبب اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ اگرچہ بسیط ترین ہوتا ہے لیکن ذات حق اس سے بھی وسیع تر ہے اور یہ سب کچھ بلا کیف ہے۔ اس مقام میں عارف مستفی کے حکم میں ہوتا ہے جو کبھی بھی اس سے سیر نہیں ہوتا نہ اس مقام کا کوئی کنارہ ہے اور کوئی اس کی انتہا ہے نہ وہاں انجام نہ اختتام ہے۔ میرد نشہ مستحق و دریا ہچناں باقی۔

شیخ عطار رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں

نمی بینی کہ شاہی چوں پیمبر ندیدہ قعر گل تو رنج کم بر

یعنی اس مرتبہ پر رسائی جس کے اوپر کوئی مرتبہ نہ ہو اور خزانہ جبروت میں کوئی ایسا جوہر جس کی ضرورت باقی نہ رہے محال ہے۔ و فوق کل ذی علم علیم۔

اور اگر کہیں کہ جسے نہ جانتے ہیں نہ پہچانتے ہیں اسے کیسے طلب کرتے اور اس کے پیچھے جگر کیسے کباب اور آنکھوں کے پانی کیسے بہاتے ہیں ہم کہتے ہیں کہ جاننا اور پہچاننا طلب کی شرط نہیں ہے۔ آوازہ حسن معشوق حریف عشق کو بے قرار اور بے آرام کر دیتا ہے اور جمال محبوب کی بانیں اور خوشبودیوانگی عاشق کو جوش میں لاتی ہے۔ اس قسم کے پھول اس وادی میں بہت کھلتے اور اس طرح کی نیزنگیاں اس راہ میں اکثر پکتی ہیں یہ عشق بازوں کی دیوانگیاں اور

جان گذاروں کی شیفتگیاں ہیں عشق میں اسی قسم کی بوالعجبیاں پیدا ہوتی ہیں۔

مولوی عبدالرحمن جامی فرماتے ہیں سے

نہ تنہا عشق از دیدار خمینزد بسا کیں دولت از گفتار خمینزد

ہاں ادب کا تقاضا یہ ہے اور محبوب کی کبریائی کے لائق یہی ہے سے

اے عشق ز عاشقان عجب نیست معشوق شناسی از ادب نیست

پھر جاننا چاہیے کہ ذات باری تعالیٰ کو جس طرح کسی عبارت سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا اور نہ کوئی اشارہ کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح اس تک رسائی کسی عبارت سے تعبیر نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی کوئی اشارہ کیا جاسکتا ہے جیسا کہ رویت اخروی ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ مگر اس کی کیفیت بیان میں مشغول نہیں ہوتے۔ ع۔ — بلابودی اگر اس ہم نہ بودی —

اگر کہیں کہ پھر مبتدی اور منتہی میں کیا فرق ہے کیونکہ دونوں سوز و گداز میں ہیں۔ اور دونوں اس راز و نیاز کے طالب ہیں۔ اگر دونوں میں فرق کرنے والی چیز اس کا حصول مقصود ہے تو یہ دونوں میں مفقود ہے اور اگر حزن و اندوہ ہے تو دونوں کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ مبتدی کا عدم وصول حقیقی ہے اور منتہی کا صوری اور مبتدی کا گریہ و زاری مجاہبات کی وجہ سے ہے اور منتہی کا گریہ عظمت و کبریائی کے مشاہدہ کی وجہ سے ہے وہ (مبتدی) ابھی ستر سزار پر دوں میں ہے اور یہ (منتہی) انوار کی شعاعوں میں بیقرار قدم رکھے ہوئے ہے۔ اس (مبتدی) نے بارہ ہستی کو اپنے کندھوں سے نہیں اتارا اور یہ اس کی عظمت کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے۔ وہ ابھی تک لباس مائی و منی سے باہر نہیں نکلا۔ ایسے محبوب و حود کی خلعت سے مکرّم کیا ہوا ہوتا ہے وہ خیالوں اور سالیوں سے نہیں چھوٹ سکتا اور یہ سایہ سے گزر کر اصل ہو چکا ہوتا ہے۔ یہ بکار المریدین بکار ایشخ کے مقام پر پہنچا ہوا ہوتا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ اس جان جہان کے لئے جان جو کھوں میں ڈالنی چاہیے اور اسم و رسم سے گزر کر اور نام و نشان سے آزاد ہو کر اپنا قبلہ توجہ تنزیہیہ مطلق اور غیب صرف کو بنانا چاہیے۔ ان اللہ یحب معالی الہم۔ بلاشبہ اللہ بلند عزم لوگوں کو دوست رکھتا ہے، کیا خوب کہا ہے۔ ع۔ آں لقمہ کہ در دھان نئے گنجد

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مقصود موصول ہے حصول نہیں اور مطلوب مقرب ہے اور اک نہیں۔

### دوہرا کا

نانو بنانو کا اور بارک لاک کی حبانو ! جاتی جہاں کٹے نہاں نانو نہ کالونہ تھا نو  
 گرفتہ ناید این عنقا بدامم تیند نہائے دامش را غلام  
 کسے را گرچہ برگ این سفر نیست بہ از سوڈائے او چیزے در گنیت  
 ہم اپنے مکتوب کو مجدد الف ثانی فدسنا اللہ سبحانہ بسره الاستی کے کلام پر ختم کرتے ہیں  
 انہوں نے فرمایا۔ تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے امکان کو وجوب کے لئے آئینہ اور  
 عدم کو وجود کے لئے مظہر بنایا اور وجود و وجوب اگرچہ دونوں اس کے کمال کی صفات ہیں مگر وہ  
 تو ان دونوں سے ورار ہے۔ بلکہ تمام اسماء صفات اور شیون و اعتبارات اور ظہور و البطون اور  
 تجلیات و ظہورات اور مشاہدات و مکاشفات۔ ہر محسوس و معقول ہر مہموم و متخیل سے ورار ہے۔  
 پس وہ سبحانہ و تعالیٰ ورار اور پھر ورار اور ہے۔

چہ گوئیم با تو از مرغ نشانہ کہ با عنقا بود ہم آشیانہ  
 ز عنقا ہست نامی پیش مردم ز مرغ من بود آن نام ہم گم  
 پس وہ تعریف کرنے والے کی تعریف سے بے نیاز ہے بلکہ تمام تعریفوں کا منتہا اس کے  
 سراپدوں سے ہے۔ پس وہ وہی ہے جس نے اپنے نفس پر شناہی اور اپنی ذات کی حمد بیان کی وہ  
 خود ہی حامد اور محمود ہے اور اس کے ماسواہ تمام اس کی مقصود بالذات حمد کے ادا کرنے سے عاجز  
 ہیں۔ ان کا کلام قدسی ختم ہوا ہے

ہیہات قلم بو قلم و کف اندیشہ گدخت رنگ آخر شد و نیرنگ تو تصویر نہ شد  
 عرفان پناہ! طالب فیض کسی مقابلہ یا مناظرہ کے درپے نہیں بلکہ یہ بات نیم خامی اور ترک  
 جوشی کے باب سے ہے۔ امید ہے کہ آپ معاف فرمائیں گے۔

العذر عند کرام الناس مقبول۔ والسلام علی من اتبع الهدی۔ والتزام  
 متابعتہ المصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰات والتسلیمات العلی (سلامتی ہو اس  
 شخص پر جو راہ ہدایت پر چلا اور مصطفیٰ علیہ آلہ الصلوٰات والتسلیمات کی پیروی کی)

حضرت والانے اس کے مطالعہ کے بعد یوں تحریر فرمایا۔

جواب شیخ ابوالرضاع۔ تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے ہمیں ہر شبیہ اور نقصان سے نکال کر اپنی ذات اقدس کی طرف جذب کر لیا۔ پس ہم نے اسے بغیر کسی حیرانی، نکارت اور حیران کے اپنی شاہ رگ سے قریب پایا۔ اور ہر عارف اور حیران یعنی جاہل جو حقیقت امر تک نہیں پہنچا۔ اور وہ حیران ہوتا ہے۔ کی طرف سے ہمارے نبی و آقا حضرت محمدؐ اور آپ کی آل پر درود و سلام ہو۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ گرامی نامہ دلکش عبارات کے ساتھ پہنچا۔ گویا اس مکتوب میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ دعوت وصول غلبہ حال کی وجہ سے ہوتی ہے۔ تو سخن مغلوب کا کیا اعتبار؟ اور اس کی مثالیں رموز و اشارات اشعار کے ساتھ پیش کی ہیں۔ اس کے علاوہ انوکھی تشبیہات کثرت اور استعاسے تھے میں رموز و اشارات کو سمجھا۔ آپ نے سب سے پہلے یہ تحریر کیا۔

کیف الوصول الی سعاد وودھا  
والرجل حافیة و مالی مرکب  
والکف صفر و الطریق مخوف  
قلل الجبال و دونهن خیوف

میں کہتا ہوں کہ یہ اشعار راستے کی طوالت اور امتناع وصول میں صریح ہے اور میں نے جو لکھا تھا کہ ہویت ذاتیہ کی سعاد (محبوبہ) تک رسائی سیر تطیل جو کہ عام خلق و امر کے اعتبارات کی پہاڑی چوٹیوں پر مشتمل ہے کے ذریعہ وصول بہت مشکل ہے۔ تو یہ بات مقصد کی تفسیر طوالت پناہ اور اس میں قدموں کے وقوع کا بیان ہے۔ امتناع وصول کی تاویل وصول کی دشواریوں کے ساتھ حاصل ہونے کے ساتھ کی گئی ہے اور میں نے راستہ کی نفی کسی خاص سبب سے بعض اشخاص کے لئے کی ہے جس کا کوئی منکر انکار نہیں کرتا اور اس پر کوئی معترض اعتراض نہیں کر سکتا۔ لہذا مطلق طریق کے اثبات اور وقوع اقسام پر کوئی معارضہ نہیں میں نے لکھا تھا کہ۔

”وگر نہ حق سبحانہ و تعالیٰ تو وجوہات خاص سے بندوں کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے الخ“  
اس پر آپ کا یہ فرمانا کہ یہ وجود کے باسے میں ہے۔ لیکن وجدان کے اعتبار سے وہ دراصل لور سے ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آپ کی یہ بات درست ہے۔ لیکن یہ اکثریت کے لحاظ سے ہے۔ لیکن اس کی ذات کی طرف کام اعتبارات کے بغیر متوجہ ہونے والوں کے لئے جس طرح سبحانہ و تعالیٰ وجود میں

شہ رگ سے زیادہ قریب ہے۔ اسی طرح وجدان میں بھی ہے۔

تجدانی فی سواد الیل عجدی      قریباً منک فاطلبنی تجدنی

مر اندر شب تاریک یابی      زجان خویش ہم نزدیک یابی

مر نزدیک خود پوینتہ میداں      نمی دانی اگر دانی بسیابی

آپ نے اپنے خط میں یہ دوسرہ بھی لکھا تھا۔

پزت نکت سنکم کم مگر مانہ جیون جہانہ      جگہ اکیں مکھ بین رہین ملنہ نہ بہر بہر باہنہ

اس کے پڑھتے ہی میرے دل میں آیا۔

ساجن میرے آیا کل لاکھو بہر بانہ      بل مارت بچرت نہیں نس دن کہوں

میں نے لکھا تھا۔

پردہ برخاست تا بدید ستم      دوست بادوست کردہ در آغوش

آپ نے اس پر لکھا۔ ”یہ سب گلشن تشبیہ کے پھول ہیں“

میں کہتا ہوں کہ ہم آغوشی آپ کی عبارت میں متوقع ہے اور میری عبارت میں حاصل ہے۔

عبارت تاشتی وحسنک ولحد      وکل الی ذالک الجمال یشیر

آپ نے لکھا تھا۔

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں      کایں جا ہمیشہ باد بدست است دم را

میں کہتا ہوں کہ اس سے مراد عدم ادراک و احاطہ ہے۔

اے کمان و تیرھا برساختہ      صید نزدیک تو دورا نداشتہ

آپ نے تحریر فرمایا۔ ”ما للقراب ورب الارباب“ میں کہتا ہوں کہ قصہ معراجیہ

میں یہ مذکور ہے کہ ازراہ ادب کہا گیا تھا۔ قول خداوندی ہے۔ یا احمد! انک

اخترت العبودیۃ تا دبا انا اخترتک لجمیع الکرامات الانسیۃ تفضلاً۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے ادب کے طور پر عبودیت کو چن لیا۔ اور میں نے آپ کو تمام

انسانی اعزازات کے ساتھ ازراہ فضل چن لیا، پس تا ادب اور چیز ہے اور تفضل دوسری چیز ہے

خاک راجوں کا ریا پاک اوقاد      پیش آدم عرش بر خاک اوقاد

آپ نے لکھا تھا کہ مقربان بارگاہ کو ابدی حزن و ملال و امن گیر رہتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ حزن و اندوہ دائمی خدا تعالیٰ کا عذاب ہے جو دشمنوں کے لئے ہوتا ہے نہ کہ دوستوں کیلئے۔ دوستوں کے لئے تو ہمیشہ ناز و نعمت اور مقربین کیلئے آرام و راحت ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ فاما ان کان من المقربین فروح و ریحان و جنۃ نعیم اگر وہ بندہ مقربین میں سے ہے تو اس کے لئے آرام و راحت اور جنت کی نعمتیں ہیں، اے

آسود بکام خویش از وصل حبیب  
نہ بیم فراق است نہ تشویش رقیب  
خط میں تحریر تھا۔

دلہا ہمہ آب گشت و جانہا ہمہ خون  
تا چسبیت حقیقت ز پس پردہ بروں  
میں سچ کہتا ہوں کہ پردہ کے نیچے جان و دل باقی ہے اور شتائی کی حالت ایسی ہی ہوتی ہے لیکن جب کوئی جان و دل سے گزر جائے تو وہ پردہ کے اندر چلا جاتا ہے اور پکاراٹھتا ہے۔

لا ز دروں پردہ ز زندان مست پیک  
کایں حال نیست زا ہد عالی مقام را  
آپ نے لکھا تھا۔ دوہرا۔

بنہی کر دریم پس جہاں زیبائی  
دیکھو کار ج بنہ کو چو کچٹ پنخی دہائی

اس دوہرے کے حسن و تقابل کے متعلق کیا بکھوں لیکن میرے دل میں یہ دوہرہ آیا۔

سات سمند پیم کئی نیت اکم اپار  
کچٹ تہی بکئی بہر لاکی اردار

آپ نے تحریر فرمایا۔ "لا تضربوا لله الامثال"۔ میں کہتا ہوں واللہ المثل الاعلیٰ

اور اس شعر کے متعلق۔

غنی بی منی فغنیت کہا غنی  
و کناجیث ما کالوا حیث ما کنا

عرض ہے کہ اس سے وفاق مراد ہے۔ فراق نہیں پس مضمون عالی میں کوئی تشبیہ اور ضرب الامثال نہیں جیسا کہ حضرت شیخ احمد کو کہ مکتوب الیہ کے دادا اور بزرگ ہیں کے اقتباس میں نہیں۔

چہ گوئیم با تو از مرغی شانہ  
کہ با عنقا بود ہم آشیانہ

ز عنقا ہست نامی پیش مردم  
ز مرغی من بوداں نام ہم گم

کیونکہ مرغ سے مراد اس سجانہ و تعالیٰ کے بلند مرتبہ عنقا کے ساتھ ہم آشیانی کا وہم ہے پس آپ کی

گفتگو پر بندوں کی بولی ہے۔ اگر دوسرا نہ سمجھے تو کوئی بھلائی نہیں۔

تحریر تھا کہ پیشولٹے مچبان (حضرت موسیٰ علیہ السلام) نے زخم لُنْ ثَوْرَانِی کو برداشت کیا۔ میں کہتا ہوں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ اس دنیا میں نہیں دیکھ سکتے لیکن اس گروہ کے لئے دوسری دنیا ہے۔ آپ نے لکھا تھا کہ مجبولوں سے سردار نے لیس لک من الامر شیئی کی صدا سُنی۔ میں کہتا ہوں کہ اس کا شان نزول ایصال ہے نہ کہ وصول کیونکہ آپ کے بلند مرتبہ کے متعلق ہے۔ دنی فتد لی فکان قاب قوسین اودنی۔ آپ نے لکھا تھا کہ جسے خلعت کلام پہنائی گئی اس نے کہا یضیق صداری ولا ینطلق لسانی۔ میں کہتا ہوں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ میں معانی کے حقائق اور مکشوفات کی باریکیاں بیان کرنا چاہتا ہوں لیکن میری زبان جو خشک فرعون سے جل گئی تھی اور اس پر عقدہ پڑ گیا تھا۔ میرا ساتھ نہیں دیتی۔ اس وجہ سے میں تنگ دل ہو جاتا ہوں اور یہ آیت اس معنی پر دلیل ہے۔ "واحلل عقدہ من لسانی یفقه قولی" اور اسی طرح یہ آیت واخی ہارون ہوا فصم منی لسانا فارسل معی رداً کیونکہ دعوت و فصیح و بلیغ آدمی بہتر طور پر ادا کر سکتا ہے۔ آپ نے لکھا تھا کہ جسے جوامح الکلم عنایت کیا گیا وہ بھی لا احصی ثناء علیک پکارا تھا۔ میں کہتا ہوں کہ احصاء کا معنی پوری طرح شمار ہے اور معنی یہ ہے کہ تیرے تمام کمالات عیان میں داخل نہیں اور ثناء اور بیان عیان کے بعد ہوتا ہے جیسا کہ حدیث کا وہ تمہ جو آپ نے چھوڑ دیا ہے اس پر دلالت کرتا ہے۔ انت کہا اثبیت علی نفسک میں نے لکھا تھا کہ ما من عیان الا وله البیان۔ اس پر قرآن مجید کی یہ آیت دلیل ہے۔

الرحمن علم القرآن خلق الانسان علمه البیان۔ اس کا یہ معنی ہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے محض اپنی رحمت سے قرآن سکھایا جو کہ تمام معارف ذاتیہ صفاتیہ اور انعامیہ پر مشتمل ہے اور انسان کو باقی تمام حیوانات سے اس بیان کی تعلیم سے جس پر قرآن مشتمل ہے ممتاز کیا۔

خط میں تحریر تھا کہ ما کان عالیا من العیان کان خالیا عن البیان جو عیان سے بالا ہوگا۔ وہ بیان سے خالی ہوگا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ درست ہے لیکن یہ اس قول کے منافی نہیں۔ کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ جو عیان کے ذیل میں آتا ہے وہ بیان میں داخل ہوتا ہے۔

آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ "دیگر عیان را چہ بیان" میں کہتا ہوں کہ بیان کی عدم ضرورت

صاحب بیان کے لئے ہے اور بیان کی ضرورت اس کے لئے ہے جو صاحب بیان نہیں ہے۔ یہ اور ہے اور وہ اور۔ آپ کے اس قول۔ انما تمنع الوصول الى كذا الذات ودرک کیفیتہ کہ ہم ذات کی کنہ تک وصول اور اس کی کیفیت کے ادراک کے قائل نہیں ہے کے متعلق میں کہتا ہوں کہ عطف اور اجزاء کی وجہ سے اثبات کیفیت لازم ہو جاتا ہے موصول کیلئے ہو یا ذات کیلئے۔ آپ نے لکھا تھا کہ کسی ایسے مرتبہ تک پہنچ جانا کہ اس سے اوپر کوئی مرتبہ تصور نہ ہو سکے محال ہے۔ درست ہے مگر صفات کی سیر میں۔ لیکن ذات بلا اعتبارات کے وصول کے بعد تو کوئی مرتبہ مقصود میں نہیں اور یہاں عرفا پہنچتے ہیں۔ وليس وراء العبادان قربة۔

مکتوب میں تحریر تھا کہ "یہ عشق بازوں کی دیوانگیاں ہیں" میں کہتا ہوں کہ مجھے عشق سے کیا کام۔ کیونکہ عشق حجاب ہے اور عاشق و معشوق ریح حقیقت کے لقاب ہیں۔ اس کے باوجود عشق دلوں میں ایک آگ ہے جو محبوب کے سوا ہر چیز کو جلا دیتی ہے۔ پس کیا ہی اچھا جنون ہے اور کیا ہی خوب جنون۔ کلام قدسی میں ہے۔ (انت عشقی وانا عشقک یا محمد رصلی اللہ علیہ وسلم)۔

در عشق آمد دوائے بردے حل نہ شد بے عشق ہرگز مشکلی

گر عشق ہمیں مونس و ہم خانہ ماست غمہا ہمہ یک جرعر پیمانہ ماست

از عقل فرو گزر کہ در عالم عشق اونیز غلام دل دیوانہ ماست

لیکن آپ کا قول رویت اخروی کی طرح کہ ہم اس پر ایمان تو رکھتے ہیں لیکن اس کی

کیفیت میں مشغول نہیں ہوتے میں کہتا ہوں کہ یہ کیفیت رویت کے متعلق صریح ہے۔ اور وصول کے لئے مشیت کو مستلزم ہے اور یہ دونوں کیف ہیں۔

آپ نے لکھا تھا کہ اسم و رسم سے گزر کر تنزیہ مطلق اور غیب کو اپنا قبضہ توجہ بنا چاہئے۔

اشد تلے عزائم کی بلند یوں کو پسند کرتا ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ توحید میں

بند ہو گئے ہیں جو اس راہ کا وسط ہے اور مغلوب الحال ہو گئے ہیں۔ آپ سمجھتے ہیں کہ اس سے اوپر

کوئی چیز نہیں مزید ترقی کی کوشش کیجئے۔ یہ میرا اور میرے بلند ہمت ساتھیوں کا مشرب ہے

اسم و رسم سے بے نیاز ہو کر تنزیہ مطلق کو اپنی توجہ کا قبضہ بنانے کے متعلق اپنے جو لکھے۔



اس کے متعلق میں کہتا ہوں کہ اسم و رسم کے بغیر توجہ کا حاصل ہونا ہی محال ہے کیونکہ توجہ کے لئے متوجہ اور متوجہ الیہ کا ہونا ضروری ہے جبکہ متوجہ کی ذات بالاتفاق رسم اور خود لفظ متوجہ اسم ہے تو یہ کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ اسم و رسم کے بغیر توجہ کو مقام تنزیہ پر مرکوز کر دینا چاہیے اور اسی طرح تنزیہ اگرچہ ذات کے قریب ترین مقامات میں سے ہے مگر درحقیقت نہ تو کوئی مقام ہے اور نہ مقیم۔ ان اللہ یحب معالی الہم۔ لیکن آپ کا یہ قول کہ مقصد تو وصول ہی ہے حصول نہیں۔ آپ نے کہا ممکن ہے یہ بات صوفیاء کے قول صعب الحصول سے سمجھی جاتی ہو تو میں کہتا ہوں کہ یہ تو وصول کی خبر ہے۔ اور جہاں تک شیخ کبیر قدس سرہ (مجدد الف ثانی) کے کلام کا تعلق ہے تو وہ بلاشبہ معارف دقیقہ اور حقائق غریبہ میں سے ہے۔ لیکن ان کے کلام کے آخر میں آپ کا یہ جملہ انتہی کلامہ القدسی (ان کا قدسی کلام ختم ہوا) یہ الفاظ کلام القدسی کلام اللہ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اس کا اطلاق انبیاء و اصفیاء کے کلام پر بھی جائز نہیں تو ایک ولی کے کلام پر اس کا اطلاق کیسے جائز ہوگا۔

میرے دوست! آپ پر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ مغربین کے لئے قیود۔ ابدی حزن و یاس اور حرمان سرمدی کی عبادت کا استعمال۔ جبکہ نصوص اس کے مخالف ہیں۔ طالبین کے جذبہ طلب کو کمزور کرتا ہے۔ ہمیں قریب کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

اذا سالک عبادی عنی فانی قریب۔ اسی طرح کلام قدسی میں ہے قربونی الی عبادی ولا تبعدونی (مجھے میرے بندوں سے قریب لاؤ مجھے ان سے دور نہ کرو)۔

گفتم۔ ملکا! ترا کب جویم من در خلعت و صف تو چہا گویم من  
گفتا کہ مرا مجور بر عرش و بہشت نزد دل خود جوئی کہ بر تویم من

میرے دوست! آپ نے جو کچھ مجھے لکھا وہ محض نصیحت کی خاطر تھا۔ اللہ آپ کو سلامتی کے ساتھ باقی رکھے۔ میں نے بھی جو کچھ آپ کی خدمت میں تحریر کیا خلوص و یگانگت سے محبت و دوستی کے جذبہ سے لکھا ہے۔

کاتب حروف کہتا ہے کہ ان کے قول اس دوہرے مہینہ کرد الخ کے حسن تقابل کے باسے میں کیا لکھوں۔ یہ آپ کے دعویٰ کے مخالف ہے۔ اور ایک خاص صورت میں

بعض عشاق کے لئے مفید ہے۔ ان حضرت شیخ ابوالرضا، کا یہ قول کہ دل ناتواں میں یہ آیات سمندر الخ۔ یہ دوسرے پہلے کے برعکس فنا اور بقا دونوں کا حال بیان کرتا ہے۔ ان کے اس قول علی نقادیر العطف والارحاء یلزم الخ کی تشریح یہ ہے کہ کیفیتہ میں ضمیر مجرر تاویل شئی کے ذریعہ یا تو وصول کی طرف راجع ہے یا ذات کی طرف۔ دونوں تقدیروں میں یا تو عطف وصول پر ہوگا یا کنہ ذات پر۔ پس یہاں چار تقدیریں ہیں۔ ان میں سے ایک وصول کی کیفیت کے ادراک کو مانع ہے۔ یہ ذات کی کیفیت کے اثبات پر دلالت کرتی ہے۔ اور تیسری وصول کی کیفیت کے ادراک تک رسائی کی مانع ہے اور یہ پہلی تقدیر کی طرح ہے اور چوتھی تقدیر کیفیت کے ادراک تک رسائی کی مانع ہے۔ اور یہ دوسری کی مانند ہے۔ والشر اعلم

جب یہ مکتوب شیخ عبدالاحد کے پاس پہنچا تو انہوں نے پھر اس کا جواب لکھا۔ اور وہ یہ ہے۔  
مکتوب شیخ عبدالاحد۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

تمام تعریفیں اس ذات کے لئے جو اپنے باطن میں ظاہر ہوئی اور اپنے ظاہر میں باطن رہی۔ جس نے عدم کے اندھیروں کو اپنے وجود کے نور اور نور کے وجود سے منور کیا اور صلوة و سلام اس ذات گرامی پر جس کا نور تمام مخلوقات سے پہلے اور جو تمام حمد کرنے والوں سے زیادہ حمد کرنے والے ہیں۔ اور آپ کی آل۔ اصحاب اور تابعین پر بھی ہو۔ جب تک کہ انسان کو مشقت میں پیدا کرے اور غازی رکوع و سجود بجالاتا رہے۔ ابدالاً بآباد تک۔

امتا بعد۔ جناب والا کی طرف سے مکتوب گرامی موصول ہوا جس میں عارفین کے حقائق اور علما کی باریک بحثیں تھیں۔ عمدہ نکات اور بلند کلمات پر مثل ہونے کے ساتھ ساتھ انواع و اقسام کی عنایات جو اعزازات کو متضمن تھا چونکہ آپ کے مکتوبات گرامی میں ہمارے خط کے مضامین پر متعدد بحثیں تھیں۔ اس لئے اپنے قصور اور فہم کے نقص کا اعتراف کرتے ہوئے ہم نے مناسبت سمجھا کہ معذرت کریں اور اپنے خط کے لئے وما علیہا کے متعلق گفتگو کریں۔ اور عذر بزرگوں کے ہاں مقبول اور اصلاح و ہدایت ان کا دستور ہے۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہ ہمارا یہ قول کہ "امانی الوجدان فهو سبحانہ وراہ الورداء ثم وراہ الورداء" بالکل بے غبار ہے اور یہ ایک نکتہ ہے جو اکابر اخبار سے صادر ہوا ہے۔ خزانے کہا ہے اور خزانہ وہ ہے جس کے متعلق

سید الطائف نے فرمایا کہ ”وہ ایسی غایت ہے جس کے اوپر کوئی نہیں“ اور سید الطائف وہ بزرگ ہیں جن کے متعلق شیخ اکبر نے کہا ہے کہ وہ طریقہ حق کی زبان ہیں اور یہ وہ بزرگ ہیں جن کے متعلق شیخ اشونخ نے فرمایا ہے کہ ”وہ ایسا سمندر ہیں جس کا کوئی کنارہ نہیں“ اور وہ نکتہ یہ ہے کہ ”الوجد عندا وجود الحق مفقود“ آپ کا یہ فرمانا کہ هذا بالنسبة الى الاكثرين اس کے متعلق تم کہتے ہیں کہ یہ تمام اعتبار سے ہے۔ کیونکہ یہاں وجدان سے مراد کنہ کا ادراک۔ احاطہ اور اس کا ذہن میں حصول ہے جیسا کہ اپنی جگہ پر بالتفصیل ذکر ہوگا لیکن وجدان سازج جو اس قید سے مقتد نہیں تو اس کا بالنسبة الى الاكثرين ہونا ممنوع نہیں۔ آپ کا یہ کہنا کہ آپ کی عبارت میں معالقمہ متوقع ہے اور ہماری عبارت میں حاصل ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جس کی تمنا ہو وہ اس سے بلند ہے جو حاصل ہو چکا ہو۔ ہمارے لئے وصول کی طرح یہ آسان ہو گیا ہے تو ہم نے وصول سے اسی پر اکتفا نہیں کر لیا۔ آپ نے لکھا ہے کہ

عباداتنا شتی و حسنک و لحد فکل الی ذالک الجمال یشیر

کہنے والے نے کیا ہی خوب کہا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ علانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔

ندانم آن گل رعنا چہ رنگ بود ارد کہ مرغ ہر چمنے گفتگوتے او دارد

لاکھ سہیلی ایک پر جو دس پی پی ہوئی نا جانو کس را نوسی کن سہاگن ہوئی

ہمارے اس قول ”مال للتراب و رب الارباب“ کے متعلق آپ کا یہ ارشاد کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پاس ادب تھا اور تفضل امر آخر ہے۔ اس کے متعلق عرض ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس میں بہتر نمونہ ہیں۔ ولکم فی رسول اللہ (سورة حسنة۔ ہمارا یہ کہنا کہ حزن و اندوہ ابدی مقربان بارگاہ کے دامگیر رہتا ہے۔ اور وصال مطلق سے یاس و حیران قاصدان درگاہ کا لازم ہے؟ اس پر آپ کا یہ فرمانا کہ حزن ابدی خواہ کسی وجہ سے ہو مستقل الم اور عذاب ہے۔ یہ عام مومنین کے بھی لائق نہیں تو مقربین کے لائق کیسے ہوگا یہ تو نص کے بھی مخالف ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ یہاں کئی بحثیں ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کچھ بیان کر دیں تاکہ عقدہ پوری طرح کھل جائے۔ پس جاننا چاہیے کہ بلاشبہ ابدی و سرمد جس طرح مخلوق پر دلالت کرتے ہیں۔ اسی طرح عرصہ حیات پر بھی بولے جاتے ہیں جیسا کہ لغت اور عرف اس کی گواہی دیتے ہیں چنانچہ قول خداوندی ہے۔ وَلَا تَقْبَلْ لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا۔ اس بنا پر

ہماری گفتگو کا لہجہ لباب یہ ہے کہ وہ حزن و غم جو محبت کو لازم ہے اور وصال مطلق سے  
 یا اس جو عظمت محبوب کے متاثرہ سے ہوتی ہے بمقربین کے ساتھ اس وقت تک لازم ہوتی ہے  
 جب تک وہ اس دنیا میں ہیں۔ اگرچہ وہ تجلیات و مشاہدات سے مکرم ہیں لیکن موجود ہر جود سے  
 اتم و اکمل ہے اور قول خداوندی۔ وللاخرۃ خیر لکم من الاولیٰ۔ اور من کان یرجو لقاء  
 اللہ فان اجل اللہ لات اس طرف اشارہ کرتی ہیں پھر یہ حزن و یاس جبکہ مراتب ظلال  
 اصول کی طرف ترقی اور مدارج صفات سے حضرت ذات اور اصل الاصول تک عروج کے بعد  
 حاصل ہوتی ہے۔ ان کا خاصہ ہے جو ان کے علاوہ کسی اور میں نہیں پایا جاتا

فرعون را ندویم اے دوست در دگر زیرا کہ او نداشت سر در دہائے ما  
 لے عارف بالشر! یہ ایسی مدح ہے جو مذمت کے مشابہہ ہے اور وہ کمال ہے جو نقص  
 کے مشابہہ ہے۔ قول خداوندی۔ انہ کان ظلو ما جھولوا۔ اسی قبیل سے ہے حیرت  
 ہے کہ آپ نے اسے محض مشارکت اسمیہ کی بنا پر دشمنوں کا حصہ قرار دے دیا۔ اور دوستوں سے  
 اسے دُور رکھا۔ پھر آپ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے قرآنی آیات  
 پیش کیں اور ان میں سے ایک یہ ہے۔ یا عبادی لا خوف علیکم الیوم ولا تم تحزنون  
 کہتے ہیں کہ لفظ الیوم فیصح ترین جواب ہے جیسا کہ ہم نے شروع باب میں اس کی طرف  
 اشارہ کیا اور یہ آیت ہے۔ الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون۔  
 نے اسے بھی امر آخرت پر محمول کیا ہے جیسا کہ منتخبہ اور معتبر تفسیر میں آپ دیکھتے  
 ہیں اور اہل حقائق نے بھی اسے آخرت کی بشارت میں سے شمار کیا ہے۔ یہاں تک کہ بعض تو ولی کی تلامذہ  
 کے متعلق اس کے علم کو ممنوع قرار دیا ہے کیونکہ یہ بات عبودیت کو لازم خوف کے زوال کا سبب  
 بنتی ہے جیسا کہ تصرف میں ہے اور اسی میں سے قول خداوندی۔ فاما ان کان من المقربین فرح  
 وریحان وجنة نعیم ہے ہم کہتے ہیں کہ اس سے استدلال کی کوئی وجہ نہیں۔ زیادہ سے زیادہ  
 یہ کہا جاسکتا ہے کہ عالم آخرت میں روح وریحان مقربین کے لئے خاص ہے۔ اس سے کون  
 انکار کرتا ہے؟ ان میں سے ایک یہ ہے کہ انہ لایبأس من روح اللہ لا القوم الکفرین  
 ہم کہتے ہیں کہ اس سے کیسے استدلال ہو سکتا ہے کیونکہ اگر روح سے مراد تمام اقسام میں حیث المجموع

ہوں تو اس وقت بعض سے یاس کا کوئی نقصان نہیں اور اگر سلب کلی کے طور پر ایک ایک کر کے کل مراد ہوں تو یہ بالا جماع باطل ہے کیونکہ اس کے افراد میں سے رسالۃ اور نزول وحی وغیرہ بھی ہے۔ جن سے یاس اور ناامیدی فرض اور ایمان کا حصہ ہے یا اس سے مراد اس کی بعض اقسام ہیں تو یا تو یہ معین ہیں پس مجمل ہیں تو اس کے لئے بیان کی ضرورت ہے اور اگر غیر معین ہیں پس مطلق ہوں گے اور حوائج کا کوئی فائدہ نہیں۔

اے عارف باللہ! جس طرح امید کے بغیر محض یاس آیت کریمہ مذکورہ کی صرحت کفر ہے اسی طرح اس میں مطلق کفر ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے لایا من مکر اللہ الا القوم الخاسرون اور قول خداوندی۔ وخافون ان کنتم مومنین۔ اسی لئے علماء نے کہا ہے کہ۔ الایمان بین الخوف والرجاء۔ اور اس سے پہلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی طرف اشارہ کر چکا ہوں۔ ان اللہ یحب کل قلب حزیں۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول من اراد اللہ خیرا جعل فی قلبہ نایحۃ۔ اسی حضور علیہ السلام کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ انہ کان دائم الحزن متواصل الفکر۔ اور یہ بھی ہے کہ آپ نماز میں روتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ غمگین ہوتے مگر ترش روتے ہوتے۔ جیسا کہ احیاء العلوم میں ہے۔ "اور داؤد علیہ السلام کے متعلق روایت کی گئی ہے کہ آپ روتے تھے تو جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا کہ آپ کا رب آپ کو سلام پہنچاتا ہے اور اس گریہ و زاری کا سبب پوچھتا ہے۔ حالانکہ وہ اسے بہتر جانتا ہے۔ تو انہوں نے کہا میں دوزخ کے خوف سے روتا ہوں۔ خلیفۃ القدس میں جبرائیل علیہ السلام گئے اور واپس آکر کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے دوزخ اپنے دوستوں کے لئے نہیں بنائی۔ تو داؤد علیہ السلام کو تسکین حاصل ہوئی، کچھ عرصہ بعد پھر روزنا شروع کر دیا۔ تو جبرائیل امین نازل ہوئے اور کہا کہ آپ کو کیا چیز رلاتی ہے۔ عرض کیا کہ جنت کے شوق میں روتا ہوں۔ تو جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جنت میں نے اپنے دوستوں کیلئے بنائی ہے۔ اس پر داؤد علیہ السلام کو سکون حاصل ہوا۔ کچھ دیر بعد پھر روزنا شروع کر دیا۔ جبرائیل علیہ السلام نے حسب سابق گریہ کا سبب پوچھا تو فرمایا میں اللہ تعالیٰ کے شوق وصال سے روتا ہوں۔ اس پر جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے۔ "تو پھر جیسے چاہو روتے رہو اس کی کوئی انتہا نہیں

زندگی کا باغ تو طے ہو گیا لیکن عشق کے راستہ کی کوئی انتہا نہیں۔

مشائخ سے جو روایات نمونہ کے طور پر ہم نے بیان کی ہیں ان میں سے ایک خواجہ عبدالغنی عجدستانی  
الشدان کے مزار کو معطر رکھے، کا یہ قول ہے کہ "اے بیٹے میں تجھے یوں اور یوں وصیت کرتا ہوں یہاں تک  
کہ فرمایا کہ تمہارا دل ہمیشہ اندوگہیں نہ نکھیں گریاں۔ تیرا عمل خالص اور تیری دعائیں عاجزی ہونی  
چاہیے" کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

اے خدا دروِ مراد و زمان مکن ! درو منداں راز بیدرداں مکن

حضرت ستری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ "میرے لئے نہ رات میں نہ دن میں خوشی ہے۔ اس لئے  
مجھے دونوں میں سے کسی کی پرواہ نہیں کیونکہ یہ خوشی جیسے شریعت میں کجروی کا سبب بنتی ہے اسی  
طرح یہ طریقت میں تنزل کا سبب ہوتی ہے کیونکہ یہ بعض حقائق پر پردہ ڈالنے بعض کی پردہ درسی  
سے کنایہ ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ

سات سمندر پیم کے پنت اکم اپار ! کجبت تہی بہکشی پیر لاکا اروار

ہم کہتے ہیں کہ یہ جیسے ابھی گزر چکا ہے ذات باری تعالیٰ کے استغناء اور اس کی کبریا کی  
اعتبار سے ہے اس پیرے ذہن میں دو شعر آئے۔ ان میں ایک تو اسی ذات پر ہے اور دوسرا اس کے  
جواب میں ہے۔ باوجودیکہ اس سے پہلے میں نے ہندی میں کبھی کوئی شعر نہیں کہا۔ دو شعر لکھا

سات سمندر پار پیر ہوں اکیانی ناز نہیں نہیں بنا کہوتی کسمس اتروں پار

ہم سمندر میں کھی تباہ نہیں جس دھار پارنگی لے لاکھوں لوگ بے کس اروار

ہم نے کہا تھا۔ لا تضرہوا للہ الامثال۔ اس پر آپ کا قول "لہ الخلال اعلیٰ کے متعلق

ہم کہتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ مکمل ہے اور سابقہ آیت کریمہ کی دلیل ہے۔ آپ کا ارشاد کہ "تو ترائی"

سے مراد اس دنیا میں ان آنکھوں سے دیدار کی ممانعت ہے لیکن اس گروہ کے لئے ایک اور جہان ہے۔"

ہم کہتے ہیں کہ یہ بات درست ہے کہ اس بلند مرتبہ گروہ کا ایک دوسرا عالم ہے جیسا کہ ہمارے

والد قدس سرہ نے قول خداوندی "بل ہم فی لبس من خلق جدید" کی تاویل کی ہے

یعنی وہ حقائق و اسرار کے ادراک سے محجوب ہیں "نشاة جدیدة ولادة ثانیة اور فنا کے بعد

موجوب وجود سے شک میں ہیں مگر ہر ذائل سے وہ بھر دیا جائے۔

لیکن ابھی ایوان استغنا بلند ہے۔ تعریفیں ہے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کو ان ظاہری آنکھوں سے اور نہ ہی دل کی آنکھوں سے دیکھا جاسکتا ہے۔

اور ابن عربی قدس سرہ نے لکھا ہے کہ "تجلی ذات متجلی لہ کی صورت میں ہی ظاہر ہوتی ہے پس متجلی لہ نے حق کے آئینہ میں اپنی صورت کو دیکھا۔ نہ اس نے حق کو دیکھا اور نہ ہی حق کو دیکھنا ممکن ہے۔" و یحذر کہم اللہ نفسہ۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے اس زندگی میں اس نشاۃ کو ثابت و محقق کیا۔ ہمارے قول "سرد فر مجربان ندا الیس لک من الامر بشئید" کے متعلق آپ کا یہ کہنا کہ اس کا شان نزول ایصال ہے وصول نہیں ہم کہتے ہیں کہ امر کلمۃ اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان ولكن جعلنا لآ نور انھدی بہ من نشاء من عبادنا۔ الخ ہمارا قول کہ جسے اس نے خلعت کلام پہنایا وہ پکارا اٹھا یضیق صدی ولا یطلق لسانی" کے متعلق آپ نے کہا ہے کہ "میں حقانی معانی اور دقائق معرفت بیان کرتا چاہتا ہوں لیکن میری زبان جو انگارہ فرعون کی وجہ سے جل گئی تھی۔ الخ ہم کہتے ہیں کہ یہ تمام باتیں تفسیر سے متعلق ہیں اور کوئی مسلمان اس کا انکار نہیں کرتا۔ لیکن جو ہم نے بیان کیا ہے وہ باب التاویل جو اسخین کے ساتھ مختص ہے سے تعلق رکھتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ۔

لکل حرف ظہر و بطن فمنہم من اکتفی بالظہر فاہتدی ومنہم من نفذت بصیرتہ الی البطن فکان اہتدی لکل وجہۃ ہو مولیہا فاستبقوا الخیرا  
 ر ہر حرف کے دو پہلو ہیں۔ ظاہر اور باطن جس نے ظاہر پر اکتفا کیا اس نے ہدایت پائی اور جس کی بصیرت باطن میں سرایت کر گئی تو اس نے ہر سمت میں ہدایت کا ملہ پائی پس اچھا شیوں کی طرف بڑھو ہمارا قول یہ کہ جسے اس نے جوامع الکلم عنایت کئے وہ بھی "کا احصی ثناء علیک" پکارا اٹھا" کے متعلق آپ نے فرمایا کہ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ تیرے تمام کمالات عیان کے نیچے داخل نہیں ہو سکتے۔ جبکہ شمار کا احاطہ عیان کے بعد ہی ہو سکتا ہے ہم کہتے ہیں کہ ہمارا مقصد بھی یہی ہے۔ آپ کا قول کہ "نفی بھی قید کی طرف لوٹتی ہے اور وہ یہ ہے۔ انت کما اثبت علی نفسک۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ بات مطلقاً نہیں ہے جیسا کہ انہوں نے قول خداوندی لا تاکلوا الربوا اضعافا مضاعفہ میں ذکر کیا ہے۔ پھر کلام مذکور میں نفی کو قید کی طرف

زندگی کا باغ تو طے ہو گیا لیکن عشق کے راستہ کی کوئی انتہا نہیں۔

مشائخ سے جو روایات نمونہ کے طور پر ہم نے بیان کی ہیں ان میں سے ایک خواجہ عبدالغنی عجدانی  
الاندلس کے مزار کو معطر رکھے، کا یہ قول ہے کہ "اے بیٹے میں تجھے یوں اور یوں وصیت کرتا ہوں یہاں تک  
کہ فرمایا کہ تمہارا دل ہمیشہ زندہ رہے۔ آنکھیں گریں۔ تیرا عمل خالص اور تیری دعائیں عاجزی ہونی  
چاہیے۔" کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

اے خدا دردمرادِ زمانِ مکن! دردمنداں رازِ بیدرداں مکن

حضرت سمری سقظی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ "میرے لئے نہ رات میں نہ دن میں خوشی ہے۔ اس لئے  
مجھے دونوں میں سے کسی کی پرواہ نہیں کیونکہ یہ خوشی جیسے شریعت میں کجروی کا سبب بنتی ہے اسی  
طرح یہ طریقت میں تمیز کا سبب ہوتی ہے کیونکہ یہ بعض حقائق پر پردہ ڈالنے بعض کی پردہ دری  
سے کنایہ ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ

سات سمندرِ پیم کے پنت اکم اپار! بچت تہی بہکشی پیر لاکھی اروار

ہم کہتے ہیں کہ یہ جیسے ابھی گزر چکا ہے ذات باری تعالیٰ کے استغناء اور اس کی کبریا کی  
اعتبار سے ہے اس پیرے ذہن میں دو شعر آئے۔ ان میں ایک تو اسی ذات پر ہے اور دوسرا اس کے  
جواب میں ہے۔ باوجودیکہ اس سے پہلے میں نے ہندی میں کبھی کوئی شعر نہیں کہا۔ دو شعر لکھا

سات سمندرِ پارِ پیو ہوں اکیانی ناز نہیں نہیں بنا کہوتی کسمس اتروں پار

ہم سمندر کی کھٹی تباہ نہیں جس دھار پارنگی لے لاکھوں لوگ بے کس اروار

ہم نے کہا تھا۔ لا تضر بواللہ الامثال۔ اس پر آپ کا قول "لله الخلال الاعلیٰ کے متعلق

ہم کہتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ مکمل ہے اور سابقہ آیت کریمہ کی دلیل ہے۔ آپ کا ارشاد کہ "کن ترائی"

سے مراد اس دنیا میں ان آنکھوں سے دیدار کی ممانعت ہے لیکن اس گروہ کے لئے ایک اور جہان ہے۔"

ہم کہتے ہیں کہ یہ بات درست ہے کہ اس بلند مرتبہ گروہ کا ایک دوسرا عالم ہے جیسا کہ ہمارے

والد قدس سرہ نے قولِ خداوندی "بل ہم فی لبس من خلق جدید" کی تاویل کی ہے

یعنی وہ حقائق و اسرار کے ادراک سے محجوب ہیں، نشاۃ جدیدہ و ولادۃ ثانیہ اور فنا کے بعد

موجوب وجود سے شک میں ہیں، اگرچہ رذائل سے وہ بھر دیا جائے۔



لیکن ابھی ایوان استغنا بلند ہے۔ تعریفیں ہے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کو ان ظاہری آنکھوں سے اور نہ ہی دل کی آنکھوں سے دیکھا جاسکتا ہے۔

اور ابن عربی قدس سرہ نے لکھا ہے کہ "تجلی ذات متجلی لہ کی صورت میں ہی ظاہر ہوتی ہے پس متجلی لہ نے حق کے آئینہ میں اپنی صورت کو دیکھا۔ نہ اس نے حق کو دیکھا اور نہ ہی حق کو دیکھنا ممکن ہے۔" و یحذر کہم اللہ نفسہ۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے اس زندگی میں اس نشاۃ کو ثابت و محقق کیا۔ ہمارے قول "سرد فر محبوبان ندا الیس لک من الامر بشئید" کے متعلق آپ کا یہ کہنا کہ اس کا شان نزول ایصال ہے وصول نہیں ہم کہتے ہیں کہ امر کلمۃ اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان ولكن جعلنا لانا نوراً ھدی بلہ من نشاء من عبادنا۔" الخ ہمارا قول کہ جسے اس نے خلعت کلام پہنایا وہ پکارا اٹھا یعنی صدی ولایینطلق لسانی کے متعلق آپ نے کہا ہے کہ "میں حقانی معانی اور دقائق معرفت بیان کرتا چاہتا ہوں لیکن میری زبان جو انگارہ فرعون کی وجہ سے جل گئی تھی۔ الخ ہم کہتے ہیں کہ یہ تمام باتیں تفسیر سے متعلق ہیں اور کوئی مسلمان اس کا انکار نہیں کرتا۔ لیکن جو ہم نے بیان کیا ہے وہ باب تاویل جو اسخین کے ساتھ مختص ہے سے تعلق رکھتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ۔

لکل حرف ظہر و بطن فمنہم من اکتفی بالظہر فاھتدی ومنہم من نفذت بصیرتہ الی البطن فکان اھتدی لکل وجہۃ ہو مولیہا فاستبقوا الخیراً  
 ہر حرف کے دو پہلو ہیں۔ ظاہر اور باطن جس نے ظاہر پر اکتفا کیا اس نے ہدایت پائی اور جس کی بصیرت باطن میں سرایت کر گئی تو اس نے ہر سمت میں ہدایت کا ملہ پائی پس اچھا بول کی طرف بڑھو ہمارا قول یہ کہ جسے اس نے جوامع الکلم عنایت کئے وہ بھی کلا احصی ثناء علیک پکارا اٹھا۔ کے متعلق آپ نے فرمایا کہ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ تیرے تمام کمالات عیان کے نیچے داخل نہیں ہو سکتے۔ جبکہ سنا، کا احاطہ عیان کے بعد ہی ہو سکتا ہے ہم کہتے ہیں کہ ہمارا مقصد بھی یہی ہے۔ آپ کا قول کہ "نفی بھی قید کی طرف لوٹتی ہے اور وہ یہ ہے۔ انت کما اثبت علی نفسک۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ بات مطلقاً نہیں ہے جیسا کہ انہوں نے قول خداوندی لا تاکلوا الربوا اضعا فامضاعفہ میں ذکر کیا ہے۔ پھر کلام مذکور میں نفی کو قید کی طرف

لوٹانا غیر مسلم ہے اور اس میں بحث کی گئی ہے جیسا کہ شرح المطالع کے حواشی وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے اور اگر تسلیم کر بھی لیا جائے تو یہ ہمارے مطلوب میں محفل نہیں بلکہ اس کی موتی ہے پس یہ ہمارے حق میں ہوئی نہ کہ ہمارے لئے باعث نقصان۔ علاوہ ازیں ہمارا یہ قول کہ عیان راجح بیان اور اس پر آپ کا یہ تبصرہ کہ صاحب عیان کو بیان کی حاجت نہیں ہوتی اور جو صاحب عیان نہ ہو اس کو بیان کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کا اس سے کیا تعلق ہم کہتے ہیں کہ ہمارا یہ قول آیتہ کریمہ ذلک الكتب لا یب فیہ کے قبیل سے ہے۔ ہمارا یہ قول کہ ایسے مرتبہ پر پہنچنا جس کے اوپر تصور بھی نہ ہو سکے۔ محال ہے۔ یہ بات آیتہ کریمہ۔ قل دب زدنی علما اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث۔ انکم لن تستطیعوا ان تعلموا ہذا الدین سے ماخوذ ہے۔ آپ کا قول ہذا فی سیر الصفات الخ کہ یہ سیر صفات میں ہے لیکن حضرت ذات تک وصول کے بعد توفیق کا تصور محال ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ سیر صفات سے انقطاع کے بعد جمالی طور پر حضرت ذات تک وصول تو ممکن ہے۔ بلکہ مجدد اللہ سبحانہ واقع ہے لیکن اس سے اوپر ترقی عقلاً و نقلاً محال ہے حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے لیکن اس کی کنہ کا احاطہ تو وہ بھی اسی طرح محال ہے کیونکہ اگر وہ طالب سب سے زیادہ بسیط ہے تو وہ اس کی ذات وسیع تر بلکہ غیر متناہی ہے چنانچہ سیر و اسح جو محققین کے نزدیک سیر فی اللہ کہلاتی ہے بھی غیر متناہی ہے اور اس کا انقطاع محال ہے۔

شربت الحب کا سنا بعد کا پس فمانفدت الشراب وماروبت  
بیر و تشنہ مستقی و دریا بچناں باقی۔ صاحب تعریف نے کہا ہے کہ القول بالا صلح اس  
کی قدرت کی انتہا کو ضروری ٹھہرتا اور اس کے خزانوں کو اختتام پذیر بتاتا ہے اور جل جلالہ کو اس  
سے عاجز کرتا ہے کیونکہ جب اس نے ان کو صلاح کے انتہائی مقام پر پہنچا دیا اور اس کے بعد  
کوئی شئی نہیں۔ اگر وہ انہیں اس میں ترقی دے تو وہ اس پر قادر نہیں ہوگا۔ اور انہیں عطا کرنے  
کے بعد اس کے پاس انہیں مزید عطا کرنے کے لئے کچھ نہیں ہوگا۔ حالانکہ خدا تعالیٰ اس سے بلند  
بالا ہے۔ انتہی

جاننا چاہیے کہ ایک مقام میں ترقی اور ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف ترقی دو مختلف  
چیزیں ہیں اور جس کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں ان میں سے ایک ممنوع ہے اور دوسری فی الواقع

موجود ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو اصلین ذات کے مراتب میں کوئی باہمی ترقی نہ ہو اور وہ تمام قرب میں برابر ہوں۔ اور وہ تمام ایک ہی مقام میں بند ہوں۔ حالانکہ یہ سب غلط ہے اگر کہا جائے کہ ہم یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ ان میں فرق اس وجہ ہے بلکہ یہ تفاوت درجات کسی اور وجہ سے ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ تسلیم کرنے کے بعد منع تصور فوق میں آپ کے لئے یہی ہمارا جواب ہے۔ اے عارف بالشدائے ارباں ترقی اور تفوق اس ترقی اور تفوق کی طرح نہیں جو مکان کی صفت ہوتی ہے اور مکان سے سطح مکان تک ہوتی ہے اور سیر و سلوک سے بھی جسمانی حرکت مراد نہیں۔ بلکہ یہ ایک وجدانی چیز ہے۔ بیان میں آنے والی نہیں جس نے اس کا ذائقہ نہیں چکھا۔ وہ اسے جان ہی نہیں سکتا۔ اور اس کی قریب ترین تعریف جو کی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ ایک حقیقت سے دوسری حقیقت کی طرف ایک حرکت کیفی اور انتقال علمی ہے۔ لیکن یہ مرتبہ صفات کے اعتبار سے ہے لیکن مرتبہ ذات کے اعتبار سے تو اس سے مراد معرفت و انکشاف کی زیادتی اور بطن البطن میں نظر کا نفوذ ہے جس کی شہادت کشفی صحیح دیتا ہے ہم یہ جانتے ہیں اور حقیقت امر تو عالم الغیب و الشہادۃ ہی جانتا ہے ہمارے اس قول کہ رویت اخروی کی طرح کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اسکی کیفیت میں مشغول نہیں ہوتے کے متعلق آپ کا ارشاد کہ یہ کیفیت رویت کے متعلق صریح ہے اور مشیت وصول کو مستلزم ہے اور یہ دونوں بلا کیف ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ تو عدم کیفیت کی تصریح ہے کیونکہ کیفیت میں مشغول ہونے کی ممانعت کیفیت کے انتفاء سے کنا ہے۔

عبارتوں میں اس قسم کے تسامح اکثر ہوتے رہتے ہیں اور سیاق و سباق عبارت مدعی پر شاہد عدل ہے بعض اکابرین نے کہا ہے کہ ذات باری تعالیٰ مجہول الکیفیت ہے یعنی اس کی کوئی کیفیت نہیں۔ پھر بعض اور میں تشبیہ سے مشیت لازم نہیں آتی۔ جیسا کہ انہوں نے علم بیان میں اسے بیان کیا ہے۔ یہ تسلیم کرنے کے بعد بھی دو بے کیف امور کا آپس میں مماثل ہونا کیفیت کو مستلزم نہیں جیسا کہ باری تعالیٰ کی تمام صفات میں ہے۔

ہمارا یہ قول کہ اسم در رسم سے گزر کر تنزیہ اور غیب صرف کو قبلہ توجہ ناما چاہیے۔ ان اللہ یحب معالی الہم۔ اس پر آپ کا یہ فرمانا کہ متوجہ اور متوجہ الیہ میں توجہ ایک نسبت ہے پس متوجہ کا لفظ اسم ہے اور ذات متوجہ رسم تو توجہ مطلق ممکن ہی نہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اے عارف بالشداجب معرفت و ولایت کے درونے بند کر دیئے جلتے ہیں تو وہ فنا اور ہر اس چیز کو جو ماسوا کہلاتی ہے کو مٹا دینے سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر یہ بات نہ ہو تو معرفت حاصل نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی حقیقت تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ تمام قوم صوفیاء کی نسبت اس پر گویا ہے۔

بچ کس راتا نکرده اوفنا نیست راه در بارگاہ کبریا

صاحب تنزیہ کے قول کو معرفت قرار نہ دے لینا۔

گویند عنان خود چہ تابی گم شو کہ چو گم شوی یابی

ایں نکتہ نمود نا صوابم چوں گم شوم آنکھی چہ یالم

یا بندہ اگر کسی دگر خواست از گم شدنم پس او چہ میخواست

کیونکہ یہ فلاسفہ کی موٹنگائیوں میں سے ہے۔ ان میں معارف کا شائبہ تک نہیں اور سالک کے لئے مناسب نہیں کہ وہ باتیں بناتا پھرے اور اگر آپ دیکھیں کہ محققین نے اس کا کیسے محاسبہ کیا ہے اور اس کے اعتراض پر کیسے اعتراض کئے ہیں اور اس کے اعتراض کو اس پر رد کیا ہے اور اس کے شافی کافی جواب دیتے ہیں۔ باوجودیکہ یہ کلام تکلف تاویل کے قابل ہے۔ ہمیں اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ تو اشکال رفع ہو جاتا ہے۔ ہم یہاں عارف کامل قدو نا حضرت خواجہ احرار الشدان کی قبر کو منور فرمائے، کی تحریر پیش کرتے ہیں جو اس گفتگو میں مفید ہے۔ خواجہ احرار قدس سرہ نے فرمایا کہ سالک کی ذات و صفات کی فنا کے متحقق ہونے کے بعد اللہ سبحانہ و تعالیٰ اسے ترقی دے اور اسے بقا تک پہنچائے، اسے اپنی طرف سے ایک نور عطا کرتا ہے جس کے ساتھ وہ اس کا مشاہدہ کرتا ہے تو گویا فات باری تعالیٰ کو اس کا غیر مشاہدہ کرنے والا نہیں ہوتا۔ پھر یہ بات معلوم ہوتی چاہیے کہ ذات تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے والے کے لئے ذات کے ساتھ ثابت اعتبارات اور اضافات کا حذف کرنا ضروری ہے جیسا کہ اپنی جگہ پر ثابت ہے۔ اور آپ نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے۔ پس اسم درسم اور اعتبارات نفس کیسے حذف ہوتے۔

اور آپ کا یہ قول کہ تنزیہ اگرچہ ذات کے قریب ترین مقامات میں سے ہے بہر حال

وہ مقام ہے اور حقیقت میں نہ کوئی مقیم ہے نہ مقام، اس کے متعلق ہمارا قول یہ ہے کہ شاید یہاں

حقیقت سے مراد مرتبہ ذاتِ بحت ہے۔ ورنہ اس سے اس کی معنی کرنے کا کوئی مفہوم نہیں ہوگا پس وہ ہمارے لئے لطفِ عنایت اور توجہ ہے اور آخرت میں ہمارے قول بلکہ تمام محققین کے قول کے مطابق فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کی کنہ ذاتِ ادراک سے بری اور اضافات و اعتبارات سے معرا ہے۔ پس اس کی طرف نہ تو اشارہ کیا جاسکتا ہے اور نہ کسی عبارت سے اسے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

دراغندرہ دف ای آوارہ از دوست کز و بر دست دف گویاں بود پو دست

اصدق الصادقین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا ہے کہ لا یخالطہ الظنون ولا یصفہ الواصفون۔ ذوالنون مصری نے کہا ہے کہ۔ التفكير فی ذات جہل والاشارة الیہ شریک وحقیقۃ المعرفة حبرۃ ۷

آفاق روشن و مرتابلی پدید نیست

پر شور عالمی و نمکداں پدید نیست

از بہر تابہ ذرہ و از قطرہ تا محیط

چو گوشتے در تردد و چو گمان پدید نیست

حسین بن منصور قدس سرہ نے کہا ہے کہ قبل اس پر سبقت لے جانے کے بعد اسے طے کرنے من اسے ظاہر کرنے عن اس کی موافقت کرنے الی اس سے قریب ہونے فی اس میں رج جانے ان اس سے مشورہ کرنے، فوق اس پر سایہ کرنے، تحت اسے گھٹانے، خدا اس کا مقابل بننے، خدا اس کی مزاحمت کرنے، خلف اسے حاصل کرنے، امام اسے محدود کرنے، قبل اسے ظاہر کرنے، بعد اس کی نفی کرنے، کل اسے جمع کرنے، کان اسے موجود کرنے، اور لیس اسے منقود کرنے سے قاصر ہے۔ حدیث کو قدم اور عدم کو وجود پر تقدم حاصل نہیں اس کی ذات میں کیف نہیں اور اس کے فعل میں تکلف نہیں۔ اکابرین میں سے کلا بازی نے کہا ہے کہ مخلوقات میں سے سب سے زیادہ معرفت رکھنے والا اس کی ذات میں سب سے زیادہ حیران ہوتا ہے۔ ابن عربی قدس سرہ نے قول خداوندی۔ وان من شیئی الا یسبح بحمدا کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اس میں ضمیر شیئی کی طرف راجع ہے۔ کیونکہ کسی کی تسبیح کو جناب قدس کی بارگاہ میں رسائی حاصل نہیں ہوتی۔

قولوی قدس سرہ نے کہا ہے کہ حق اپنے اطلاق کی حیثیت یہ درست نہیں کہ اس کو پرتی

حکم لگایا جائے یا کسی وصف سے جانا جائے یا اس کی طرف کوئی اضافت کی جائے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے ۷

حق منزہ ہست از ہر اسم و نام      تو چہ می چشتی ہر اسم لے غلام  
 ہر چہ گوئم عشق را شرح و بیان      چون بعشق آئیم بجل با شمع از آن  
 صاحب گلشن راز نے کہا ہے۔

بود اندیشہ اندر ذات باطل      محال محض و آن تحصیل حاصل

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ الاسنی نے فرمایا ہے کہ میں اس خدا کو جو احاطہ شہود  
 میں آنے یا متحمل و متوہم ہو سہر گز نہیں پوجتا۔ میں تو اس نعمت کو طلب کرتا ہوں جو منہ میں نہ سمائے  
 اے سمجھا جس نے سمجھا۔ بعض اہل تحقیق نے مومن علیہ السلام کے قول کے بارے میں جب فرعون کے  
 سوال۔ جب اس نے ماہیت حق کے متعلق پوچھا۔ کہ ذماریب العالمین کے جواب میں کہا  
 رب السموات والارض وما بینہما۔ کہا ہے یہ حکیمانہ اسلوب بیان ہے جبکہ ان سے ماہیت  
 حق کے متعلق سوال کیا گیا جو کہ ناممکن البیان ہے۔ تو آپ نے ان نشانیوں سے جواب دیا جو صانع پر  
 دلالت کرتی ہیں۔

جانہا پر آب گشت و دلہا ہمہ خون      تا چسیت حقیقت ز پس پردہ بردن  
 اس نے کیا خوب کہا۔ جبکہ چسیت کہا۔ اور کیست نہ کہا، ہمارے اس قول کے مقصود یہ ہوا  
 ہے نہ کہ حصول کے متعلق آپ کا قول کہ شاید میرے صعب الحصول سے سمجھا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ آپ  
 کے قول سے نہیں بلکہ سبحانہ و تعالیٰ کے قول "ولا یحیطون بہ علماً" سے سمجھا گیا ہے۔  
 آپ کا یہ فرمانا کہ نبی کے کلام کا اطلاق بھی کلام قدسی پر جائز نہیں۔ تو دل کے کلام پر کیسے  
 جائز ہوگا۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر اس کے متعلق کوئی اثر یا معتبر خبر ہو تو سرائیکھوں پر ورنہ کسی چیز  
 میں حرمت کا حکم نہیں لگایا جائیگا کیونکہ اشیاء میں اصل ان کی اباحت ہے جیسا کہ علماء  
 نے کہا ہے۔ ہاں۔ انہوں نے حدیث کو قدسی اور غیر قدسی میں تقسیم کیا ہے پس احادیث میں اشتباہ  
 کی وجہ سے اس کا اطلاق غیر قدسی پر جائز نہیں۔ لیکن جس جگہ اشتباہ نہ ہو تو پھر کوئی مضائقہ  
 نہیں۔ پھر جب ارض مقدسہ اور بلاد قدسیہ کہا جاسکتا ہے تو نبی اور دل کا کلام بطریق اولیٰ مقدس  
 اور قدسی کہا جاسکتا ہے۔ اور اگر کہا جائے کہ قدس اللہ تعالیٰ کے ہمارے سے ہے۔ تو کیا اس کا  
 اطلاق غیر خدا پر جائز ہے یا نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ قدس اللہ تعالیٰ کے مخصوص اسماء میں نیچے نہیں

کہ اس کا اطلاق غیر پر جائز نہ ہو اور اگر اسے تسلیم کر لیا جائے تو یہ ان کے قول اسرئیلیات الہیہ کے قبیل سے ہوگا تو اس صورت میں اصلاً کوئی مخطوٰۃ نہیں۔

اے عارف باللہ! گفتگو کی طوالت اور قیل و قال کی کثرت وحشت ہی کو بڑھاتی اور نصرت پیدا کرتی ہے۔ قلیل طویل سے بہتر ہوتا ہے اور کلام میں اختصار اعجاز سے زیادہ قریب ہے۔  
 ۵۔ خموشی فیض و بگری سے دہر دیوانہ مارا چراغ کشتہ روشن میکند ویرانہ مارا

ہم آپ سے اوقات مخصوصہ میں نیک دعاؤں ہی کی امید رکھتے ہیں۔ یہ میری زبان حال ہے۔

۵۔ ماخوذ بگرد دامن مدنی نمی رسم شاید کہ گرد دامن مدنی بارسد

ہمارا ارادہ تھا کہ ہم اپنے بعض اشعار آپ کی خدمت میں لکھ بھیجتے تاکہ وہ آپ کے

مطالعہ کے شرف سے مشرف ہوتے لیکن ہم نے اس خیال سے اس لئے اعراض کیا کہ آپ اکتانہ جایی

اردان چار اشعار پر اکتفا کیے

کجا ہر ذرہ دار و تاب حسن بے جہاںش را کہ باشد چشمہ خورشید شبنم آفتابش را

نگینہ نثار حیرت دریں مخخانہ کثرت ازیں نہ شیشہ بیروں یافتہ موج شمشیرش را

درخانہ ماجلوہ گراں رشک چمن شد ہر خار و خس گلخن مبارک و سمن شد

عمرسیت کہ در حلقہ زلف تو ایریم بجنون ترا خانہ زنجیر وطن شد

سبحان ربك رب العزت عما یصفون سلام علی الہوسلین و الحمد للہ رب العالمین

فائدہ جلیلہ۔ کاتب حروف کہتا ہے کہ جب بات یہاں تک پہنچی تو ضروری ہوا کہ چند باتیں

بطور محاکمہ کہی جائیں۔ واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ تجھے ہدایت کے راستہ کی طرف راہ نمائی کرے۔ اس فقیر کو بتایا گیا ہے کہ انبیاء

علیہم السلام کا کلام تہذیب باطن اور تحصیل سینہ مثل پاکیزگی خشوع و خضوع پر محمول ہوتا ہے اور

رضاد سے پاک ہے اور خدا تعالیٰ نے انہیں ان معانی کی تبلیغ کے لئے بھیجا اور ان کی قدر اس کے ساتھ اس

لئے زیادہ ہے کہ ان کی زبان سے جس چیز کے لئے وہ بھیجے گئے ہیں صراحت سے یا اشارہ سے ظاہر

ہوتی ہیں۔ بلکہ اکثر اوقات مقام احسان سے نیچے اتر آتے ہیں اور عام مومنین کی صورت میں ظاہر

ہوتے ہیں اور اس مقام کی سردیتے ہیں تاکہ لوگوں کے لئے اس مقام میں نمونہ ہوں۔ ذلک تقدیر

العزیز الحکیم۔

اس لئے صوفیاء کا ان کے کلام سے اپنے مضامین یعنی توجہ بذات صرف فنا بقا اور توحید وجود وغیرہ پر استدلال عبارتِ نص، اشارات اور ایما، واقضاء کے اعتبار سے نہیں بلکہ وہ وہی کچھ اختیار کرتے ہیں جو ان نصوص کے سماع کے وقت ان کے دل پر مترشح ہوتا ہے۔ اکثر اوقات وہ ایک چیز سے دوسری کی طرف منتقل ہوتے ہیں اور کسی چیز کے متعلق کوئی نئی بات کہہ دیتے ہیں پس اس سلسلہ میں مناظرہ و استدلال مخالف کے لئے مفید نہیں۔ یہ اصل ہے یہ بھی معلوم رہے کہ تمام الجذب مجذوب کو ذات بحت کے ساتھ خاص ربط حاصل ہوتا ہے اور معرفت کا دروازہ کھل جاتا ہے اور اس کی معرفت سے اس کے ذہن میں کوئی چیز آتی ہے کہ اسے متعین کرنے میں تقریر کافی نہیں ہوتی اسے وصول و حصول کہیں یا ادراک نام رکھیں یا نہ رکھیں بہر صورت کاملین کا اس کے بنیاد اور اصل ہونے پر اتفاق ہے اس کے بعد اس میں اختلاف نزاع لفظی ہے شیخ عبدللاحد نے کہا کہ ہم مطلقاً مطلقاً الی الذات کے منکر نہیں۔ اور شیخ مجدد قدس سرہ العزیز نے شرح الرباعیہ کی شرح میں کہا ہے کہ مرتبہ تعین میں ہر چند شہود تجویز کریں مگر شہود کے اوپر بہت مراتب ہیں کہ تمام اس مقام میں گزر گاہ ہیں شہود وصول کی دہلیز ہے اور مراتب وصول اس سے بلند ہیں لیکن ہر شخص کے فہم کی وہاں تک رسائی نہیں بلکہ بعید نہیں کہ وہ انکار کرے۔ یہ ایک دوسرا اصل ہے اور یہ بھی واضح رہے کہ شیخ کامل سے محبت ذاتی کبھی جدا نہیں ہوتی۔ اور اپنی اصل حقیقت کے ساتھ اس کی حقیقت مظہر کی سی ہے اور متبوع کے ساتھ تعلق مانع ہے اور متصرف فیہ میں ارتباط متصرف ہوتا ہے لیکن بے قراری، غم و اندوہ اور وجد تو یہ کامل کے مزاج کے تابع ہے لیکن اس کے اصل کمال سے خارج ہے پس اگر اس کے مزاج میں قوت بہیمیہ قوی ہے تو یہی ذات ذاتیہ اس کے فہم میں قلق، عشق اور غم و اندوہ کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے اور اگر قوت بہیمیہ کمزور ہے تو مجرد الضت و النسبت کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہ ایک اور اصل ہے اور یہ بھی معلوم رہے کہ تمام اہل کمال کا اس بات میں اتفاق ہے کہ مرتبہ ذاتیہ کی طرف دو راستے ہیں۔ ایک راستہ براہ راست شاہ راہ وجود سے نکل کر بڑھتا ہے اور اسی کے ساتھ فی الحقیقت اس مرتبہ ذاتیہ تک سالک پہنچتا ہے۔ یہ راستہ صرف اقطاب کے لئے ہی مخصوص ہے۔ اور دوسرا راستہ متوسط سا لیکن کا ہے اور یہی اکثریت کی راہ ہے اور دراصل یہ راستہ ذاتیہ تک پہنچانے والا نہیں ہے۔ اگر صوفیہ میں سے کسی نے معرفت ذات



کا انکار کیا ہے۔ تو اس سے ان کی مراد احاطہ اور ادراک ہے اور اسی کا قائل ہے پس یہ نزاع لفظی ہے اور یہ اس کا اصل ہے جب تو نے ان اصولوں کو حاصل کر لیا تو نزاع رفع ہو گیا۔ مگر چند دشمنانہ مقدمات جن کو معمولی توجہ سے رفع کیا جاسکتا ہے۔ والعلم عند اللہ۔

ان تمام باتوں کے بعد جاننا چاہیے کہ یہ پانچوں مکاتیب ان کی ابتدائی بلاقات میں لکھنے کا اتفاق ہوا تھا چنانچہ پہلے مکتوب میں سے وہ حصہ جو ہم نے ترک کر دیا ہے اس کی تصریح کرتا ہے اور جب دوسری بلاقات ہوئی اور ہر ایک نے دوسرے کے مقام کو دیکھا تو دوسرا معاملہ ظہور پذیر ہوا چنانچہ یہ مکتوب جو شیخ عبدالاحد نے حضرت والا کی خدمت میں ارسال کیا اس پر دلالت کرتا ہے خطیہ ہے۔

” بعد حمد صلوة کے واضح ہو کہ بلاشبہ آپ کا مکتوب۔ مکتوب رحمان ہے اور آپ کا خطاب خطاب منان ہے جس نے آپ کو طلب کیا اس نے واجد کو آپ کے پاس پایا۔ اور جس نے واجد کو پایا اس نے آپ کو طلب کیا۔ اور جس نے خدا سے عشق کیا گویا اس نے آپ سے عشق کیا۔ اور جو آپ سے غافل ہوا وہ اپنے رب سے بے پروا ہو گیا۔ ہم آپ کے ہیں اور اس کے جس نے آپ کو دوست رکھا۔ میں نے آپ کو معروف کے قریب اور رؤف کا ندیم پایا۔ پس آپ پر اس نعمت کا شکر ادا کرنا اور اس ثروت کی زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے۔“

چرا صیبت سینی و بادہ پیائی بیاد آر حریفان بادہ پیارا

اب عند کے لئے کوئی راستہ نہیں تجلی حق کو عشاق کے آئینہ میں سمجھو۔

آل روز کہ مرشدی نبی دانستی کا نگشت نمائی عالمی خواہی شد انتہی!

دوسری مرتبہ شیخ عبدالاحد نے یہ دو اشعار اپنے خط میں لکھے۔

یار از آغوش دل بے جو شد و درم ہنوز صد تجلی ساقی بزم مست و مخورم ہنوز

لن ترانی اگر چہ یکادی خرابم کردہ است میکند کا شانہ زنگیں آتش طورم ہنوز

حضرت شیخ نے اس مکتوب میں لکھا۔

مخدوم و مشفق! کام کا انحصار قلب پر ہے جب تک آغوش دل فراموش نہ ہو جائے

تجلی از تجلی حاصل نہیں ہوتی۔ اور نہاں خانہ دل کا کا شانہ غیرت کی آگ سے نہیں جلتا اور

نجلہ حقیقت سے بے رنگی کی دلہن اپنا رخ نہیں دکھاتی اور دوری و مخموری کے مجاہاتِ حسین  
سے نہیں اٹھتے۔ دستا کبر و بکرم دھا قالا یصدعون بعد ہا شقاقا ولا تفرقون

فراقا

برنجیسرد جہاں عشق دوئی چہ حدت ست ایں حدیث توئی

شیخ عبدالاحد نے پھر لکھا۔ "تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے ہمیں بنایا پھر  
ہم نے اسے پایا اور ہمیں تاریکیوں سے نور کی طرف نکالا۔ تو ہم نے تارکیوں کو چھوڑ دیا اور  
ہماری طرف بشیر اور نذیر بھیجا۔ ہم نے اس کی اتباع کی۔ اس نے ہم پر کتابِ مبین نازل فرمائی۔  
ہم نے اس کی تلووت کی۔ اس نے ہم پر جلالی اور جلالی تجلی ڈالی اور اپنے انعامات اور صالحی سے محرز  
کیا۔ اس نے ہمارے وجود کی چوٹی پر قہر کی تجلی ڈالی تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور جب اس نے عالم  
قیوم میں ظہور فرمایا تو ہمارے لئے کوئی پریشانی اور دکھ باقی نہ رہا۔ اس نے ہمیں اپنی عظمت دکھائی  
تو ہم ایک زمانہ تک حیرانی میں پڑے رہے۔ ہم نے اس کی شرابِ معرفت پی تو ہماری آنکھیں کھل  
گئیں۔ ہم نے اسے چشمہ کاشفہ سے دیکھا۔ تو اس نے ہم سے محبت کی۔ ہم نے چشمہ کاشفہ سے  
دیکھا تو ہم اس کے قریب آگئے۔ اس نے صفات سے ترقی دے کر ہمیں اپنی ذات تک پہنچایا۔ اور  
اس نے اپنے کلمات اور کمالات کی شان کے مطابق ہم سے سلوک کیا۔ پھر اس نے ہمارے ساتھ  
وہ سلوک کیا جس کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا جاسکتا اور نہ کسی عبادت سے اسے تعبیر کیا جا  
سکتا ہے۔

ومن بعد هذا ما تدق صفته واكتبه احطى ليديه واجمل

یہ تو ہوا اگر پیاس باقی ہے جب تک پنڈلی پنڈلی سے نہ لپٹ جائے۔ وعدہ پورا نہ ہو جائے اور  
چلنا تھم نہ جاتے بس اس دن روزِ فراق ختم ہو جائیگا۔ اسی پر بیمارِ یقین ہے پھر مولانا بہم اپنی  
باتوں اور تمام لغزشوں پر اے اللہ کے بند و تمہارے وسیلہ سے اللہ سے بخشش طلب کرتے  
ہیں۔ — حضرت والانے ان کے جواب میں یوں لکھا۔

شیخ ابوالرضا کا مکتوب۔ پیاس کا باقی رہنا پیاس کے موجود ہونے پر دلالت کرتا ہے  
اور فراق کے اثر کا نشان مہجور کے وجود کے بقا کی دلیل ہے۔ اور قیود کی نشانیوں کے باوجود

فراق کا تشنگی کی علامت ہے اور قائل وجود کے نزدیک تشنگی کا باقی رہنا ترقی سے رُک جانا ہے پس جس طرح قیود کی نشانیوں پر توقف کے باوجود اطلاق کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح وصال محبوب کے ساتھ فراق کا تصور نہیں ہو سکتا۔ لہذا محدث حمیم کی صفات کے ہوتے ہوئے محدث قدیم کی صفات کی طرف عروج ممکن نہیں تو ذات حضرت واجب کریم کی طرف ترقی کیسے ممکن ہوگی۔ پھر پنڈلیوں کا لپٹ جانا اور جانے کی انتہا بعض کے حق میں موجود ہوتی ہے اور بعض کے حق میں موجود۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یعنی حییتا اذ ابلغت التراقی یعنی جب نفس انسانیہ اپنے سینے کی بلندیوں یعنی اس کی انتہا کو پہنچ جائے تو عالم ہر میں مشاہدہ جمال الہی کے شتیاق کا یہی نقطہ عروج ہے وقیل من راق یعنی اس کے باطن سے کہا جائیگا کہ کون ہے جو مجھے جھاڑ پھونک کرے اور نہ ہر جدائی سے شفا بخشنے۔

لسعت حية لھوی کبدا فلا طیب لها ولا راق

الا بحیب الذی شغفت به انه رقیتی و تریاتی

رحبت کی ناگن مجھے ڈس گئی ہے اب اس کے لئے نہ کوئی طیب ہے نہ کوئی جھاڑ پھونک والا۔ بلکہ میرے لئے میرا محبوب صتر بھی ہے اور تریاتی بھی۔

وظن انه الفراق یعنی بقایا بحیب کا پیا سا سمجھے گا کہ اس پر جو قلق و اضطراب نازل ہوتا ہے۔ وہ محبوب کے علاوہ تمام چیزوں سے جدائی کی وجہ سے ہے۔ والتفت لساق بالساق یعنی عالم کون و فساد کی ساق۔ عالم رحمان کی ساق سے مل گئی یعنی وہ ان دونوں کا مشاہدہ کریگا اور یہی مقام مشاہدہ ہے۔ الی ریلک یومئذین المساق یعنی جس دن ایسا ہوگا تو اسے اس روز عالم الہی کی حیثیت کی طرف سے پایا جائیگا۔ اور وہاں اسے نامر زلال پلایا جائیگا اس کے بعد کسی کو تشنگی وصال باقی نہیں رہے گی۔ اس مقام پر عین اثر مخبر کوئی بھی باقی نہیں رہے گا نہ تو سعادت سرمدیہ سے سعادت مند ہوگا اور نہ حضرت الہیہ کے انتخاب میں آنے کے بعد دور کیا جائیگا۔

آسودہ بکام خویش از وصل حبیب نہ بیم فراق است نہ تشویش رقیب

ایک بار کبیر حضرت شیخ ابو الرضا نے شیخ عبدالاحد کو خط لکھا۔

شیخ ابو الرضا کا مکتوب۔

یا منی الی وجہ عجی و معتبری . و حجر قوم الی تریب و احجار

لیک لیک من قوب من بعد سرا بسر و اجہار ابا جہار

۲۱ سجانہ و تعالیٰ کے حسن و جمال کو احاطہ تحریر میں کیسے لائیں اور اس کی عظمت و جلالت کے متعلق کیا لکھوں کسی کو عنایت ازلی سے نوازتا ہے اور کسی کو شان بے نیازی سے چھوڑ دیتا ہے، فسوس تفاوتِ راہ پر۔ ایک ہی جگہ سے لوہے کے دو ڈکڑے میں ایک گھوڑوں کا نعل بنتا ہے اور دوسرا بادشاہ کے لئے آئینہ۔ دوسرہ

بہت ابہا کی کلسری جاگ رہی لورانی ایک جو یو کیوں چاہی سوتی لینہ چکائی

شیخ ابوالرضانے ایک بار پھر شیخ عبدالاحد کو لکھا۔

حکایتِ محبت نے محنت کو لوح محفوظ میں دیکھا۔ کہا کہ میرا نقش تیرے نقش کی مانند اور تیرا نقش میری طرح ہے۔ صرف ایک نقطہ کافرق ہے۔ انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ ہمد کیا کہ جہاں تو ہوگی وہاں میں ہوگی اور جہاں میں ہوں گی وہاں تو ہوگی۔

ظن بود مرا بمن کہ من جملہ منم من جملہ تو بودم و منی دانستم

کاتبِ حروف کہتا ہے کہ یہ شعر حکایت کا جز نہیں ہے بلکہ وحدت کی طرف ترقی کی طلب

اور صبرِ محبت میں تصورِ تنبیہ کے لئے اس پر اضافہ ہے۔

پھر ایک مکتوب میں لکھا۔

” معرفتِ خاصہ، اضافہ کے دور کرنے اور انت کے نورانی شعلوں کے تسلسل سے انا کو جلا

دینے کا نام ہے۔“

طوارق النوار تلوح اذا بدت فتظہر کتباتنا و تخبر عن جمع

رؤرانی ستارے جب ظاہر ہوتے ہیں تو وہ چمکتے ہیں وہ پوشیدہ چیزوں کو ظاہر کرتے اور تماگی خبر

دیتے ہیں اور خاص النخاص معرفتِ نظر احدیت کے ساتھ اضافت کا مشاہدہ کرتا ہے۔

فامطر الکاس نار من ابارقہا فایت الدور فی ارض من الذهب

و سبم القوم لمان را و اعجا نور من المانی نار من الغب

محمد رضا سرمندی نے حضرت شیخ کی خدمت میں اشارہ لکھا کہ میں نے حال حاصل کرنے

کے لئے جو بلیڈ اسپہال استعمال کیا تھا اس سے ابھی تک حال کا اسپہال ظہور پذیر نہیں ہوا۔  
حضرت دالانے جو ابنا لکھا۔

” میری ناقص رائے میں یہ آیا ہے کہ آپ کا مزاج مبارک صفراوی گرم خشک ہے جو کہ راہ حق کے سلوک کے لئے مفید ہے لیکن بعض رسمی باتوں کے سنے اور قیاسات فاسدہ عقلمندی کی وجہ سے غیر طبعی سوداوی اخلاط جو کہ سالک کو منزل مقصود پر پہنچنے سے روکتے ہیں۔ غالباً آگئی ہیں چونکہ حکیم حاذق نہیں تھا۔ اس لئے اس نے بیماری کی تشخیص نہیں کی اور بلیڈ سیاہ بجائے بلیڈ زرد دے دیا۔ اس نے صفرا کی حفاظت کے بجائے سودا کی مدد کی۔ کام اٹھا ہو گیا اور مزاج کی حالت بگڑ گئی۔  
حاذقان طریقت اور ماہرین حقیقت حکمت نظری و عملی کے ساتھ گرم خشک شرتوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مزاج کی اصلاح کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ کس قدر ظاہر ہے کہ کوئی ظاہر اس کا حجاب نہیں اور وہ باطن ہے کہ اس کے سوا کوئی باطن میں نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مناجات میں فرمایا۔ اللھم انت الظاہر لا ظاہر لک انت الباطن لا باطن دونک۔

توہمت قدما ان یسے تبرقت دان لنا فی البین ما یمنع اللثما

فلاحت فلا والله ما ثم مانع سوی ان عینی کان من حسنہا اعمی

گر نہ بیند بروز شپہ چشم چشمہ آفتاب را چہ گناہ

حقیقت کا سرمہ ڈالنے والے سرمہ عنایت آنکھ میں لگاتے ہیں اور اندھوں کو بخش دیتے ہیں۔  
انی ابری الاکمہ والابرص۔ یہ لوگ سرمہ عنایت کو زبان طیور سے ہی لکھتے ہیں سمجھ دار نے سمجھ لیا اور نام سمجھ محروم رہ گیا۔ میں لکھتا ہوں خدا ہدایت دینے والا ہے۔

سرمہ عنایت دو اجزا سے مرکب ہے۔ ترقیق اور تسبیق۔ ترقیق یہ ہے کہ قلم اعلیٰ نے حرف سے عیبات کو شکاف دیا تو وہ دو زبان ہو گیا۔ ظاہر الوجود دوسری باطن الوجود پھر باطن الوجود نے دور اتنے اختیار کئے جس سے امر و خلق ظہور پذیر ہوئے۔ بہر شخص کو قسم کی اجناس عنایت فرمائیں۔

ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم مطرب بگو کہ کار جہاں شہد بکام ما  
تسبیق پہ سہکد قریب کو بیبہ اور اسفل کو اعلیٰ میں پس کر آنکھوں میں ڈالیں تیرا سے

شہرہ کی بجلیاں چمکتی ہیں اور دلوں کی زمین جمال مطلق کے نور سے منور ہو جاتی ہے و اشراق الارض  
بنور ربہا۔ اور حدیث ذات کی سطوت کی چمکدار کر تک طالب کی ہستی کو عالم نیستی میں لے  
جاتی ہے۔ کل شئی ہالک الا وجہہ کا مفہوم ظہور پذیر ہوتا ہے اور اس وقت ہر شخص  
اپنی حقیقت سے آگاہ ہو جاتا ہے اور محمد مرزا محمد مرزا ہو جاتا ہے

جزیکے نیست نقد ایں عالم باز میں و بعالمیش مفروش

گل ایں باغ را توئی غنچہ سرا ایں گنج را توئی سرپوش

آن شناسد حدیث ایں دل مست کہ ازیں بادہ کردہ باشد نوش

کاتب حروف کہتا ہے کہ ہلیہ اسپہال سے مراد ریاضات شاقہ ہیں اہل سلوک رذائل سے

باطن کی عفتائی۔ گونا گوں محبتوں اور دنیا کے نقوش سے دل کو فارغ کرنے کے لئے فرماتے ہیں۔

اور اس کا قول "دست اسپہال حال روشی نداد" سے مراد ہے کہ ان اعتکافات اور ریاضات سے

تخلیہ اور تفریح حاصل نہیں ہوتی بلکہ عجب۔ خود بینی اور کثرت وسواس ان رذائل کی مددگار

اور معاون ہو گئی ہیں اور ان کے قول "صفراوی مزاج" کے متعلق جاننا چاہیے کہ صفرا کی خاصیت

ہر معاملہ میں گرمی۔ خشکی۔ تیزی اور سرعت ہے۔ لہذا وہ عاشق جس کی طلب میں گرمی ہو سریع اسیر

اور قوی دل ہو تعینات بھی اس کے نزدیک نہ بھٹک سکتے ہوں صفراوی المزاج ہے اور وہ

جو شکوک و شبہات۔ قطع علائق میں بزولی۔ حدیث نفس۔ دوسوں اور زمینہ وسادس و خطرات

میں مبتلا ہو سوداوی مزاج کے مشابہ ہے جو شخص ان محنوں میں صفراوی مزاج واقع ہوا ہو وہ اپنی

اصل فطرت میں وصول کے لائق اور اس کی اس میں استعداد ہے اور جو شخص سوداوی مزاج ہے

وہ وصول وحدت سے محروم ہے بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنی اصل فطرت میں صحیح

الاستعداد ہوتا ہے لیکن جب وہ سوداوی مزاج لوگوں کی صحبت میں بیٹھتا ہے اور ان سے اس

قسم شکوک و شبہات حاصل کر لیتا ہے خصوصاً استقام اور کامل توجہ کے ساتھ کیونکہ دین الہی شبہات

کے اتباع کا نام ہے اور یہ کمال نہیں ہے تو رع ہے نفس ناطقہ اس کو ملکہ بنا لیتا ہے۔ اور یہ

روحانی بیماری ہے۔ اعضا میں ہوتی ہے اور وصول سے باز رکھتی ہے اور ان کا قول "بجائے ہلیہ

سود۔ ہلیہ اسفر برداد" کا مفہوم یہ ہے کہ ہلیہ سیاہ سوداوی اخلاط کا مسہل ہے اور دوسواں

جو سودا کو لازم میں بٹھا دیتا ہے۔ اور طلیہ زرد و صفراء کا مسہل ہے۔ یہ گرمی خشکی اور سرعت کو زائل کر دیتا ہے۔ یہ سخت مشقتیں نشاط کو دور کر دیتی ہیں لہذا یہ طلیہ زرد کے مشابہ ہونگے اور انکشاف توحید و سواس کو دور کر دیتا ہے۔ پس یہ طلیہ سیاہ کے مشابہ ہوگا۔ ائمہ سلوک کا طریقہ نشاط گرمی اور محبت کو باقی رکھنا ہے لیکن وہ تمام ذات حق میں ہوتے ہیں اور ریاضات شاقہ سے نشاط اور گرمی دور ہو جاتی ہے۔ و قولہ حاذقان طریقت الخ۔ جاتا چاہیے کہ صوفیاء سا لکین کی تربیت کے لحاظ سے دو گروہ ہیں۔ ایک متقدمین کا مذہب ہے جس کو امام محمد غزالی نے بیان کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص طبیعت کے تقاضوں سے توبہ کرتا ہے تو اسے وہ کہتے ہیں خلوت میں بیٹھیے اور لوگوں سے میل ملاپ نہ رکھیے اور تمام حالات میں اپنے نفس کی مخالفت کرے۔ اپنے آپ کو ایسا بنالے کہ لوگوں کی گالی گلوچ اور مار پیٹ سے اس کا نفس شورش نہ کرے اور لوگوں کی تعریف اور برائی اس کے نزدیک برابر ہو جائے اور نوافل اعمال کو بکثرت کرے۔ ریا غرور اور عجب کی باریکیوں کو اچھی طرح سمجھے اور ان کی جستجو تلاش کرے اور طعام میں پوری احتیاط کرے مشتبہ چیز چھوڑ دے۔ اٹھنے، بیٹھنے، کھانے پینے اور تمام حالات میں آداب کے لحاظ کو ضروری سمجھے وغیرہ ذالک اور ان امور میں اسقاط در فائل کو ساقط کرنے اور زائل کرنے، اثباتا دکمالات کو حاصل کرنے اور قائم رکھنے کیلئے، ان معالجات کے ساتھ جو اشعار و عطیات کے ذکر کے قبیل سے ہوتے ہیں تمسک کرتے ہیں۔ جب تمام سے پاک ہو جائے تو اسے خدا تعالیٰ کی محبت کا راستہ دکھاتے ہیں جیسا کہ احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت میں بالتفصیل بیان ہوئی ہیں۔

دوسرا مذہب متاخرین کا ہے جن کے فیض سے کئی عالم منور ہوئے ہیں نقش بند یہ قادر یہ اور چشتیہ سے ہے اور یہ وہ مذہب ہے کہ جب کوئی شخص ان کے ہاتھ پر توبہ کرتا ہے تو اسے ایسے افکار و اذکار جو حضوری اور شوق و عشق کی زیادتی توحیدِ نفسی ماعدا گونا گوں تعلقات اور خلق کی محبت سے کنارہ کشی کا باعث ہوتے ہیں میں مشغول ہونے کا حکم دیتے ہیں اور فی الرض اور سنن موکدہ کی ادائیگی کے بعد ان اذکار کے علاوہ کسی دوسری چیز میں مشغول کرتے ہیں۔ نہ تو نخلیہ نہ ہی نوافل اعمال اور نہ ہی کھانے پینے میں احتیاط کی ہدایت کرتے ہیں بجز اس چیز کے جو کتب سنت میں ظاہر اور نہ ہی محافظت آداب معاش وغیرہ کے لئے کہتے ہیں۔

جب ممالک اللہ کے فضل سے گرمی شوق اور نفی ماعدی حاصل کر لیتا ہے تو اوصافِ رذیلہ خود بخود مٹ جاتے ہیں۔ خواجہ محمد پارسانے اپنے رسالہ قدسیہ میں اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور گرم خشک اشر بہ سی اذکار ہیں۔ اور حکمتِ نظری قبولِ شیخ ہے اور حرکتِ عملی۔ اس کا ذکر میں کوشش کرنا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ حکمتِ نظری انکشافِ توحید ہے اور عملی دوامِ حضور ہے۔ اور قولہ ترقی و تسبیح الخ محل عنایت سے مراد شہود و وحدت و کثرت اور وحدت میں شہود کثرت ہے اور حقیقت و چیز اول سے حاصل ہوتی ہے۔ ایک کثرت کی صورت میں ظہور مبادی کی معرفت کے ذریعہ ہے اور اس کا نام ترقی جو کہ نفسِ امردہ کو پیسے اور اس کی قوت کا باقی نہ رہنا ہے جو کثرت میں ظہور کے لازم میں سے ہے۔ رکھا ہے۔ اور دوسری چیز وحدت میں اندراج کثرت کی معرفت کے ذریعہ ہے اور اس کا نام تسبیح اس لئے رکھا گیا کہ یہ تحصیلِ اجزاء و جود کی ماہیت کی مغائرت کا ملاحظہ اور تمام ماہیات کا ماہیتہ الماہیات میں مندرج ہونا اور وجودات کا وجود الوجودات میں مٹ جانے کی خبر دیتا ہے۔ واللہ اعلم۔

قولہ "بہر کے از مرزائی خود آگاہی باید" یعنی حقیقت میں حضرت وجود ہے اور مرزا محمد گمراہ سے مراد یہ ہے کہ حقیقت محمدیہ تمام میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ واللہ اعلم

محمد مرزائی دوسری مرتبہ اپنے خط میں یہ شعر نقل کیا۔

مردم دیدہ تیسم کردہ از خاکِ درت گرجہ در خانہ خود آب روانی دارد  
مکتوب شیخ ابوالرضا۔ حضرت دلانے ان کے جواب میں لکھا۔

مخدو منبا! تیسم طہارت مجازی ہے مردم دیدہ تو طہارت حقیقی حاصل کرتے ہیں اہل حقیقت کی درگاہ خاک مجاز سے پاک ہے۔ مردان دیدہ و مردان کور دیدہ ہیں۔ گھر میں پانی تو موجود نہیں سراب کو پانی سمجھ لیا اگر انہوں نے آنکھوں کو پانی کیا ہوتا تو پانی دیکھا ہوتا۔

مردم دیدہ آب باید کرد خانہ خود خراب باید کرد

تاکہ احدیت ذات کا آفتاب سر پر وہ عزت سے جلوہ گر ہو اور تمام اشیاء کا بیٹہ لاشنی ہو جائیں۔ لکن الملك اليوم لله الواحد القهار کاراز آشکار ہو جائے سے  
آں سرکہ از گوش شنیدیم ز حلقی ۔ از علم بعین آمد و از گوش باغوش



کاتبِ حروف کہتا ہے کہ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ اقتباسِ سوءِ ادب ہے کیونکہ مردمِ دیدہ چشمِ سالک کی روشنی مردمِ دیدہ نہ یا مردمِ نادیدہ ہے یعنی انسانِ کامل کو پہچان کر اس کا معتقد ہوا ہے یا نہیں لیکن وہ جو مردمِ دیدہ در ہوتا ہے وہ ان کی درگاہ کو محض حقیقت جانتا ہے اور شہودِ اتم کا فائدہ حاصل کرتا ہے پس اس کے حق میں تمیم کرنا نہیں کہہ سکتے کیونکہ تمیم طہارت مجازی ہے اور اگر مردمِ نادیدہ ہے تو انسانِ کامل کا معنی ظاہری احوال کے سوا کچھ حاصل نہیں کیا۔ ابھی تک حجاب اور اشتباہ میں ہے۔ اگر پانی کو دیکھا ہوتا یعنی انسانِ کامل کو پہچان لیا ہوتا تو آنکھوں کی ٹھنڈک اور نگاہ کی روشنی ہوتا اور اس قدر ناقص الفہم نہ ہوتا۔ اگرچہ شاعر نے ”چشم بر خاک نہادن“ جو کہ انتہائی توضیح ہے کو اس طرح رنگیں لباس میں بیان کیا ہے لیکن بظاہر اس کے معنی کی غرض یہ تھی کہ اگرچہ کمالاتِ طریقت کو مشائخِ آبا و اجداد سے میں نے حاصل کیا ہے۔ چاہتا ہوں کہ جناب شیخ سے بعض فوائد اخذ کر لوں پس خود بینی کے ساتھ یہ غرض جو کہ فائدہ نام کے لئے رکاوٹ ہے وقوع پذیر ہوئی۔ اس معنی کا قرینہ یہ ہے کہ مکتوب کے آخر میں انہوں نے یہ لکھا ہے۔ دھڑا۔

جو تو جانی ایک کر جوئے ہو بھی نہ سیکھ دیں کر انپول ہو سو و اہی مول کھ دیکھ  
حضرت والا نے دوسری مرتبہ محمد مرزا کو لکھا۔

اظہارِ اسرار پر بقرارِ عشق نے خزانوں کے دروازے کھول دیئے خزانہ دنیا تقسیم کر دیا صبح ظہور نے  
پہلی سانس لی اور نسیمِ عنایت ازلی چلنے لگی عاشق آبِ حیات کے سلاب میں گم ہو گیا بکر شوق بانڈھ کر صدق  
کے قدم کو راہِ طلب میں رکھا اسی پہلی نظر کھولی تو اس کی نظر جمالِ معشوق پر پڑی تو اس نے خود کو مجھو  
کا آئینہ اور محبوب کو اپنا آئینہ پایا سے

عشق مشاطہ ایسے رنگ امیز کہ حقیقت کند بزرگ مجاز

تا بدام آورد دل محمود بطراز دلشائے زلف ایاز

مکتوبِ دیگر۔ حضرت والا نے ایک اور مکتوب میں محمد مرزا کو حقیقت جامعہ کی زبان  
میں لکھا۔ - ہوا الحی القیوم۔

’اے میرے مرزا اور اے میرے جلال! تو میری وحدانیت کو طلب کرتا ہے حالانکہ تو اپنی  
انانیت کو میری انانیت کے ساتھ شریک کرتا ہے یہ تو سراسر شرکِ جلی ہے شرکِ خفی نہیں

کیا تو میری عزت سے نہیں ڈرتا اور تجھے میری فرمانیت سے جیا نہیں آتی۔

اے مرحوم! تو تو مومن ہے اور میں معلوم ہوں۔ میں نور اور تو ظہور ہے۔ میں حق اور حقیقت ہوں اور تو مجاز اور طریقت ہے۔ اگر تو چاہتا ہے کہ تو تعظیم کرنے والا موجد ہو تو مومن کو اٹھا دے اور معلوم کو قائم کر اور اپنے قلب سلیم اور ستر قدیم کے ساتھ کہو کہ کسی عیب اور شک کے بغیر سر مکان اور سر زمان میں وہ نہیں بلکہ میں ہوں اور میں نہیں۔ بلکہ وہ ہے۔ جب تو نے دونی کو اٹھا دیا۔ تو عین کے ساتھ مل گیا۔ اگر تو نے اس میں شک کیا تو تو ریض ہے اور اگر تو نے تردید کیا تو تو معزول ہے اگر تو نے اپنے ایمان و یقین کے ساتھ قبول کر لیا تو تو مقبول ہے پس تو شک کرنے والوں اور رزکے گئے لوگوں میں سے ہرگز نہ ہو میں نے تجھے اپنی رحمت کے پیش نظر جواب دے دیا لیکن تم میری عظمت سے غافل نہ ہونا اور تجھ پر لازم ہے کہ جو کچھ میں نے تیری طرف الفا کیا ہے اسے دھتکا سے ہونے انسانوں پر ظاہر نہ کرے۔ راندہ ہوا وہی ہوتا ہے جو محفل اور بیکار ہوا اور مرحوم وہی ہوتا ہے جو وصل ہو۔ اگر تو نے میری کلام کو سمجھ لیا ہے۔ تو تجھ پر میری رحمت اور سلامتی ہو۔

ایک اور خط میں حضرت والانے لکھا۔

خدا نے واحد اور احد کے نام سے شروع کرتا ہوں۔ مجھے حق اور شہنشاہ مطلق نے کہا۔ اے میرے فرد اور میری رضا! مجھے اپنی عزت اور جمال کی قسم میں احد مولا اور میرے وراہ کچھ نہیں اور میں ہی موجود ہوں۔ میں نے اپنی ذات کے ساتھ اپنی ہی ذات سے اپنے شیونات اور صفات ظاہر کئے۔ اور مخلوق کو پیدا کیا۔ میں ہی حق اور حقیقت ہوں میں ہی ہر چیز کے لئے ذات اور ذی روح کی حیات ہوں خلق ساری کی ساری میری قدر ہے اور مخلوق میرا امر ہے جو شخص میرے ساتھ بقا چاہتا ہے۔ تو وہ میری خلا کا مرقبہ کرے اور مجھے میرے ذکر لایا ہوتی کے ساتھ یاد کرے۔ جبروتی اور ملکوتی کے ذکر کے ساتھ یاد نہ کرے۔ وھو لاھو الاھو جس نے میرے کلام کو سمجھ لیا اس پر میری رحمت اور سلامتی ہو۔ ایک اور مرتبہ حضرت والانے لکھا۔

وہ بے چون ہے اور تمام کیفیات اس کی بے کیفی سے پیدا ہوئی ہیں وہ بے نمون ہے اور تمام نمون اس کی نمونی سے ظاہر ہوئے ہیں۔ ان بلند مہمتوں کی غایت اور ان بلند مہمتوں کی نہایت بواطن میں رفیع اشنان ذات کی سرمدی احدیت اور اغیار کی مزاحمت کے بغیر ہر جہں سلیم پڑنے

کثرت کی ذات میں کوئی گنجائش نہیں۔ حضرت احدیت میں رسائی احدیت کے طریق کے سوا ممکن نہیں اور اس سے مراد صراطِ مستقیم کی عینیت کی وحدیت میں کثرت اعیانہ کا ختم کرنا ہے جو کہ تمام انبیاء و رسل اور اولیاء کاملین کا راستہ ہے اور نمازی اپنی نماز کی فاتحہ میں اہدنا الصراط المستقیم سے یہی راستہ طلب کرتے ہیں۔ سید الطائفہ جنید قدس سرہ فرماتے ہیں۔ توحید ایک معنی ہے جس میں ہر مضمحل ہو جاتے ہیں اور علوم اس میں مل جاتے ہیں اور اللہ ویسا ہی ہوتا ہے جیسا انزل میں تھا اور بندہ بھی ویسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ ہونے سے پہلے تھا۔

ع دیدہ و رشوب حسن لم یزلی  
کو ز غیرت بسوز معترزی  
چہرہ آفتاب خود فاش است  
بے نصیبی نصیب خفاش است

حضرت والانے شیخ عبد الحفیظ کی طرف جو آپ کے خاص دوستوں میں سے تھا لکھا۔  
”سمجھ لو کہ تم دریائے نور کے ایک نورانی بلبلہ ہو جو اکثر سرعت تمام گزر جاتا اور اس جاب سے منہ پھیر لیتا ہے تو خود کو اس نور کا دریا پاتا ہے اور اس سمجھ کو دلی توجہ اور قصد کے ساتھ اپنے پاس محفوظ رکھ کیونکہ قصد و توجہ حالات قلبی کو باقی رکھنے میں کامل اثر رکھتا ہے جب قصد ٹوٹ جاتا اور غیر کے خطرہ کو راستہ مل جاتا ہے تو فوراً اس کے خیال کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ کہ تعرف الاشیاء باصدا دھا۔ اور اس نور میں دل کی تنہا تاریک جگہ میں اسم ذات، اسم تکلم کے ساتھ حاضر ہو کر فی الغدو والاصال علی التوالی والاتصال کہتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے آپ اور تمام سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ اور دل کی کھر کی کھل جاتی ہے اور تمام فرشتوں اور انبیاء کی ارواح کو عالم بپیری میں دیکھتا اور ان سے فوائد عظیمہ حاصل کرتا ہے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔“

چشم دل چوں باز شد محشوق را در خویش دید  
عین دریا گشت چوں بیدار شد چشم جاب  
ایک بار شیخ عبد الحفیظ نے حدیث قدسی جو قصہ معراج میں آئی ہے، قف یا محمد  
فان اللہ یصلی کا معنی دریافت کیا حضرت والانے لکھا۔

”میری ناقص رائے میں آیا ہے کہ جب اس قاف معرفت کے سیرغ نے عالم خلق و امر کی فضا میں پرواز کی تو عالم کون و مکان کی سرحد کے آخری نقطہ پر پہنچے تو عالم قدس

حضرت الہی کی دلکش ہوا دکھائی دی۔ اپنی علوم امتی کی وجہ سے ارادہ کیا کہ اس عالم میں بھی پرواز کریں۔ اسی وقت پاکیزہ خطاب پہنچ گیا۔ قف یا محمد یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم امر کے آخری نقطہ پر ٹھہر جائیے کیونکہ یہ عبودیت کی حد ہے جس کے ساتھ مشاہدہ ربوبیت ہے فان اللہ یصلی۔ یعنی وہ چاہتا ہے کہ آپ کے ذریعہ عالمین پر نبوت و رسالت کا فیضان کرے اس لئے ضروری ہے کہ رسول اسی برزخ میں ٹھہرے تاکہ حضرت الہیہ سے معارف و احکام کا استفادہ کر کے عالم خلق و امر پر ان معارف کو بہائے اور فیضان کرے اور آپ کا میری حسب منشا قیام کرنا میری رحمت کو آپ پر زیادہ کھینچ لانے والا ہے۔ اس قیام سے جو آپ کی اپنی منشا کے مطابق ہو سے

ارید وصالہ ویرید ہجرہ فاترک ما ارید لہا یرید

فافی فی الوصول عبیدہ نفسی و فی الہجران مولی للہ والی

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علوم امتی کے زیادہ مناسب یہ ہے کہ عالم الہی کی فضا میں پرواز کے بعد اس برزخ میں بھرا لاکر ان سے خطاب کیا ہو اور بعض دوسرے دروازے کا روحانی بھی جو محض متاخر صوفیاء کے تقلیدین کے مذاق کے مطابق لکھے گئے ہیں۔

جب وہ بلند پرواز کے بعد اس برزخ و صفات الہیہ کی فضا سے گزر کر مقصورہ برزخ کبریٰ جو مراتب تعینات میں سے پہلا اور حقیقت محمویہ کے نام سے موسوم ہے، پر جا کر دم لیا۔ اس نے ارادہ کیا کہ حقیقت ذات مجرد کے عالم میں پرواز کرے خطاب پہنچا۔ قف یا محمد یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس برزخ کبریٰ پر ٹھہر جائیے جو کہ عارفین کے مقامات کی انتہا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ صلوٰۃ پڑھتا ہے۔ یعنی اس بلند مرتبہ اور مقام اقرت پر فائز اپنے کامل بندوں پر وہ رحمت فرما رہا ہے یا ٹھہرنے کا حکم دے کر اپنے بندوں پر رحم کرتا ہے کیونکہ مادہ کی طلب کا شوق، وقت ضائع کرتا ہے اور ایسی چیز کو طلب کرنا ہے جس کا حاصل ہونا ممکن نہیں۔ یا یہ معنی ہے کہ وہ اپنی ذات کی گرفتار ہے یعنی اپنے کمالات ذاتیہ کی شنا کہتا ہے، اس کی طرف متوجہ عالمین سے بے نیاز ہے۔ اس کی حریم ذات اور اس کی عزت و جلال کی طرف کوشش کی کوئی گنجائش نہیں

تعالی العشق عن ہم الرجال و من وصف التفرق والوصال

متی ما جل شتی عن خیال یحل عن الاحاطة والمثال

ترجمہ) عظمیٰ لوگوں کی ہمتوں اور وصال کے وصف سے بلند ہے جب کوئی شیخی خیال سے بلند ہو جائے تو وہ احاطہ و مثال سے آزاد ہوتی ہے

ایک اور تہ شیعہ عبد الحفیظ نے محققین کے قول "من شرط الولی ان یکون محفوظاً" اور اس میں جو عقیدہ قدس سرہ سے سوال کیا گیا کہ "العارف یزنی یا بالقاسمہ کیا عارف سے زنا سرزد ہو سکتا ہے" تھوڑی دیر انہوں نے سوچا پھر سر اٹھایا اور کہا۔ "وکان امر اللہ قدراً مقدوراً میں توفیق و تطبیق کی وجہ دریافت کی۔ تو حضرت والا نے اس کے جواب میں لکھا۔ دونوں اقوال صحیح اور معتبر اکابرین کے متفق علیہ ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی دوسرے قول کا مخالف نہیں۔ کیونکہ ولایت کی تین اقسام ہیں۔ ولایت ایمانی، ولایت عرفانی اور ولایت احسانی۔ ولی بولایت ایمانی و عرفانی محفوظ نہیں ہوتا۔ اس سے عمداً گناہ کبیرہ بھی سرزد ہو سکتا ہے چہ چنانچہ صغیرہ۔ لیکن ولی بولایت احسانی گناہ کبیرہ سے مطلقاً اور گناہ صغیرہ کے عمداً ترکاً سے محفوظ ہے۔

حضرت والا کے ایک خط سے منقول ہے۔

طریقہ قدسیہ رضائیہ کی بنیاد دس کلمات پر ہے (۱) تنزیہ المقصود (۲) تفسیر الہیۃ (۳) تہجد التوحید (۴) مطالعۃ الجہال فی النفس و الآفاق و الاطلاق (۵) فنا فی اللہ ہوت و (۶) بقا بالہا ہوت (۷) ذکر بالاجماع (۸) جمع بین البحر و الاختار (۹) الحدیث الاصفیاء (۱۰) الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الابتداء و الانتهاء۔

آپ کے بعض مسودات میں آپ کے ہاتھ سے لکھا ہوا ہے بسم اللہ الرحمن الرحیم کی تفسیر میں ہے۔ الباری مقدر عام متعلق ہے جو کہ وجود ہے اور اسم سے اور صفات میں سے کسی صفت کے ساتھ ذات کا ظاہر ہونا ہے اور لفظ اللہ واجب الوجود ذات کا علم ہے۔ جو کہ وجود بنفسہ تمام صفات کمال کا جامع اور ہر قسم کے نقصان سے پاک ہے اور الرحمن الرحیم تفضل و احسان کے معنوں میں اس کی رحمت کے اسم ہیں۔ پہلا اس فیض اقدس کے اعتبار سے ہے جس کے ذریعہ صورت عظیمہ جو حقائق و ماہیات کے نام سے موسوم ہیں۔ اپنی استعدادات کے ساتھ حاصل ہوتی ہیں اور دوسرا اس فیض مقدس کے اعتبار سے ہے جس کے ذریعہ یہ ماہیات خارج میں اپنے

لوازم اور توابع کے ساتھ حاصل ہوئی ہیں۔

اس طرح اس کا معنی یوں ہوگا کہ وہ چلے علی طور پر حقیقتوں اور ماہیتوں کا بچنے والا اور فیاض ہے اور اس کے بعد خارج میں ان تمام حقیقتوں اور ماہیتوں کو جو بچنے والا نہیں ہے۔ لہذا رحمان اور رحیم دونوں اسم ذات کی صفات ہیں یا اس کا بدلہ ہیں یا دونوں اس کا بیان ہیں یا رحمن یا رحیم دونوں صفات اس مقدر کی خبر ہیں جو اسم کی طرف لوٹتا ہے یا دونوں اسم کے بیان کے لئے اس کے معنی کے مفعول ہیں اور لفظ اللہ کے متعلق نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ الرحمن الرحیم کی ذات نہیں۔ ان دونوں کے علاوہ اسم ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ہر چیز کا وجود ذات واجب تعالیٰ کے ظہور کی وجہ سے حضرت غیب و شہادت میں ہے۔

سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں مرقوم ہے۔

الحمد للہ۔ حمدیت اور محمودیت اللہ تعالیٰ سبحانہ سے مختص ہے۔ یہ یا تو جمع الجمع کی حمدیت سے ہے جبکہ اس نے مرتبہ غیب و معانی میں پہلی اور دوسری جہلی کے ساتھ اپنے کمالات ذات کو اپنی ذات پر ظاہر کیا۔ اسی طرح اس پر مثل شیونات و اعتبارات کا اولاً اور حقائق الہیہ کو نیرہ کا ثانیاً اظہار کیا۔ یا یہ مرتبہ جمع علی الفرق کی بنا پر ہے کیونکہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے فیض مقدس کے ساتھ حقائق پر نور وجود کے افاضہ سے ان کی موجودہ استعدادات اور خارج میں ان کے تابع کمالات کو ظاہر فرمایا یا یہ مرتبہ فرق علی الجمع کی بنا پر ہے کیونکہ موجودات روحانیہ مثالیہ و حسیہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے افعال۔ صفات اور کمالات کو تمام زبانوں میں قولاً و افعالاً اور حالاً ظاہر کرتی ہیں۔ یا مرتبہ فرق علی الفرق کی بنا پر ہے کیونکہ مظاہر خلیقہ اور مجال الکوئیہ نے اگرچہ احوال۔ افعال اور اقوال کی زبانوں میں اپنے کمالات کو ظاہر کیا ہے لیکن وہ سبحانہ و تعالیٰ کی اپنی ذات پر صمد ہے۔ یہ بھی مرقوم ہے کہ جمال ہانسوی کے اقوال میں سے ہے

”تاہت عقول الاغیار فی احوال الاخیار“ داخیر کے احوال میں اغیار کی نظر  
نظر میں بھٹک گئیں، اس کے متعلق فقیر نے کہا ہے

”تاہت عقول الابرار فی اسرار الاخیار و تاہت عقول الاغیار فی اسرار  
الاحرار“ ابراہم کی عقلیں اغیار کے اسرار اور اغیار کی عقلیں احرار کے اسرار میں بھٹک گئیں،

یہ بھی مرقوم تھا کہ وجود تیرے اس وجدان کا نام ہے کہ حق اپنے اسماء و صفات کے ساتھ تیری ذات میں جلوہ گرہا اور تو تو نہ رہے اور وہی ہو بس بندہ ایسا ہو جائے جیسا کہ نہیں تھا اور حق ہو جیسا کہ لم یزل سے تھا۔ یہ بھی مرقوم تھا فقیر کے نزدیک تفرید ایک لطیفہ ہے نسبتاً اضافت کی امانیت میں تفرید نہیں ہے۔ یہ بھی تحریر ہے۔

محققین نے کہا ہے کہ عجز آخری مراتب پر پہنچنے والوں کی انتہا اور سب سے آخری ترقی ہے۔ اس سے آگے نہ کسی کامل کا گزرا ہے اور نہ کسی کامل کے لئے عروج کی جگہ ہے لیکن اس سے مراد عجز مذموم نہیں جس کی طرف مجاہدین کے ذہن منتقل ہوتے ہیں بلکہ اس عجز سے مراد ادراک الہی کے حصول کے بعد کامل ہے۔ پس اس ادراک کو حاصل کرنے سے عجز متحقق ہے اور اسی طرح صدیق اکبر نے کہا ہے۔ العجز عن درک الادراک۔ ادراک۔ ادراک کو حاصل کرنے سے عاجزی ادراک ہے، یہ بھی تحریر ہے۔

کمال مطلق سے مراد ولی کا وہ مقام ہے جس میں کامل کو حقائق اشیاء بہمال و تمام عطا کئے جاتے ہیں۔ پس وہ ربوبیت کی تمام صفات عبودیت کی تمام اوصاف کے ساتھ ایک ہی وقت میں متصف ہوتا ہے۔ یہ بھی تحریر ہے کہ غنا لوازم بشریت کے فقدان کا نام ہے۔ یہ فقدان یا تو ان لوازم سے ذہول کی وجہ سے ہے یا ان کے منعدم ہونے کے علم کی بنا پر ہوتا ہے یا حقیقی حال کی وجہ سے ہے اور فنا کے دو مراتب ہیں۔ پہلا مرتبہ اس سے مراد۔ بندے کا اپنے نفس کے متعلق اہل حجاب کے لئے ذکر حق میں استغراق کے وقت اور اہل کشف کے لئے انوار جمال کے ظہور کے وقت علم شعور ہے۔

دوسرا مرتبہ ذہاب ہے۔ اور اس سے مراد افعال حق کے شہود سے بندے کی اپنے افعال سے اس طرح فنا ہے جیسے قلم کاتب کے ہاتھ میں ہو۔ اور کبھی اس کا اطلاق ترقی پر بھی ہوتا ہے تیسرا مرتبہ سلب ہے اور اس سے مراد صفات حق کے ظہور کی وجہ سے صفات خلق کا فنا ہونا ہے۔ چوتھا مرتبہ اصطلاح ہے اور وہ بندے کا اپنی ذات سے وجود ذات حق میں فنا ہے۔ پانچواں مرتبہ انعدام ہے اور یہ بندے کا اپنی فنا سے فنا ہونا ہے پس اسے یہ شعور بھی باقی نہیں رہتا کہ وہ فانی ہو چکا ہے۔ چھٹا مرتبہ سخی ہے یہ نفس عبودیت سے جس کے زوال

کا نام ہے پس وہ صفات الہیہ کو بغیر عمل اور تکلف کے اس طرح قبول کر لیتا ہے جیسا کہ وہ اپنی صفات کو قبول کر لیتا ہے اور یہ تحقق بالشر کے مقامات میں سے پہلا مقام ہے۔

ساتواں مرتبہ محق ہے۔ یہ بندے کی جسمائیت اور روحانیت کی حد اور حصر کے زوال کا نام ہے۔ آٹھواں مرتبہ طمس ہے اور یہ اس کی طبیعت، عادت، ظاہر اور باطن سے تمام لوازمات بشری اٹھ جانے کا نام ہے۔ بس اس میں سخت بھوک، شہہ، باگتے رہنا وغیرہ کوئی تغیر پیدا نہیں کرتے۔

نواں مرتبہ۔ محو ہے۔ یہ تمام آثار طبیعت کے زوال اور ظہور آثار حقیقت کے کمال کا نام ہے۔ پس پہلے پانچ مراتب اہل فنا کے ساتھ اور آخری چار اہل بقا کے ساتھ مخصوص ہیں اور بقا صفت الہیہ ہے جس سے بندہ اس وقت متصف ہوتا ہے جب وہ اپنے نفس سے فنا ہو جاتا ہے۔

حضرت والانی رسالہ "اصول الولاية" میں۔ یا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلة کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ولایت کبریٰ کے فرائض چھ ہیں۔

فرائض ولایت کبریٰ۔ چار فرائض آیت مذکورہ کی ترتیب کے مطابق یہ ہیں۔

اول۔ دل کی تصدیق اور زبان کے اقرار کے ساتھ ایمان لانا۔ دوم۔ لوہی سے اجتناب اور اوامر کے مطابق عمل کر کے تقویٰ حاصل کرنا۔ سوم۔ شیخ طریقت کی طلب کیونکہ وسیلہ سے یہی مراد ہے۔ دوست تک پہنچنے کا راستہ اس سے واضح ہوتا ہے۔ چہارم۔ انانیت کو فنا کرنے اور نبوت کے اثبات کا جہاد ہے اور شہود و دوست کی گرفتاری کے ساتھ بقا کے ذریعہ خود سے آزادی کو دور کرنا کیونکہ فلاح اسی کا نام ہے اور یہی ولایت کبریٰ ہے۔ اسی رسالہ میں انہوں نے لکھا ہے کہ۔

"جب مرید صادق خلوت میں آئے۔ پہلے وہ مکمل طور پر اپنے ملک سے نکل جائے، کمال غسل کرے، جائے نماز اور لباس پاک چاہیے تاکہ پاک ذات کے لائق ہوں خدا کی طرف متوجہ توبہ کی نیت سے دو رکعت نماز ادا کرے اور اپنی نجات خالق اور مخلوق کے حقوق کی ادائیگی میں سمجھے اور تضرع و زاری کے ساتھ خلوت میں بیٹھے۔ جمعہ اور جماعت تکبیر تحریر کے ساتھ ادا کرے سلام کے بعد جلدی سے خلوت میں چلا جائے اور ہمراہ سے بچے داہیں



بائیں نہ دیکھے۔ لوگوں کی نظروں سے بچے۔ اور لذتِ نفس سے دُور بھاگے۔ آدورفت میں غفلت اختیار نہ کرے جو غلوں کی سیڑھی ہو وہ بیکار ہے۔ ذکر و مراقبہ اور طہارت و انکساری سے کام رکھے۔ اگر لال رو نما ہو تو جلدی سے تجدید و وضو کرے۔ اگر نیند غلبہ کرے تو سوچائے تاکہ حدیثِ نفس پیدا نہ ہو اور برائی کے راستہ سے بچ جائے۔ دن اور رات کا تیسرا حصہ آرام کرنے تاکہ جسم میں بے چینی پیدا نہ ہو۔ یعنی چھ ساعت رات اور دو ساعت دن کے وقت آرام کرے۔ روز و شب کے کم و زیادہ ہونے کی نسبت سے دن رات کے مقررہ آرام کے اوقات کو گھٹاتا بڑھاتا رہے اور نلت سے کمی تدریجی حاصل کرے۔ سورج غروب ہونے سے پہلے مکمل طہارت کے ساتھ مصلیٰ پر رو بقبلہ ہو کر ذکر و مراقبہ میں نمازِ مغرب کا انتظار کرے۔ اور مغرب و عشا کے درمیان ذکر نماز اور مسلسل مراقبہ کرے۔ کیونکہ یہ قلب کو منور کرنے میں پورا اثر رکھتا ہے جب صبح طلوع ہو تو یہ چار دعائیں پڑھے تاکہ دنیا میں غرق نہ ہو اور نفس و شیطان کے شر سے امان میں رہے۔

پہلی دعا۔ اللہم یا رب انت الہ عالم وانا عبد جاہل اسئلك ان ترزقنی  
علما نافعاً حتی اعبد بعامک والاهلکت

دوسری دعا۔ یا رب انت الہ غنی وانا عبد فقیر اسئلك ان تحفظنی  
حتی لا اسئل من سواک کفافی الدنیا و الاہلکت

تیسری دعا۔ یا رب انت الہ قوی وانا عبد ضعیف اسئلك ان تعیننی  
حتی اغلب الشیطان بقوتک والاهلکت۔

چھوٹی دعا۔ یا رب انت الہ قادر وانا عبد عاجز اسئلك ان تجعلنی قاہلاً  
علی نفسی حتی اقدرها بقدرتک والاهلکت۔

پس دو رکعت سنت گھر میں ادا کرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا ہے کہ جو شخص صبح  
کی سنتوں اور فیوض کے درمیان اکتالیس بار یا حی یا قیوم یا حنان یا منان یا بدیع  
السموات والارض یا ذوالجلال والاکرام لا الہ الا انت اسئلك ان تمحی قلبی  
بنور معرفتک یا اللہ یا اللہ یا اللہ۔ پڑھے۔ اگر تمام لوگوں کے دل بھی مردہ ہو جائیں۔  
تو اس کا دل نہیں مرے گا اور ایمان سلامت لے جائیگا۔ جب نماز کی نیت سے گھر سے نکلے تو

کہے۔ بسم اللہ وباللہ والی اللہ والتکلیف علی اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ اور جب مسجد کے دروازہ پر پہنچے تو کہے۔ اللہم عبدک ببابک مذنبک ببابک وجہ ائیک عن سواک یتغفرک ویرطلب رضاک ان لم تغفر بآب فضلک فای باب سوی بآبک۔ وایاں پاؤں مسجد میں رکھے اور کہے۔ بسم اللہ والحمد للہ والصلوۃ والسلام علی رسول اللہ۔ اور جب داخل ہو جائے تو کہے اَعُوذ بِاللہ العظیم ویرجئہ الکریم وسلطانہ القدیم من الشیطان الرجید شیطان کے شر سے مامون رہے گا۔ جب مسجد کے اندر داخل ہو تو سلام کہے اور اگر کوئی شخص وہاں موجود نہ ہو یا مشغول بہ نماز ہو تو السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین۔ کہے۔ نماز ادا کرنے کے بعد اپنی جگہ پر قبلہ رو بیٹھ کر پوری کوشش سے ذکر اور مراقبہ میں مشغول ہو۔ کیونکہ اس وقت نیند سخت مکر وہ ہے۔ اگر نیند غلبہ کرے تو ذکر کرتے ہوئے اٹھنے بیٹھنے سے اسے رفع کرے۔ یہاں تک کہ سورج جب ایک دو نیزہ بلند ہو جائے تو دو رکعت نماز شکرانے کی نیت سے ادا کرے۔ اس کے بعد مسجد یا خلوت میں جس جگہ جمعیت خاطر حاصل ہو۔ دن کے چوتھائی حصہ تک ذکر و مراقبہ میں مشغول ہو۔ پھر چار رکعت نماز چاشت ادا کرے۔ اگر تعلیم و تعلم یا کوئی اور ضروری کام ہو۔ حاجت کے مطابق اپنے کام میں مصروف ہو۔ ورنہ پھر سے تازہ وضو کر کے ذکر و مراقبہ میں بیٹھے۔ اگر کھانے کی کوئی چیز موجود ہو تو کھالے اور کھانے کے ذریعہ زبان سے ذکر اور دل سے حاضر ہو۔ پھر تازہ وضو کر کے ذکر کرتے ہوئے قیلولہ کرے اور سورج ڈھلنے سے پہلے بیداری کو غنیمت جانے۔ تاکہ زوال کے وقت طہارت کاملہ کے ساتھ مصلی پر قبلہ رو ہو کر ذکر و مراقبہ میں مشغول ہو چکا ہو۔ جب سورج پھر جائے چار رکعت نماز زوال ادا کرے۔ نماز طہر کی ادائیگی کے بعد اگر کوئی ضروری کام زیارت عیادت بچوں کو پڑھانا اور ان کے حالات کی دریافت ہو تو بقدر ضرورت ان میں مشغول ہو اور جلد ان کے پاس سے اٹھ جائے اور استغفار کرے۔ حسنات الابرار سیئات المقربین۔ اس کے بعد طہارت کی تکمیل کر کے عصر کی نماز کی تیاری کرے۔ اور عصر اور مغرب کے درمیان وقت میں ذکر و مراقبہ میں مصروف رہے۔

عمر عرف است و آفتاب تموز اندکے ماندہ خواجہ غمرہ ہمنوز  
دل گفت مرا علم لدنی ہو سس است تعلیم کن و گرت بدیں دست رس است  
گفتم کہ الف گفت دگر بیچ مگو در خانہ اگر کسے است یک حرف بس است

## حضرت شیخ ابوالرضا قدس سرہ کا عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف سفر

شیخ محمد ظفر متکی کا بیان ہے کہ حضرت شیخ ابتدائی زمانہ میں اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہماری عمر پچاس اور ساٹھ سال کے درمیان ہوگی جب آپ کی عمر پچاس برس سے گزر گئی تو میرے دل میں ہمیشہ یہ خطرہ رہتا جب آپ پچپن برس کی عمر کو پہنچے تو میرے لئے کسی کام کے لئے رہتک جانا ضروری ہو گیا۔ رخصت ہونے وقت میں نے اس کے متعلق آپ سے دریافت کیا آپ نے مسکراتے ہوئے اس بات کے اظہار سے پہلوہی کی اور فرمایا تمہیں وطن ضرور جانا چاہیے۔ اس خطرہ کو دل سے نکال دو حضرت شیخ کے یہ آخری کلمات تھے جو میں نے سنے گلشن شاعر کو یہ کہتے ہوئے میں نے سنا کہ حضرت شیخ کی زندگی کے آخری دنوں میں شیخ عبدالاحد ایک روز آپ کی زیارت کے لئے آئے اور میں بھی شیخ کے ہمراہ تھا جب شیخ ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ خلاف عادت پلنگ پر نشتر لایا ہے اور تمام اجاب نیچے بیٹھے ہوئے ہیں جب انہوں نے شیخ کو دیکھا تو تبسم فرمایا اور خندہ پیشانی سے ملے اور اسی پلنگ پر انہیں بٹھایا۔ کچھ دیر یہ مجلس رہی لیکن زبان سے گفتگو نہیں ہوتی معلوم ہوتا تھا کہ گویا آپ کا دل تمام تعلقات سے منقطع ہو گیا ہے اور فرطِ رسیدگی سے بات نہیں کر سکتے تھے پھر آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور چونکہ آپ کے اہل خانہ شیخ عبدالاحد سے قرابت رکھتے تھے شیخ کو اپنے ساتھ گھر لے گئے اور اسی طریق پر ظاہر گفتگو کے بغیر مجلس رہی پھر ٹوفن نے مغرب کی اذان کہی شیخ فخر العالم آپ کے بڑے صاحبزادے نے عرض کیا کہ اذان ہو گئی ہے۔ باہر جانا چاہیے حضرت والا نے یہ نکتہ ارشاد فرمایا۔ بابا! ابھی تک اندر باہر کا فرق رہ گیا ہے پھر باہر آئے اور مسجد میں نماز ادا کی شیخ عبدالاحد نے اختتام مجلس کے بعد فرمایا کہ گویا آپ اس طرح بیٹھنے پر مامور تھے اور گویا ان کی موت کا وقت نزدیک آ گیا ہے اور رفیقِ اعلیٰ کی طلب

ان پر غالب آگئی۔ اس واقعہ کو گزرتے زیادہ دن نہیں ہوئے تھے۔ آپ نے انتقال فرمایا۔ اجاب کی ایک جماعت بیان کرتی ہے کہ حضرت والا کو کچھ کسل تھا۔ اس دوران میں آپ نے دو تین روز طعام کی رغبت نہیں فرمائی اور آپ کے دل میں بہت بے تعلقی پیدا ہو گئی۔ کسی چیز کی طرف توجہ نہیں فرماتے تھے۔ اس کے بعد جب عصر کا وقت آیا تو نماز ادا کر لی۔ مقامات خواجہ نقش بند طلب فرمائی اور اس میں سے کچھ پڑھا۔ اسی دوران میں معتقدین میں سے ایک شخص نے پان پش کیا۔ اس میں سے آپ نے ایک دو کڑے تناول فرمائے اور خنداں نشا دل اس تکیہ پر جو پہلو میں پڑا ہوا تھا کا سہارا لیا۔ اسی وقت ان کی روح قفسِ عنصری سے پراز کر گئی۔ اس وقت آپ نے اپنے دست مبارک سے شیخ عبدالرحیم قدس سرہ کی طرف اشارہ کیا۔ بعض اجاب ان کی تلاش میں اٹھے اور بعض نے آپ کو اس خیال سے کہ بے ہوش ہو گئے ہیں۔ اٹھایا اور گھر کے دروازہ پر لائے۔ اسی حالت میں شیخ عبدالرحیم پہنچ گئے۔ انہوں نے تحقیق کی۔ دیکھا کہ روح پرواز کر چکی ہے۔ یہ شترہ محرم الحرام سنہ ۱۰۰۰ کا واقعہ ہے۔ بعض اجاب نے آفتاب حقیقت سے تاریخ نکالی ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاه و جعل علی الفردوس مشواہ۔ یہاں پر محدومنا و سیدنا شیخ ابوالرضا محمد کے متبرک حالات جن کے جمیع د تالیف کا میں نے ارادہ کیا تھا۔ ختم ہوئے۔

## حضرت شاہ ولی اللہ کے رشتہ داروں اور اساتذہ کے حالات

یہ پانچ فصلوں پر مشتمل ہے۔

الحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات وعلى فضله المعول في جميع الحالات وبسبح الله الرحمن الرحيم. وصلى الله على سيدنا محمد وآله وصحبه أجمعين. أما بعد فقير ولي الله بن شيخ عبدالرحيم كان الله تعالى لهما في الآخرة والأولى. کہتا ہے کہ یہ چند اوراق اس فقیر کے بعض اجداد کے حالات کے بیان میں ہیں اور اس کا نام "الامداد فی آثار الاجداد" رکھا گیا ہے۔

حسبنا الله ونعم الوكيل. جانتا چاہیے کہ اس فقیر کا سلسلہ نسب امیر المومنین

عمر بن الخطاب کے ساتھ اس طرح پہنچتا ہے۔ فقیر ولی اللہ بن شیخ عبدالرحیم بن اشہید  
بن معظم بن منصور بن احمد بن محمود بن قوام الدین عرف قاضی قارن بن قاضی قاسم بن قاضی  
کبیر عرف قاضی بدہ بن عبد الملک بن قطب الدین بن کمال الدین بن شمس الدین مفتی بن شیر  
ملک بن محمد عطا ملک بن ابوالفتح ملک بن عمر حاکم ملک بن عادل ملک بن فاروق بن جزیس  
بن احمد بن محمد شہر بابر بن عثمان بن ہامان بن ہمایوں بن قریش بن سلیمان بن عفان بن عبد اللہ  
بن عمر الخطاب رضی اللہ عنہم اجمعین۔

پرانے نسب ناموں میں جو کہ ریت تک اور شاہ ارزانی بدالیونی کے خاندان میں موجود ہیں۔  
جن کا نسب سالہ حسام الدین بن شیر ملک سے ملتا ہے۔ ان میں ایسا ہی پایا جاتا ہے اور  
ملک پرانے زمانے میں تعظیم کا لفظ تھا جیسا کہ ہمارے زمانہ میں خان ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔  
دانش ہو کہ ہمارے خاندان میں سب سے پہلے جس نے ریت تک میں رہائش اختیار کی  
شیخ شمس الدین مفتی ہیں۔ اور یہ ریت تک ہانسی اور دہلی کے درمیان ایک شہر ہے جو تیس کوں  
دہلی سے قبلہ کی طرف واقع ہے شروع میں جب ہندوستان فتح ہوا اور سادات اور بہت زیادہ  
قریش نے وہاں اقامت اختیار کر لی۔ تو اس طرف کوئی شہر اس سے زیادہ آباد اور پر رونق  
نہیں تھا۔ مگر زمانہ کے گزرنے کے ساتھ وہ رونق اور آبادی جاتی رہی اور یہ شخص عالم اور  
عابد آدمی تھا اور سب سے پہلے قریش سے جو شخص اس شہر میں آیا اور شعائر اسلام کا ظہور  
اور طغیان کفر و ہوا وہی تھا۔ ان کے عجیب و غریب حالات میں سے ایک یہ تھی کہ اللہ اعلم۔  
انہوں نے وصیت کی کہ نماز جنازہ ادا کرنے کے بعد اس کے جنازہ کو اس مسجد میں جو ان کی عبادت  
گاہ اور اعتکاف گاہ تھی میں رکھیں۔ تھوڑی دیر اسے خالی رکھیں اس کے بعد اگر وہاں جنازہ  
موجود ہو تو دفن کریں ورنہ واپس آجائیں۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ ایک ساعت کے بعد جب  
تلاش کیا تو جنازہ کا کوئی نشان دکھائی نہ دیا حضرت والد بزرگوار اقدس سرہ جب اس حکایت  
کو بیان کرتے تھے تو اس کی تائید فرماتے تھے۔ اس وجہ سے اس زمانہ کے سلسلہ چشتیہ کے شاخ  
کے حالات کی کتابوں میں میں نے یہ واقعہ دیکھا ہے۔ اگرچہ وہاں اس بزرگ کا نام نہیں لکھا  
بعض قرائن سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں مسلمانوں میں سے ہر ذی وقار شخص جو

اس قسم کے قصبات میں قیام کرتا تھا۔ شہر کی سیاست از قسم قضااً احتساب اور افتاد وغیرہ اس کے سپرد ہوتی تھی۔ ان مناصب کے بغیر بھی اسے قاضی اور محتسب کے نام سے پکارتے تھے  
واللہ اعلم۔

اس بزرگ کی زندگی ختم ہونے کے بعد اس کا سب سے بڑا بیٹا کمال الدین مفتی ان امور میں اپنے والد کا جانشین ہوا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے قطب الدین اور اس کے بعد اس کے بیٹے عبدالملک نے اسی طریق زندگی بسر کی۔ ان بزرگوں کے بعد ان شہروں میں باقاعدہ طور پر قضا کے تقرر کا دستور ہو گیا۔ قاضی بدیع بن عبدالملک نے اپنی موروثی ریاست کی حفاظت کے لئے منصب قضا اختیار کیا۔ اپنے بعد اس نے دو بیٹے چھوڑے۔ ایک قاضی قاسم جو باپ کی وفات کے بعد اس کا جانشین ہوا اور دوسرا منکن۔ اس کے بعد ایک بیٹا اس کی یادگار رہا۔ قاضی قاسم کے دو بیٹے تھے۔ ایک قاضی قارن جو کہ اپنے باپ کا جانشین اور شہر کا رئیس بن گیا۔ اس کا نام عبدالقادر یا قوام الدین ہے۔ ہندوؤں کی زبان پر اس کی تحریف ہوئی اور اللہ علم دوسرا کمال الدین تھا جس کا ایک بیٹا نظام الدین نامی تھا۔

قاضی قارن کے دو بیٹے تھے شیخ محمود و شیخ آدم جو بہاتی خاں کے عرف میں مشہور تھے۔ اس کی نسل باقی ہے شیخ محمود جو اپنے خاندان میں بزرگ تھے۔ اس نے کسی سبب سے قضا قبول نہیں کیا۔ بادشاہی نوکری کر لی۔ اس دوران اس نے زمانہ کا بہت تجربہ کیا۔ اس کا ظاہری حال رہتک کے صدیقیوں کی طرح تھا۔

اس کی شادی سونی پت کے بعد گھرانے کی ایک لڑکی آفریدہ سے ہوئی جس سے شیخ احمد پیدا ہوا۔ شیخ احمد بچپن میں ہی رہتک سے پالایا تھا۔ شیخ عوبد الغنی بن شیخ عبدالحکیم کے ساتھ پرورش پائی۔ موصوف نے اس کی شادی اپنی لڑکی سے کر دی اور ایک مدت تک اس کی تربیت کرتے رہے۔ اس کے بعد رہتک میں دوبارہ آکر قلعہ کے باہر عمارت تعمیر کی اور اپنے سرزروں اور خدام کے ساتھ وہاں قیام کیا۔ شیخ احمد کی نسل اس کے فرزندوں میں سے اس کے دو بیٹوں کی اولاد میں منحصر رہی ایک شیخ مقصود جو بہادری جملہ وغیرہ صفات ریاست سے متصف تھا۔ اس نے پہلے شیخ عبداللہ بن شیخ عبدالغنی مذکور کی ایک بیٹی

سے شادی کی جو اس کا مومن تھا۔ اس سے شیخ معظم اور شیخ اعظم پیدا ہوئے۔ اس کی وفات کے بعد دوسری شادی کی جس سے شیخ عبدالغفور اور اسماعیل پیدا ہوئے۔ دوسرا شیخ حسین تھا جو خوشحال اور فارغ البال تھا۔ اس کے دو بیٹے تھے۔ محمد سلطان اور محمد مراد۔ حضرت الدبزرگوار نے محمد مراد کو دیکھا تھا اور اس کی قوت گرفت کے عجیب و غریب واقعات مشاہد کئے ان میں سے ایک یہ ہے کہ اسی سال کی عمر میں دینار کو انگوٹھے اور شہادت کی انگلی میں لے کر رگڑتے اور اسے دوہرا کرتے حضرت والد ماجد شاہ عبدالرحیم کو بچپن میں جب وہ دیکھتے تو کہتے کہ اس بچے کے دیکھنے سے محمد پر عیب اور ہیبت طاری ہو جاتی ہے جیسا کہ اس کے دادا معظم کو دیکھنے سے ہیبت طاری ہوتی تھا اس تحریر کا مقصد یہ ہے کہ اسے مطالعہ کرنے والا نہ کہے اس حصہ پر مطلع ہو جائے جو صلہ رحمی میں ضروری ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا ہے۔

تعلّموا من انسابکم ما تصلون بہ ارحامکم فان صلة الرحم محبة فی الہل مثراتہ فی المال منشاء فی الاثر۔ (رواہ الترمذی) اپنے نسب کا علم حاصل کرو تاکہ اس کے ذریعہ صلہ رحمی کر سکو کیونکہ صلہ رحمی خاندان میں محبت کا باعث ہے۔ دولت اور شہرت اس سے بڑھتی ہے،

اس فقیر شاہ ولی اللہ نے شیخ عبدالغنی مذکور کی بعض اولاد سے سنا ہے کہ وہ عالم متقی اور پرہیزگار تھے۔ اور جلال الدین ابراہان کی تعظیم و توقیر کرتا تھا جب بادشاہ نے الحاد اور بے دینی اختیار کر لی تو وہ دوستی کا رشتہ ٹوٹ گیا۔ بلکہ ایک دوسرے سے شدید نفرت پیدا ہو گئی ایک مدت کے بعد بادشاہ کو چوڑی مہم پیش آگئی۔ اس طرف مسلسل فوج بھیجتا تھا لیکن فتح نہیں ہوتی تھی۔ اسی اثنا میں ایک رات امام ناصر الدین شہید ابن امام محمد باقر رضی اللہ عنہما کے مزار کے بعض معتکفین نے عالم بیداری میں دیکھا کہ ایک رئیس مسلح جماعت کے ساتھ آئے ان کے ساتھ ایک مشعل تھی وہ روضہ امام میں داخل ہو گئے۔ دیکھنے والے نے سمجھا کہ مسافر ہیں جو زیارت کے ارادہ سے آئے ہیں۔ اس نے آگے بڑھ کر دیکھا کہ وہ بزرگ قبر میں داخل ہو گیا ہے اور اس جماعت میں سے ہر شخص ایک ایک قبر میں داخل ہو گیا۔ اس نے ان میں سے بعض سے سوال کیا کہ یہ سردار کون ہے اور یہ جماعت کیسی ہے۔ اس نے کہا یہ شہداء کی ایک جماعت

کے ساتھ امام ذناصر الدین ہیں۔ اس نے پھر سوال کیا کہ یہ لوگ کہاں گئے تھے اور کیا کام کیا۔ اس نے کہا چتوڑ فتح کرنے کے لئے گئے تھے اور اسے فلاں وقت فلاں برج کی طرف سے فتح کر لیا۔ شیخ عبدالغنی کو جب اس عجیب واقعہ کی اطلاع ملی۔ فتح کی خوش خبری اور صورت واقعہ لوہے کا پورا بادشاہ کی خدمت میں پہنچا دیا۔ کچھ دنوں بعد فتح چتوڑ کی خبر سی کے مطابق موصول ہوئی جس میں سرسور فرق نہیں تھا۔ بادشاہ نے بارہ گائل حضرت امام ذناصر الدین کے مزار کے لئے وقف کر کے شیخ عبدالغنی کے سپرد کر دیئے۔

خواجہ محمد حاتم کشمی نے شیخ مجدد حضرت شیخ احمد سرمنہدی قدس سرہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میرے والد گرامی شیخ عبدالاحد، ایک مدت تک شیخ عبدالغنی کی ملاقات کے متلاشی رہے کیونکہ شہر سون پتہ کے بہت ہی عمر رسیدہ بزرگ سے ایک راز ان تک پہنچا تھا اور وہ راز یہ تھا جو کہ اس نے بتایا میرے پیر مرشد جو کہ میرے جد مادری تھے اپنے انتقال کے وقت ایک شوریدہ کار درویش کے ساتھ اپنے پاس بلایا تاکہ نسبت اور فیوض باطنی عطا فرمائیں جب میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے حقیقت کا ایک راز ہمیں بتایا جسے سنتے ہی وہ درویش جان سے ہاتھ دھو بیٹھا اور میں اسی طرح حیران و سرسیمہ رہ گیا حضرت والد بزرگوار اس راز کو سننے کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا بہت شوق رکھتے تھے۔ اچانک شیخ مذکور کسی بہم کے سلسلہ میں سرمنہدی سے گز سے جب سرمنہدی پہنچے تو کاروان سرا میں قیام کیا ہمارے والد بھی وہاں پہنچے معالغہ اور رسمی مزاج پرسی کے بعد خلوت کی درخواست کی اور التماس کی کہ اس سربستہ راز کو ظاہر فرمائیں شیخ نے اسے بیان کیا جب میرے والد شیخ کے پاس سباز نیکے توشیح مجمل الدین جو صاحب دل فاضل اور سہمائے نلذ میں سے تھے۔ ان سے پوچھا کہ کیا آپ نے ان سے وہ راز پوچھا۔ فرمایا ہاں۔ میں نے ان سے پوچھا وہ یہی مسئلہ تھا جس پر ہم ہیں اور ہمارے مشرب کی جان ہے۔ یعنی جو کچھ دکھائی دیتا ہے۔ حقیقتی ہے جو کثرت کے عنوان سے ظاہر ہوا ہے۔ مگر چونکہ وہ درویش سادہ لوح تھا۔ یہ راز اچانک اسے معلوم ہوا تو وہ اسے برداشت نہ کر سکا اور ہلاک ہو گیا۔ اور شیخ عبدالغنی چونکہ عالم تھے اور صاحب تکلیف اور اس راز سے واقف تھے تو وہ برقرار رہے۔



حالات شیخ معظم - شیخ معظم بہت بڑے بہادر تھے۔ اس سلسلہ میں ان کے عجیب واقعات حد و شمار سے باہر ہیں۔ حضرت والد بزرگوار فرماتے تھے کہ شیخ منصور کو ایک راجہ سے جنگ کرنے کا اتفاق ہوا۔ مینہ لشکر شیخ معظم کے سپرد ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر بارہ سال تھی زبردست جنگ ہوئی اور دونوں طرف سے بہت لوگ قتل ہوئے۔ اسی اثناء میں شیخ معظم سے کسی نے کہا کہ شیخ منصور شہید ہو گئے اور ان کا تمام لشکر شکست کھا گیا۔ اس سے ان کی رگ حمیت پھٹ کر پھٹ کر انہوں نے کفار کے سردار کا رخ کیا۔ اس اثناء میں جو بھی ان کے سامنے آیا قتل یا زخمی کر کے بیکار کر دیا۔ بڑی سعی و کاوش کے بعد راجہ کے ہاتھی کے پاس پہنچ گئے۔ وہاں ایک کافر سردار نے مقابلہ کیا اسے تلوار کے ایک ہی وار سے دو کرے کر دیا۔ اور اسے گھوڑے کے نیچے ڈال دیا۔ لوگوں نے اس پر هجوم کر لیا اس راجہ نے تمام لوگوں کو منع کیا اور ڈانٹا اور کہا جو شخص اتنی کم عمری میں اس طرح کی جرات اور بہادری کرتا ہے۔ عجائبات زمانہ سے ہے۔ اس کے بعد اس نے شیخ معظم کے دونوں ہاتھ چومے اور بہت عزت سے پیش آیا اور اس غصہ کا سبب پوچھا انہوں نے کہا مجھے خبر ملی ہے کہ میرے والد شہید ہو گئے ہیں میں نے حکم کرنے کا ارادہ کیا اور اس وقت تک پیچھے نہیں ہٹوں گا جب تک کفار کے رئیس کو قتل نہیں کرونگا۔ یا خود قتل نہیں ہو جاؤنگا۔ راجہ نے کہا اس شخص نے جھوٹ کہا تمہارے والد زندہ ہیں اور ان کا بھندہ افلاں جگہ دکھائی دے رہا ہے۔ پھر شیخ منصور کے پاس راجہ نے آدمی بھیجا کہ ہم اس بچے کی وجہ سے صلح کرتے ہیں اور شیخ منصور کے تمام مطالبات تسلیم کر لیتے اور واپس چلا گیا۔

نیز حضرت والد بزرگوار نے موضع شکوہ پور جو کہ شیخ معظم کا تعلق تھا کے ایک بوڑھے زمیندار سے سنا کہ ایک مرتبہ تقریباً تیس ڈاکوؤں نے اس بستی کے مویشی لوٹ لئے۔ اس وقت شیخ معظم بھی اس بستی میں موجود تھے۔ ان کی اولاد بھائیوں اور چچے بھائیوں میں سے اس وقت کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ انہیں اس حادثہ کی لوگوں نے اطلاع دی۔ اس وقت دسترخوان بچے چکا تھا اور کھانا رکھا جا چکا تھا۔ ان سے کسی عجلت اور بے چینی کا مظاہرہ نہیں ہوا حسب معمول کھانے سے فارغ ہوئے ہاتھ دھوئے۔ پھر فرمایا کہ میرے ہتھیار لاؤ اور گھوڑا تیار کرو۔

جب سوار ہو گئے تو کسانوں کی ایک سب سے جماعت ہمراہی کیلئے نکلی۔ انہوں نے تمام لوگوں کو واپس کر دیا۔ اور فرمایا ہم اتہانی تیزی سے جائیں گے تو تم میرے گھوڑے کی رفتار کا ساتھ

نہیں لے سکو گے صرف راوی قصہ کو ساتھ لے لیا جو گھوٹے کے ساتھ بھاگ سکتا تھا تاکہ قوم کو اس واروگیر سے جو ان کے اور ڈاکوؤں کے درمیان ہو خبر دے سکے۔ وہ دوڑے چلے جا رہے تھے یہاں تک کہ وہ ڈاکوؤں کے پاس پہنچ گئے اس وقت وہ اپنے گھڑوں میں داخل ہو رہے تھے۔ غیرت انگیز کلمات سے اس جماعت کو میدان میں لائے پھر انہوں نے ایک تیر سے دو آدمیوں کو گرانا شروع کر دیا جب دو تین تیر ایسے انہوں نے مشاہدہ کئے تو زبردست رعب اس جماعت کے دلوں پر طاری ہو گیا اور زندگی سے مایوس ہو کر انہوں نے فریاد کی کہ ہم تو بہ کرتے ہیں ہمیں معاف کیجئے۔ شیخ معظم نے کہا تمہاری توبہ یہ ہے کہ اپنے ہتھیار ڈال دو۔ ایک ہر ایک دوسرے کے ہاتھ باندھ دے سواری ہتھیار اور گھوٹے سیکر اسی ہستی میں پہنچو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور اپنے دین و مذہب کے مطابق انہوں نے راکہ قسیم کھائیں کہ وہ دوبارہ اس قصبہ کا رخ نہیں کریں گے اور شیخ معظم کی رائے کی خلاف ورزی نہیں کریں گے۔

شیخ معظم کے سید نور الجبار سون پتی جو کہ ایک عالی نسب سید تھے اور ان کے ابا و اجداد علم و فضل سے آراستہ تھے کی بیٹی سے تین لڑکے پیدا ہوئے۔ شیخ جمال شیخ فیروز اور شیخ وجیہ الدین شیخ وجیہ الدین۔ شیخ وجیہ کمال تقویٰ اور شجاعت سے موسوف تھے۔ حضرت والد قدس سرہ فرماتے تھے کہ میرے والد ماجد کا وظیفہ تھا کہ شب و روز میں دو پائے تلاوت کرتے تھے خوشی غمی سفر اور حضر کسی وقت بھی اسے ترک نہیں کرتے تھے جب بوڑھے ہو گئے تو بینائی کمزور ہو گئی تو جلی حروف کا قرآن مجید اپنے ساتھ رکھتے تھے سفر میں وہ کبھی بھی ان سے جدا نہیں ہوا۔ یہ بھی فرماتے تھے کہ وہ اپنا گھوڑا کسی کی زراعت میں نہیں لے جاتے تھے اگرچہ تمام اشکر اس زراعت میں چلا جاتا بعض اوقات انہیں متعارف راستہ سے ہٹ کر چلنا پڑتا۔ یہ بھی فرمایا کہ ایک رطانی میں ان کا وہ اونٹ گم ہو گیا جس پر سامان تھا کھانے پینے کا سامان مہیا نہ ہو سکا تھی گاؤں کے مویشی زبردستی پکڑتے اور کھاتے تھے لیکن وہ ان چیزوں سے پرہیز کرتے تھے جب دو تین فاقے ہو گئے اور قوت ختم ہونے لگی تو رازق حقیقی کی رزاقیت نے اس طرح ظہور فرمایا کہ اتفاقاً جیسا کہ فکر مندی کے ساتھ ہوتا ہے۔ زمین کو چابک سے کریدوہاں سے ان کی خوراک کے مطابق چنے بل گئے چونکہ گری پڑی چیز سے مالک بے نیاز ہوتا ہے۔ اسے انہوں نے دھو کر پاک کیا اور بھگو کر تناول فرمایا۔ فرمایا کہ میرے والد ماجد اپنے خدام ملازمین اور گھسیاروں وغیرہ سے

ایسی نرمی اور انصاف برتتے تھے جو زمانہ کے متقی لوگوں سے بھی کم دیکھنے میں آتا ہے۔  
 نیز فرماتے تھے کہ میرے والد صاحب نے ایک سفر میں ایک شخص میں ولایت کے بعد شواہد  
 مشاہدہ کئے اور اس سے بیعت کر لی اور صوفیہ کے اشغال میں مشغول ہوئے اور کم گوئی اور لوگوں  
 کی مجلس سے یکسوئی اختیار کی اور یہ چیز انہوں نے اس طرح ادا کی کہ اس زمانہ کے صوفیاء میں نظر  
 نہیں آتی۔ کاتب حروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ شیخ مظفر متکی میرے والد اور شیخ ابوالرضا  
 محمد کے ساتھ ان کے والد شیخ وجیہ الدین کے تعلق کو بیان کرتے تھے۔ بعید نہیں کہ دونوں چشمہ حائے  
 شیریں سے شرفیاب اور ہر دو منبع زلال سے فیض حاصل کیا ہو۔

حضرت والد ماجد ان کی بہادری کی بہت سی حکایات بیان کرتے تھے۔ میں ان میں سے  
 چند اس کتاب میں درج کرتا ہوں۔ ان میں سے ایک یہ ہے۔

والد صاحب نے فرمایا کہ میری عمر چار سال کی تھی کہ میرے والد بزرگوار شیخ وجیہ الدین  
 سید حسین کے ساتھ جو اپنے زمانہ کا مشہور بہادر تھا، مالوہ کے علاقہ میں دہاؤنی کے قصبہ کی طرف روانہ  
 ہوئے۔ اور مجھے اپنے ساتھ لے لیا۔ وہاں شجاعت و بہادری سے موصوف ایک کافر نے فساد برپا کر  
 رکھا تھا بڑی کوشش کے بعد وہ سید حسین کی ملاقات کے لئے آیا۔ دربانوں نے اسے اسلحہ کے بغیر  
 مجلس میں لے جانا چاہا لیکن وہ اس بات پر راضی نہ ہوا۔ اس سلسلہ میں جب گفتگو بہت طویل ہو  
 گئی تو اس نے سید حسین کو کہلا بھیجا کہ تم سپاہی اور کثیر جماعت ہو تمہیں اس بات سے شرم نہیں  
 آتی کہ ایک کلمی کو ہتھیار سمیت اپنی مجلس میں حاضر ہونے کی اجازت نہیں دیتے۔ سید حسین نے  
 اس بات سے متاثر ہو کر حکم دیا کہ کوئی شخص اس کے اسلحہ سے متعرض نہ ہو۔ فرماتے تھے کہ اس کا بٹاش  
 چہرہ آج بھی میرے تصور میں موجود ہے۔ وہ پان چبائے ہوئے آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا چلتا تھا گویا  
 کہ وہ کسی خوشی کی مجلس میں آ رہا ہے۔ میرے والد صاحب نے جب اسے دیکھا تو فرمایا کہ یہ شخص اس  
 مجلس میں ضرور ہاتھ اٹھائے گا۔ انہوں نے فی النور خد متسکار کو بلا لیا اور میری طرف اشارہ کر کے  
 کہا کہ اسے ادھی جگہ پر کھڑا کر دو تاکہ اس پکڑ دھکڑ میں اسے نقصان نہ پہنچے جب نزدیک  
 پہنچا اور سلامی کی جگہ سے آگے بڑھا تو دربان نے کہا کہ اسی جگہ سلام کرو اور آگے مت بڑھو۔  
 اس نے دربان کی بات کی طرف توجہ نہ دی اور کہا کہ میں سید صاحب کے پاؤں کو بوسہ دینا چاہتا

ہوں تاکہ میرے گناہوں کا کفارہ ہو جائے جب اور زیادہ نزدیک پہنچ گیا تو اس نے سید حسین پر تلوار کا وار کیا۔ سید حسین بڑی پھرتی سے ایک طرف ہو گیا۔ تلوار تکیہ پر گری اور اسے کاٹ دیا۔ اس نے دوبارہ تلوار اٹھا کر وار کرنے کا ارادہ کیا۔ میرے والد انتہائی تیزی سے اس کے پاس پہنچے اور خنجر کی ایک ضرب سے اسے جہنم رسید کر دیا۔

اسی سلسلہ کا ایک واقعہ یہ ہے کہ فرماتے تھے کہ اسی علاقہ میں سید حسین کے ساتھ ایک جنگ میں وہ حاضر ہوئے جب موافق و مخالف دونوں طرف سے صفیں درست ہو گئیں تو رئیس کفار تلوار حائل کئے گھوڑے پر سوار سامنے آیا اور بلند آواز سے پکارا کہ میں فلاں ہوں اور اس معرکہ میں تنہا کھڑا ہوں۔ اگر تم قتل کرنا چاہو تو کر سکتے ہو۔ مگر بہادری کی شرط یہ ہے کہ سید حسین اکیلے میرے مقابلہ کے لئے نکلیں۔ سید صاحب کی رگ ہاشمی پھڑکی۔ اپنے گھوڑے کو صف سے نکال کر اس کے مقابلہ میں مصروف ہوئے۔ اس کافر نے عجیب چابکدستی کی اور تیزی سے تلوار کا وار کیا۔ سید حسین نے اسے اپنی ڈھال پر لیا۔ تلوار ڈھال کی ایک تہ کو کاٹ کر دوسری میں پھنس گئی۔ جب کافر نے اپنی پوری قوت سے تلوار کو اپنی طرف کھینچا تو سید صاحب گھوڑے سے نیچے گر پڑے کافر کو دوا اور سید حسین کے سینہ پر بیٹھ گیا اور اسے ذبح کرنے کی فکر کرنے لگا۔ میرے والد صاحب اسی وقت وہاں پہنچے اور تلوار کے ایک ہی وار سے اس کا رشتہ حیات منقطع کر دیا۔ جب وہاں سے اٹھے اور ایک اتنی اپنی جگہ پر پہنچ گیا۔ تو ایک دوسرا سوار پہلے سوار کا ہم شکل سامنے آیا اور بلند آواز سے پکارا کہ میں مقتول کا فلاں بھائی ہوں۔ تنہا تمہارے سامنے کھڑا ہوں جو چاہے مجھے قتل کرے۔ لیکن بہادری کی شرط یہ ہے کہ میرے بھائی کا قاتل میرا مقابلہ کرے میرے والد اس کی طرف متوجہ ہوئے اور تھوڑی دیر مقابلہ کے بعد اسے جہنم رسید کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک تیسرا سوار آیا جو اسی شکل و صورت کا ظاہر تھا اور اسی طرح مبارز طلب کیا۔ میرے والد پھر جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔ اس کافر نے ان کے دونوں بازوؤں کو پکڑ لیا اور انہیں زمین پر گرانا یا اپنے گھوڑے پر کھینچ لینا چاہتا تھا۔ وہ مزاحمت کرتے تھے۔ آخر کار انہوں نے دیکھا کہ کافر زیادہ طاقتور ہے۔ فریب کے طور پر کہا۔ اے فلاں! اسے پیچھے سے قتل کر دے۔ حالانکہ وہاں کوئی شخص نہیں تھا۔ کافر نے پیچھے کی طرف دیکھا۔ اس اثنا میں اس کے بازوؤں کی طاقت کچھ کم ہوئی۔

خود کو اس کے ہاتھ سے چھڑا کر خنجر سے اس کا کام تمام کر دیا۔ اس مبارزت کے بعد کفار کا لشکر شکست کھا گیا اور اسلامی لشکر مظفر و منصور اپنی پھاوٹی میں واپس آ گیا۔ تین روز کے بعد ایک بوڑھی عورت ان کا نام پوچھتے پوچھتے ان کے خیمہ میں آئی اور کہا کہ میں تین مقتولین کی والدہ ہوں میں سمجھتی ہوں کہ دنیا میں میرے بیٹوں سے زیادہ کوئی شخص بہادر اور طاقتور نہیں ہے لیکن خدا کی رحمت تجھ پر ہو کہ تو ان سب سے زیادہ بہادر اور قوی ہے۔ اس لئے ان کی بجاٹے تجھے اپنا بیٹا بناتی ہوں میری آرزو ہے کہ تو مجھے اپنی ماں کہہ کر پکالے اور میری بستی میں کچھ دن رہو تاکہ میں تجھے جی بھر کر دیکھ لوں۔ اور اپنے مقتولین کے غم سے مجھ کو سکون ملے۔ انہوں نے اپنے خادم سے کہا کہ میرے گھوڑے پر زین کس دو۔ آپ کے رشتہ داروں میں سے آپ کے بھائی مانع ہوئے اور کہا کہ آپ جیسا عاقل مرد ایسی حرکت کرتا ہے۔ انہوں نے اس جماعت کے منع کرنے کی کوئی پروا نہ کی۔ انہوں نے سید حسین سے اظہار کیا۔ سید حسین بڑی تیزی سے ان کے خیمہ میں آیا اور انہیں موکدہ قسیم دے کر اس طرف جانے سے روکا۔ جب انہیں کوئی چارہ کار دکھائی نہ دیا تو اس بڑھیا کو بلوا کر کہا، اماں! میرے ساتھی مجھے تھلے ساتھ نہیں بلانے دیتے لیکن چند روز کے بعد جب ان کے ساتھی غافل ہو گئے تو اس بڑھیا کے گھر گئے۔ وہ بڑھیا اس قدر محبت، اخلاص اور تعظیم سے پیش آئی کہ حقیقی والدہ اور اس میں کوئی فرق نہ رہا۔ حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ میں کئی مرتبہ اس کے گھر گیا ہوں اسے دادی کہتا تھا اور وہ شفقت میں کوئی کوتاہی نہیں کرتی تھی بلکہ میں نے اپنی دادی کو نہیں دیکھا تھا۔ بچپن میں مجھے معلوم نہیں تھا کہ اس کے علاوہ میری کوئی اور دادی بھی تھی۔

ان واقعات میں سے ایک یہ تھا کہ فرماتے تھے کہ عالمگیر بادشاہ تھا اس کے بھائی شاہ شجاع نے بنگالہ کی طرف رخ کیا۔ عالمگیر اس کی جنگ کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ بھی عالمگیر کے لشکر میں تھے زبردست جنگ ہوئی۔ دونوں لشکر تھک گئے آخر کار دو تین ماہ تھی مست شجاع کی طرف عالمگیر کے لشکر پر سہ ماہ آدر ہوٹے بہر ما تھی کے پیچھے زرہ پوشوں کا ایک دستہ تھا جب یہ صورت پذیر ہوئی تو عالمگیر کے لشکر میں انرا تخریبی پڑ گئی اور ہر شخص بھاگ نکلا اور عالمگیر کے ہاتھی کے گرد سرف چند آدمی باقی رہ گئے۔ ایسے وقت میں میرے والد رحمۃ اللہ علیہ کو خیال پیدا

ہوا کہ وہ ان ہاتھیوں میں سے ایک پر حملہ کریں انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ یہ جان دینے کا وقت ہے  
یہی بنا ہے ہر شخص ثابت قدم نہیں رہ سکتا جو شخص علیحدگی چاہتا ہے میری طرف سے اجازت ہے۔  
جس پر چار آدمیوں کے سوا سب پہلو تہی کر لی۔ میرے والد نے ان کے ہمراہ ہو کر بارہا فرمایا کہ اگر ہمارے  
رفقا میں سے کوئی شخص ہماری محبت میں شریک ہوگا تو یہ چار اشخاص ہونگے، ان چاروں نے ان  
کے شکار بند کو مضبوطی سے پکڑا اور اقرار کیا کہ جہاں آپ ہوں گے ہم بھی ہونگے۔ اس کے بعد اس  
ہاتھی پر جو زیادہ فساد مچا رہا تھا حملہ کیا۔ وہ ر کے رہے۔ یہاں تک کہ ہاتھی نے نہیں اٹھانے کے لئے  
اپنی سونڈ کو ان کی طرف بڑھایا اور چاہا کہ انہیں گھوڑے سے اٹھائے یا گرائے۔ اس وقت انہوں  
نے تلوار کے ایک بھر لوہ دار سے سونڈ کو نیچے سے کاٹ دیا ہاتھی خوفناک چیخ مار کر بھاگا۔ اور اس  
کا ضرر اور نقصان اسی کے دستہ کو پہنچا۔ یہ پہلی فتح تھی۔ عالمگیر نے اس مقابلہ کو اپنی آنکھوں سے  
دیکھا۔ فتح کے بعد اس نے ان کے منصب کو زیادہ کرنا چاہا۔ مگر انہوں نے استغنا کیا اور قبول نہ کیا۔  
ان واقعات میں سے ایک یہ ہے کہ فرماتے تھے کہ سید شہاب الدین پر بادشاہ کی طرف سے  
محاسبہ ہوا۔ آپ اس کے ضامن ہو گئے۔ جب اس نے روپے ادا کرنے میں سستی کی تو آپ سے مطالبہ ہوا  
انہوں نے اس سلسلہ میں اس بات کی۔ اس نے کہا میرے پاس کوئی روپیہ نہیں ہے۔ تلوار حاضر ہے  
آپ سزائے اور فرمایا۔ تلوار بکڑنا آسان ہے مگر اس کی ذمہ داری نہجانا مشکل ہے سید شہاب الدین  
کی غیرت جاگی اور تلوار سے ان پر حملہ کیا۔ آپ نے اسے بائیں ہاتھ پر لیا اور دائیں ہاتھ سے طباخچہ مارا۔  
وہ منہ کے بل زمین پر بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ خادم کو فرمایا کہ اسے رسی سے باندھ دو۔ اور اس کے  
گھوڑے اور اونٹ کو طولیہ سے لے آؤ۔ کچھ دیر کے بعد وہ ہوش میں آ گیا۔ فرمایا تمہاری لاف  
گزاراں کہاں گئی۔ اس نے کہا میں نے کوئی کوتاہی نہیں کی۔ تمہارا ہاتھ میرے ہاتھ سے پہلے حرکت  
میں آ گیا جس سے مجھے سخت صدمہ پہنچا اور میں بے ہوش ہو گیا اس میں میرا کیا قصور ہے فرمایا تم  
ٹھیک کہتے ہو۔ خادم کو اشارہ کیا کہ اس کی رسی کھول دے اور اس کا خنجر اس کو دیدے۔ اس نے  
اسے لے کر حملہ کرنا چاہا۔ مگر اس کے جسم پر کپکپی طاری ہو گئی جس سے وہ حملہ نہ کر سکا۔ حضرت الد  
صاحب نے یہ واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

ان بہادری کے واقعات میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت والد صاحب فرماتے کہ میرے والد

صاحب اس قدر قوی دل تھے کہ ایک جنگ میں سخت لڑائی ہوئی اور جانبین سے بڑی جماعت قتل ہوئی۔ آخر کار مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ جب مسلمانوں کا امیر اپنے پڑاؤ پر پہنچا تو رات کو اس کے لشکر کے سرداروں میں مقتولین کی تعداد میں مناظرہ ہوا۔ ہر شخص نے اپنے خیال کے مطابق بات کہی۔ آپ نے کہا میرا خیال ہے کہ دونوں طرف کے مقتولین دوسو شخص خاص یا پانچ کم یا پانچ زیادہ ہوں گے اور جو لوگ شکست کھا کر بھاگ گئے۔ ان کی تعداد معلوم نہیں۔ حاضرین نے اسے بعید از قیاس سمجھا۔ اس جماعت کے استبعاد سے ان کے دل میں تردد پیدا ہوا اور انہوں نے چاہا کہ حقیقت حل معلوم کریں۔ مجلس سے قضائے حاجت کے لئے جانے والے کی طرح اٹھے اور اس تاریک رات میں جس میں بادل اور کڑک چمک بھی تھی میدان کارزار کا راستہ لیا۔ پوری احتیاط سے انہیں شمار کیا۔ اسی اثناء میں ان کا ہاتھ ایسے زخمی پر پڑا جس میں ابھی زندگی کی رتق باقی تھی۔ وہ زخمی چنچا۔ انہوں نے اسے تسلی دی۔ اور اپنا نام اسے بتایا۔ اس کے بعد انہیں خیال آیا کہ کچھ لڑائی گاؤں کے وسط میں ہوئی تھی اسے دیکھ لینا چاہیے۔ ممکنہ مقامات میں انہوں نے اچھی طرح تلاش کی۔ اسی اثناء میں ان کا ہاتھ ایک بوڑھی عورت پر پڑا۔ جو جنگ کے وقت ایک کونے میں چھپ گئی تھی۔ وہ زور سے چیخی۔ اسے بھی تسلی دی اور اپنا نام اسے بتایا۔ مقتولین کی تعداد ان کی بتائی ہوئی تعداد کے مطابق نکلی۔ پھر آپ لشکر کی طرف لوٹ آئے وہ مجلس اسی طرح قائم تھی جو کچھ انہوں نے کیا اور دیکھا اس کا اظہار کیا تو ان کا تعجب اور بڑھ گیا۔ اس ٹرس نے تقریباً ایک سو افراد کو مشعلوں کے ساتھ متعین کیا کہ وہ مقتولین کو شمار کریں اور ان دو افراد کو لے کر آئیں۔ یہ لوگ اس پر میہبت رات میں اسی خوفناک جگہ پر جانے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے مگر مجبوراً گئے۔ مقتولین کی گنتی کی اور مذکورہ دو شخصوں کو لائے۔ ان کی بات صحیح نکلی اور ان دو شخصوں نے ان کا نام بتایا۔ آپ کے اس قسم کے عجیب و غریب واقعات بکثرت ہیں۔ ہم نے انہیں یہ اکتفا کیا ہے۔ کیونکہ القلیل یا بی عن الکثیر والغرقۃ یحکی عن البحر الکبیر۔ رقیل کثیر کی خبر دیتا اور چلو کبیر پانی بڑے سمندر کا پتہ دیتا ہے، ان کی شادی شیخ رفیع الدین محمد بن قطب العالم بن عبدالعزیز کی بیٹی سے ہوئی جس سے تین فرزند پیدا ہوئے۔

(۱) مخدومی شیخ ابوالرضا محمد (۲) مخدومی شیخ عبدالرحیم (۳) مخدومی شیخ عبدالحکیم۔

میرے والد گرامی فرماتے تھے کہ میرے والد ماجد ایک رات تہجد کی نماز ادا کر رہے تھے ایک سجدہ

میں ٹھہرے رہے۔ میں نے خیال کیا کہ ان کی روح ان کے جسم سے پرواز کر گئی۔ جب انہیں افاقہ ہوا تو میں نے اس طویل ٹھہرنے کے متعلق استفسار کیا فرمایا کہ مجھے غیبوت واقع ہوئی تو اس حالت میں مجھے اپنے ان عزیزوں کے حالات کی اطلاع ہونی جو شہید ہوتے تھے۔ ان کے درہات و مقامات مجھے بہت پسند آئے۔ میں نے حق سبحانہ و تعالیٰ سے شہادت طلب کی اور بے حد الحاح اور زاری کی یہاں تک کہ میری دعا کی قبولیت مجھ پر منکشف ہوئی اور دکن کی طرف اشارہ ہوا کہ تمہاری شہادت کی جگہ وہاں ہے۔ اس وقت کے بعد اگرچہ نوکری چھوڑ دی تھی اور اس شغل سے نفرت پیدا ہو گئی تھی از سر نو سفر کا سامان تیار کیا۔ اور گھوڑا خریدا اور دکن کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کا خیال تھا یہ مقابلہ سیداکے ساتھ ہوگا جو اس وقت کفرا کا بلاشا تھا اور مسلمانوں کے قاضی کے متعلق اس نے بہت بے حرمتی کی تھی جب برہانپور پہنچے تو ان پر منکشف ہوا کہ وہ شہادت کی جگہ بھی چھوڑ آئے ہیں۔ وہاں سے پھر واپس آئے۔ راستہ میں بعض تاجروں کے ساتھ جو صلاح و تقویٰ سے متصف تھے۔ دوستی کا عہد باندرھا اور ارادہ کیا کہ قصبہ ہندیا کے راستہ ہندوستان میں داخل ہوں۔ اسی اثناء میں ایک بوڑھا شخص بلا جو گرتا پڑتا جا رہا تھا۔ اس کی حالت پر رحم کیا اور اس سے اس کا مقصد دریافت کیا۔ اس نے کہا میں دہلی جانا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا میرے ملازمین میں سے روزانہ تین پیسے لیا کرو۔ وہ بوڑھا کفار کا جاسوس تھا۔ جب یہ قافلہ تونیر یا کی سرزمین پہنچا جو کہ دیپانے نرہ سے دوہین منزل ہندوستان کی طرف ہے تو اس جاسوس نے اپنے ساتھیوں کو اطلاع دی ڈاکوں کی ایک کثیر جماعت سرزمین آئی۔ اس وقت آپ قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے۔ اس جماعت میں سے دوہین آدمی آگے بڑھے اور پوچھا کہ وجیہ الدین کون ہے جب انہوں نے آپ کو پہچان لیا تو کہا ہمیں آپ سے کوئی سروکار نہیں ہے اور ہمیں علم ہے کہ تمہارے پاس کوئی مال نہیں ہے اور ہمارے گروہ میں سے ایک آدمی پر تمہارا حق نمک بھی ہے لیکن ان تاجروں کے پاس نلاں نلاں مال ہے انہیں ہم نہیں چھوڑیں گے۔ چونکہ آپ کو اس سفر کا مقصد پوری طرح معلوم تھا اس لئے تاجروں کی رفاقت چھوڑنے پر راضی نہ ہوتے اور جنگی قتل پر اتر آئے۔ اس اثناء میں ان کو بائیس زخم آئے۔ ایک زخم میں سر جسم سے جدا ہو گیا۔ اس کے باوجود تکبیر کہتے ہوئے ایک تہ کی ایک کفار کا تعاقب کیا۔ ایک عورت یہ حال دیکھ کر بہت متعجب ہوئی پھر کہہ گئی۔ اور وہاں زمین ہوتے۔ والد صاحب فرماتے تھے کہ اسی دن کے آخری عرصہ میں تمہارا مثل ہو کر مجھے زخم دکھلتے ہیں نے ایصالِ ثواب کیلئے



کچھ صدقہ دیا حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ میں نے ان کے جسم کو وہاں سے منتقل کر نیکاراوہ کیا ایک روز انہوں نے تمہارا مجھے ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ آپ کے قتل کی خبریں بیٹھاریں۔

## شیخ رفیع الدین محمد قزوینی کے خاندان کے مناقب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ - الْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمُنْعِمِ الْوَهَّابِ عَلٰی نِعْمَةِ التَّوْحِیْدِ  
عَنِ الْعَدَدِ وَالْحِسَابِ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰی خَیْرِ مَنْ اَوْقَى الْحِکْمَةَ وَفَصَّلَ الْخَطَابَ وَاللّٰهُ  
اَصْحَابُهُ خَلَاصَتُهُ اُولٰٓئِی الْاَلْبَابِ - اَمَّا بَعْدُ

فقیر ولی اللہ عنہ کہتا ہے کہ یہ چند کلمات جو کہ "النبذة الابریزیہ فی اللطیفہ العزیزیہ" کے نام سے موسوم ہے۔ شیخ عبدالعزیز دہلوی اور ان کے اسلاف و اخلاف کے حالات پر مشتمل ہیں جو کہ نسبت مادری سے والد بزرگوار کے جدِ اعلیٰ ہیں۔ والحمد للہ۔

شیخ طاہر۔ ان کا اصلی وطن اوج ملتان ہے۔ آپ وہاں کے سربراہ اور وہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے کہتے ہیں کہ شروع شروع میں سیر و شکار میں وقت گزارتے تھے۔ یہاں تک کہ ان مشاغل نے آپ کو علم کی تحصیل سے بھی روک رکھا تھا۔ ایک روز ان کی ہمشیرہ نے ان سے قرآن مجید کی ایک آیت کا ترجمہ پوچھا جس کا وہ جواب نہ دے سکے۔ یہ واقعہ ان کی غیرت کو براہِ بگنختہ کرنے کا سبب بنا۔ قرآن مجید لے کر وطن سے ہجرت کر گئے اور جہاں بھی جاتے استفادہ کرتے۔ جب تھا نیس پہنچے تو اس آیت کی تفسیر لکھ کر ہمشیرہ کے پاس بھیج دی۔ اس کے بعد حصول علم کی خاطر بہار آئے جو کہ علماء کا مرکز تھا۔ اس دوران میں مناظرہ اور ریاضات کی تحصیل کی۔ تحصیل علم کے بعد بہار کے قاضی نے ان کی وجاہت اور علم و فضل کو دیکھ کر اپنی لڑکی کی شادی ان سے کر دی۔ اس کے بعد پھر وہ یورپ کے نواح میں قیام پذیر ہو گئے۔ اس بیوی سے تین فرزند ہوئے۔ آخری عمر میں شیخ نے اپنے بیٹوں کے ساتھ جنپور میں اقامت اختیار کر لی اور اس جگہ وفات پائی۔ آپ کا مزار اسی جگہ ہے جس کی زیارت کی جاتی اور برکت حاصل کی جاتی ہے۔ شیخ حسن۔ شیخ طاہر کے سب سے بڑے فرزند شیخ حسن تھے۔ نو سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ اور اٹھارہ برس کی عمر میں کتب متداولہ حاصل کر کے پڑھنا شروع کر دیا تھا۔ چہنچہ

سے ان میں معرفت کی طلب معلوم ہوتی تھی اور روایتوں کے معتقد تھے یہاں تک کہ سید حامد راجی شاہ کی عظمت کی شہرت ہوئی۔ شیخ ایسے طریق سے جس میں قدمے امتحان بھی تھا۔ ان کی ملاقات کو گئے پہلی ہی ملاقات میں ازلی جذب سید صاحب کے حلقہ ارادت میں انہیں لے آیا۔ سید حامد راجی شاہ اپنے وقت کے بڑے مشائخ میں سے تھے۔ اور شیخ حسام الدین مالک پوری کے خلیفہ تھے اور شیخ حسام الدین جامع شریعت و طریقت اور سربراہ و ردہ مشائخ چشتیہ میں سے تھے اور شیخ نور قطب العالم کے خلیفہ تھے اور شیخ نور قطب العالم مشائخ ہندوستان میں سے صاحب عشق و محبت ذوق و شوق تصرف و کرامت اور ریاضات و مجاہدات تھے۔ یہ اپنے والد شیخ علاء الحق بن سعد کے خلیفہ تھے جو ظاہری اور باطنی علوم کے جامع مرجع عوام و خواص اور پورپ بنگال کے مشہور بزرگوں میں سے تھے اور یہ شیخ سراج الدین اور ہی کے خلیفہ ہیں۔ جو کہ شیخ نظام الدین قدس اللہ تعالیٰ سرایم کے خلفائے ہیں۔ کہتے ہیں کہ شیخ الشہداد شارح ہدایہ وغیرہ شیخ حسن کے شریک درس اور دوست تھے۔ انہوں نے شیخ حسن کے سید کی بیعت و متابعت کو تعجب کی نظر سے دیکھا کیونکہ سید کتب کے علوم سے زیادہ پروردار تھے۔ شیخ نے فرمایا۔ علماء کی ایک جماعت کو سید صاحب کی خدمت میں جانا چاہیے اور ان کے دل میں جو اشکال پیدا ہوں ان سے سوال کریں اگر ٹھیک جواب مل جائے تو معتقد ہو جانا چاہیے اور مرد ہو جانا چاہیے۔ ورنہ جیسے ان کی مرضی چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ بعض کے اشکال تو راستہ میں حل ہو گئے اور بعض علماء کے اعتراضات سید صاحب کے ہمال پر انوار کو دیکھتے ہی جاتے رہے اور باقی حضرات کے اشکالات ان کی پر امر کلام سننے سے جاتے رہے۔ آخر کار حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے۔

حاصل کلام شیخ حسن کچھ عرصہ تک طالبان معرفت کی تعلیم و ارشاد اس سرزمین میں کرتے رہے۔ اس کے بعد سلطان سکندر جو دہلی کے سب سے زیادہ منصف مزاج بادشاہوں میں سے تھا کی استدعا پر دہلی تشریف لے آئے اور آپ نے بمندل کے محل میں قیام کیا اور اسی جگہ جان جان آفرین کے سپرد کی۔ اور قبر میں چلے گئے۔

کہتے ہیں کہ سلطان سکندر کا لڑکا فتح خان ان کا معتقد تھا۔ اتفاقاً اس کے دل میں بغاوت کا خیال پیدا ہوا۔ اور لہذا سلطنت اس کے ساتھ متفق ہو گئے۔ اس نے شیخ سے مشورہ طلب کیا

انہوں نے اسے اس کام سے منع فرمایا اور جو خطرہ اس کی نظر میں تھا اس سے امن کی بشارت دی۔  
یہ قضیہ سلطان کی عقیدت کا سبب بن گیا۔

یہ بھی کہتے ہیں کہ جب شیخ دہلی پہنچے تو بادشاہ خواب میں ان کے بعض کمالات سے واقف ہوا۔  
اس بات سے اس کا اعتقاد دو بلا ہو گیا۔ آپ نے ۹۰۹ھ میں وجد کی حالت میں وفات پائی  
آپ کی مجلس میں اس وقت یہ رباعی پڑھی جا رہی تھی۔ ع

لے ساتی ازاں مے کہ دل و دین من است

علم سلوک میں آپ کی کتاب مفتاح فیض "یادگار ہے شیخ کے چار فرزند تھے ان میں  
سے دو کی نسل باقی ہے (۱) شیخ محمد المعروف بالخیالی اور شیخ عبدالعزیز

شیخ محمد خیالی شیخ محمد خیالی صحیح الحال پاکیزہ شرب اور قوی الریاضت تھے اپنے والد  
سے بیعت تھے لیکن آپ پر سلسلہ قادریہ کی نسبت غالب آگئی۔ حرم مدینہ میں کئی سال سخت  
ریاضتیں کرتے رہے۔ حاجی عبدالوہاب بخاری جب دوسری مرتبہ حرمین کی زیارت کے لئے گئے  
تو شیخ جمالی کو خوشخبری سنائی کہ مجھے خاتم النبیین علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات نے خواب  
میں ارشاد فرمایا ہے کہ اس ہندی شیخ زادے نے یہاں کافی وقت دشواری اور مشقت سے  
گزر رہا ہے۔ اب انہیں ہندوستان واپس لے جاؤ۔ انہوں نے کہا جت تک مجھے بذات خود  
حکم نہیں ہوگا۔ ہرگز نہیں جاؤں گا۔ آخر انہیں بھی حکم دیا گیا۔ چنانچہ حاجی عبدالوہاب  
انہیں ہندوستان لے آئے۔ اپنے والد کے پہلو میں بچھڑل میں حواستراحت میں۔

ان کے بہت سے خاندانیں جو مرتبہ کمال کو پہنچ چکے ہیں ان میں سے شیخ امان اللہ پانی پتی  
اور شیخ عبدالرزاق جہانی علاقہ میں سب سے زیادہ مشہور ہیں۔

شیخ عبدالعزیز آپ دو یا تین سال کے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور وہ اپنا  
باطنی فیض اپنے بیٹے شیخ عبدالعزیز کے لئے بطور امانت شیخ قاضی نمان ظفر آبادی کے سپرد  
کر گئے جو شیخ حسن کے خلیفہ اور صاحب استقامت و کرامت تاجر اور ریاضت اور تاثیر صحبت  
تھے۔ شیخ جب سن تیس کو پہنچے سید محمد بخاری ابن حاجی عبدالوہاب بخاری سے علم حاصل  
کیا اور حاجی عبدالوہاب سے فصوص کا استفادہ کیا اور سلسلہ سہروردیہ کا خرقہ سائفت

زیب تن فرمایا۔ حاجی عبدالوہاب نے سید راجو قتال سے خرقہ خلافت حاصل کیا تھا جو کہ مخدوم  
 جہانیاں کے چھوٹے بھائی اور بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ انہوں نے اپنے بھائی مخدوم جہانیاں  
 سے خلافت حاصل کی اور شیخ رکن الدین ابو الفتح سے بھی خلافت حاصل کی اور ان کا سلسلہ معروف ہے  
 حاجی عبدالوہاب عبدالشہر قزیشی کی صحبت میں بھی مدتوں رہے۔ اس کے بعد شیخ قاضی خاں نے  
 اپنے بیٹے شیخ عبدالشہر کو شیخ عبدالعزیز کے پاس بھیجا تاکہ وہ انہیں وہ بات یاد دلائے جو  
 ان کے والد ان کے سپرد کر گئے تھے اور یہ بھی کہلا بھیجا کہ میں خود حاضر ہوں مگر اس سلسلہ میں  
 ملکہ شرط ہے اس لئے آپ کو تکلیف دی ہے۔ شیخ عبدالعزیز یہ خبر سنتے ہی ظفر آباد کی طرف  
 روانہ ہو گئے جب وہاں پہنچے تو اس کے پاس تین روپیہ پسیہ کپڑے اور گھوڑا تھا خدا کی راہ میں خرچ کر دیا۔  
 اور تخریم نام کی صورت میں تین سال تک سخت ریاضتیں کیں اور ارشاد و تکمیل کے مرتبہ پر فائز ہوئے  
 پھر قاضی خاں کی اجازت سے واپس آئے اور قوانین ارشاد کی بنیاد رکھی اس اثنا میں  
 سید ابراہیم ابرچی کی خدمت میں ایک مدت تک علوم تصوف کا استفادہ کیا اور خرقہ قادریہ  
 حاصل کیا۔ سید ابراہیم ابرچی تمام علوم و فنون میں کامل تھے اور اکثر خانوادوں کی برکات کے جامع  
 تھے لیکن قادریہ نسبت کا ان پر غلبہ تھا اور شیخ بہار الدین سے خرقہ قادریہ حاصل کیا تھا حاصل  
 کلا کہ شیخ عبدالعزیز کی سیرت مجاہدے اور ریاضت سے عبادت تھی۔ بچپن میں جن چیزوں  
 کو اپنے اوپر لازم ٹھہرایا تھا۔ آخر وقت تک ان پر عمل پیرا رہے اور کبھی مضامین نہیں اور طریقہ  
 اسلاف کی اتباع میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرتے تھے اور آداب مشائخ کی مخاطبت  
 میں بہت کوشش کرتے تھے اور ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کرنے میں بہت سعی فرماتے۔  
 ذائقہ انکساز شگفتگی طبع علم بردباری صبر اور رضا و تسلیم اور تمام عمدہ اخلاق میں مشائخ  
 چشت کا نمونہ تھے۔ اپنے ۶۷ جمادی الثانی ۱۰۵۹ھ میں انتقال فرمایا۔ پرواز روح کے وقت  
 یہ آیت زبان پر تھی۔ فسبحان الذی بیدا ملکوت کل شیئی والیہ توجعون۔  
 اس فقیر شاہ ولی اللہ نے شیخ یحییٰ جنیدی کے مجموعہ میں شیخ عبدالعزیز کے قلم سے  
 سلسلہ قادریہ لکھا ہوا دیکھا۔ تبرکاً اس نسخہ کو بعینہ نقل کیا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد لله الذی ہدانا الی سبیل الرشاد و امرنا

باتباع الحق والسداد والصلوة على نبيه محمد وآله اولى الولاية والاشارة  
 وصحبة الاكرمين الامجاد۔ حمد و صلوة کے بعد یہ بندہ ناچیز خاکپستے خدم اہل بیت  
 نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام عبد العزیز بن حسن اللہ اس کے اپنے عیوب سے باخبر کرے اور اس کے  
 آج کو کل گذشتہ سے بہتر بنائے، عرض کرتا ہے کہ برادر محترم مکرم عالم باعمل افتخار الافاضل  
 مایہ اولیاء نمونہ صفیاء شیخ یحییٰ بن شیخ معین الدین خالدی اللہ تعالیٰ انہیں بندگان مقبول  
 بارگاہ سے بنائے اور انہیں منتخت فرمائے۔ ان کے خلوص محبت اور کمال معرفت سے جب ہم  
 ان کے حضور اور صحبت سے مشرف ہوتے اور ان کا اعتقاد اور محبت ہم سے دل میں مستحکم ہو گئی  
 تو میں نے ان کے ساتھ دینی اخوت کا عقد باندھا اور میں نے مشائخ صوفیاء کا خرقہ پہنایا۔ اللہ  
 ان کی ارواح کو مقدس اور ان کی اشباح کو منور کرے۔ اس خرقہ خلافت کو میں نے ارشاد  
 وکالت نیابت اجازت اور خلافت کے طریق پر اپنے شیخ مرشد مخدوم اور سیدی سید السادات  
 سرچشمہ برکات سید ابراہیم بن معین بن عبدالقادر بن متقی الحسنی القادری سلمہ اللہ تعالیٰ  
 سے اور انہوں نے اپنے شیخ و مرشد ابو البرکات بہار الملک والیدین ابراہیم انصاری قادری  
 افاض اللہ علینا شایب برکاتہم۔ اور انہوں نے اپنے شیخ السید قطب وقت ابو العباس احمد  
 بن حسن الجبیلی المغربی الشافعی سے اور انہوں نے اپنے والد السید حسن سے اور انہوں نے اپنے  
 والد السید موسیٰ سے اور انہوں نے اپنے والد السید علی سے اور انہوں نے اپنے والد بزرگوار  
 سید محمد سے اور انہوں نے اپنے والد گرامی سید حسن سے اور انہوں نے اپنے والد ماجد  
 سید محمد صلوات اللہ علیہ سے اور انہوں نے اپنے والد بزرگوار سید محی الدین ابی نصر سے اور انہوں نے  
 اپنے والد محترم سید ابی صالح سے اور انہوں نے اپنے والد ماجد سید عبدالرزاق سے اور انہوں  
 نے اپنے والد بزرگوار قطب بانی غوث صمدانی محی الملک والیدین ابی محمد عبدالقادر الحسنی و الحسینی  
 الجیلانی سے انہوں نے اپنے شیخ ابی سعید مخزومی سے اور انہوں نے اپنے شیخ شیخ الاسلام  
 ابی الحسن علی بن محمد بن یوسف القرظی الہنکاری سے اور انہوں نے اپنے شیخ ابی الفرج  
 یوسف الطرطوسی سے اور انہوں نے شیخ عبدالواحد بن عبدالعزیز الیمینی سے اور انہوں نے  
 ابی بکر الشبلی سے اور انہوں نے سید الطائف بنید بغدادی سے اور انہوں نے سری سقطی سے

اور انہوں نے معروف کرخی سے اور انہوں نے ابی سلیمان داؤد بن نصر الطائنی سے اور انہوں نے امام علی بن موسیٰ الرضا سے اور انہوں نے اپنے والد امام موسیٰ الکاظم سے اور انہوں نے اپنے والد امام جعفر الصادق سے اور انہوں نے اپنے والد امام محمد باقر سے اور انہوں نے اپنے والد امام زین العابدین سے اور انہوں نے اپنے والد امام حسین سے اور انہوں نے اپنے والد ماجد حضرت امام علی بن طالب رضی اللہ عنہم سے اور انہوں نے سید المرسلین خاتم النبیین حبیب رب العالمین محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل کیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ادب نبی ربی فاحسن تادیبی میرے رب نے مجھے سکھایا اور کیا ہی اچھا سکھایا، اور حضرت شیخ عبد العزیز کے فرزند تھے جن میں ایک شیخ قطب العالم تھے

شیخ قطب عالم شیخ قطب عالم علم و فضل دانش و سخاوت میں ممتاز اور سربراہ اور روزگار تھے۔ ابتدائی حالات میں وجد و سماع اور صوفیاء کے تمام اطوار و اوضاع سے روگرداں تھے اور ان پر اعتراض کرتے تھے۔ چنانچہ ایک روز شیخ عبد العزیز قدس سرہ کی مجلس میں ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور ان کی توجہ سے بے خود ہو گئے۔ حاضرین نے کہا الحمد للہ اب وہ صوفیاء کے معتقد ہو جائیں گے اور اس اعتراض کی حالت سے نکل جائیں گے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ ان کا انکار مستحکم ہے۔ اور ان کی طلب کا بھی وقت بھی نہیں آیا۔ جب اس بے خودی سے افاقہ ہوا تو حاضرین نے اس کی کیفیت کے متعلق استفسار کیا۔ فرمایا کوئی چیز خواب کی مانند تھی خواب کا کیا اعتبار۔ جب شیخ عبد العزیز کا وصال ہو گیا۔ شیخ نجم الحق جو شیخ کے بڑے خلفا میں سے تھے شیخ کے رخصت کی زیارت اور مصیبت زدوں کی تعزیت کے لئے تشریف لائے۔ جب زیارت سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے وہاں سے جانے کا ارادہ کیا۔ آپ نے دیکھا کہ شیخ قطب العالم سبق پڑھا ہے ہیں ان کی طرف توجہ سے دیکھا اور تصرف فرمایا۔ اور سوار ہو گئے۔ ان کی پاکی دو تین تیر کے فاصلہ پر نہ گئی ہوگی کہ ان میں قلق و بقراری پیدا ہو گئی اور وہ بیقراری لمحہ لمحو بڑھتی رہی یہاں تک کہ گرتے پڑتے پیدل شیخ نجم الحق کی طرف روانہ ہوئے اور ان سے طریقہ اخذ کیا اور جب حضرت خواجہ باقی باللہ طریقہ نقشبندیہ کی اشاعت میں مشغول ہوئے شیخ قطب عالم بکثرت ان کی خدمت میں جاتے اور فیض صحبت جو اس طریقہ میں بہترین یہی چیز ہے۔ حاصل کرتے۔ اگرچہ آغاز کار میں

حضرت خواجہ باقی باللہ نے ان کی شاگردی کی اور ایک عرصہ تک ان کی خانقاہ میں مجاورت کی تھی حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ جس زمانہ میں حضرت خواجہ باقی باللہ ان کی خانقاہ میں تھے آدھی رات کے وقت شیخ قطب عالم پر یہ بات منکشف ہوئی کہ ان کا حصہ بخارا میں ہے۔ اسی وقت باہر نکل آئے اور فرمایا تمہیں مشائخ بخارا بلاتے ہیں۔ اسی وقت روانہ ہو جائیے۔ اس وقت خرقة موجود نہیں تھا صرف تہ بند تھا وہی عنایت فرمایا۔ خواجہ نے دستار کے طور پر اسے سر پر باندھ لیا اور اسی وقت بخارا کے قصد سے روانہ ہو گئے۔ وہاں انہیں خواجہ المنگلی بلے جن سے انہوں نے فیوض و برکات کی دولت حاصل کی اور شیخ قطب العالم کے فرزندوں میں سے سب سے بڑے اور بزرگ شیخ رفیع الدین محمد تھے۔

شیخ رفیع الدین محمد۔ علوم ظاہری اور باطنی کے جامع اور کتب تصوف کے ماہر تھے اور صوفیاء کے رموز بیان کرنے میں پوری قدرت رکھتے تھے۔ پہلے اپنے والد بزرگوار سے طریقہ چشتیہ اور قادریہ اخذ کیا۔ انہیں شیخ نجم الدین کی صحبت بھی حاصل ہوئی۔ اس کے بعد اپنے والد کی ترغیب پر خواجہ محمد باقی کی صحبت کا التزام کیا اور ان کی نسبت ان پر غالب آگئی حضرت والد صاحب شیخ عبدالرحیم فرماتے تھے کہ حضرت خواجہ محمد باقی کی توجہ شیخ رفیع الدین محمد کی طرف بہت زیادہ تھی اور شیخ جو کچھ عرض کرتے حضرت خواجہ ضرور قبول کر لیتے۔ اس لئے خواجہ کے اجاب انہیں خواجہ کا معشوق کہتے۔ یہ بھی فرماتے تھے کہ جب شیخ کی بیوی فوت ہو گئی تو شیخ نے ارادہ کیا کہ شیخ محمد عارف بن شیخ غفور۔ اعظم پوری کی دختر سے شادی کریں چنانچہ انہوں نے حضرت خواجہ سے درخواست کی کہ وہ عقد نکاح میں تشریف لائیں حضرت خواجہ نے ضعف کا عذر کیا۔ شیخ نے عرض کیا کہ اگر خواجہ قدم رنجہ نہیں فرمائیں گے تو میں بھی نہیں جاؤنگا۔ خواجہ مجبور ہو گئے اور اعظم پور تشریف لے گئے۔ اس نواح کے صوفیاء نے جب خواجہ کی تشریف آوری کے متعلق سنا تو تمام جمع ہو گئے اور اس نواح کے سومریج کوس میں کم ہی کوئی صوفی ہو گا۔ جو وہاں حاضر نہ ہوا ہو۔ اور ایسی عجیب محفل بنا ہوئی کہ ایسی کبھی سنی نہ گئی تھی۔

کاتب حروف رشادہ ولی اللہ کہتا ہے کہ حضرت والد ماجد رشادہ شاہ عبدالرحیم کی والدہ اسی خاتون کے بطن سے پیدا ہوئیں۔

نیز فرماتے تھے کہ شیخ بندگانہ شیخ احمد سرمنہدی سے حضرت خواجہ محمد باقیؒ کی نسبت کوئی بظاہر ناگواریات صادر ہوئی کہنے والے نے وہ بات اسی طرح خواجہ کی خدمت میں بیان کر دی یہ سن کر برآشفقتہ ہوئے اور قہر کے آثار ان کی پیشانی سے ظاہر ہوئے۔ وہاں ایک ڈور پڑی ہوئی تھی اسے اٹھایا اور قوت کے ساتھ اس پر گہ لگادی شیخ جو خواجہ کے مزاج شناس تھے اس ڈور کو احتیاط کے ساتھ لے لیا اور حفاظت سے رکھدی چند دنوں کے بعد شیخ احمد سرمنہدی روحانی قبض میں مبتلا ہو گئے اور اس کے سبب کی تلاش میں پڑ گئے۔ جب حقیقت حال واضح ہوئی تو دہلی میں آئے اور شیخ کے اجاب سے اس سلسلہ میں سفارش کی درخواست کی۔ کوئی شخص اس کام کے لئے راضی نہ ہوا اور کہا کہ ہم خواجہ کی مرضی کے خلاف کوئی سفارش نہیں کر سکتے لیکن خواجہ کے مستحق جو چاہیں کر سکتے ہیں شیخ احمد سرمنہدی نے شیخ رفیع الدین محمد کی طرف رجوع کیا۔ شیخ رفیع الدین محمد نے اس بات کو بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ خلوت میں حضرت خواجہ کی خدمت میں پیش کیا اور کافی لیت و لعل کے بعد ان کی نفرت اور وحشت دور کر سکے۔ خواجہ نے فرمایا کیا کروں وہ دھاگہ گم ہو گیا ہے شیخ نے وہ دھاگہ پیش کر دیا۔ اور خواجہ کی موجودگی میں وہ گہرہ کھول دی۔ اسی وقت وہ قبض کشادگی سے تبدیل ہو گئی اور مقصد حاصل ہو گیا۔

والدنا جدید یہ بھی فرماتے تھے کہ شیخ فرید بخاری جو اپنے زمانہ کے بڑے امرا میں سے تھے اور شرف و نجابت کے جامع اور مشائخ صوفیاء کے معتقد تھے نے ایک عمارت بنوائی یہ عمارت ان کی مشہور سرائے تھی یا کوئی اور والد اعلم۔ اس کی تعمیر سے فراغت کے بعد انہوں نے ایک ضیافت کی اور شہر کے مشائخ کی دعوت کی شیخ رفیع الدین محمد بھی اس میں تشریف لائے جب نغمہ و سرود کا آغاز ہوا تو اہل مجلس میں سے ایک کی حالت متغیر ہو گئی۔ مستانہ نعرے لگانے لگا۔ رقص اور حزن کا اس سے اظہار ہوتا تھا۔ تمام حاضرین اس کی توضیح کے لئے اٹھے لیکن شیخ نے اپنی جگہ سے حرکت نہ کی بعض حاضرین نے اسے موضوع بحث بنا لیا۔ اور آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ شیخ نے خلاف طریقت کا کیا ہے شیخ فرید نے جب یہ صورت حال دیکھی تو وجد کرنے والے کے سکون کے بعد شیخ رفیع الدین سے سوال کیا کہ صاحب وجد کی توضیح نہ کرنے کا کیا سبب تھا۔ شیخ نے کہا اسی صاحب وجد سے اس کے تغیر حال کے متعلق سوال کرو۔ میرا عذر واضح ہو جائے گا



شیخ فرید نے اسے اپنے قریب بلایا اور رقص و نعرہ زنی کا سبب پوچھا۔ اس نے کہا۔ مجھے کچھ علم نہیں میری بیوی کو مرے ہوئے دو تین روز ہو گئے ہیں۔ اس وجہ سے میرے دل میں غم اور حزن بھرا ہوا تھا۔ جب میں نے ان نعمات کو سنا تو وہ حزن روشن ہو گیا اور قلق اور تغیر مجھ میں ظاہر ہوا اور آخر کار وہ کچھ ظہور پذیر ہوا جو انہوں نے دیکھا۔ شیخ نے فرمایا ایک ایسے شخص کی تعظیم کے لئے اٹھنا جو اپنی بیوی کے غم میں نعرے لگا رہا ہو۔ مثل شیخ طریقت نے کہاں فرمایا ہے۔ یہ سن کر معتز ضمین نامم ہوئے اور اس بحث سے توبہ کی۔

والد صاحب یہ بھی فرماتے تھے کہ خان عالم جو اس زمانہ کے امرا میں سے تھا شیخ کا معتقد تھا اس کے گھر کے قریب باغ میں ایک فقیر وضع کا شخص وارد ہوا جو بہت مہذب اور اہل دنیا کے میل ملاپ سے بہت متنفر نظر آتا تھا۔ اس کی تمام گفتگو قال اللہ وقال الرسول تھی۔ خان عالم اس کا بہت معتقد ہو گیا۔ شیخ رفیع الدین محمد کا ایک روز اس باغ سے گزرا۔ انہوں نے اس فقیر کو دیکھا فرمایا یہ تو کالا ناگ ہے اس سے بچ کر رہو۔ خان عالم نے گمان کیا کہ یہ بات آپ نے حسد کے طور پر کہی ہے۔ اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ ایک مدت کے بعد بادشاہ نے خان عالم کو ایرانی سفارت پر مقرر کیا۔ اس سفر کے لئے رقم کی ضرورت تھی جو خان عالم کے پاس نہیں تھی۔ چنانچہ وہ اس وجہ سے متردد اور پریشان ہوا وہ فقیران کی پریشانی کو بھانپ گیا اور اس پریشانی کا سبب پوچھا۔ جب اس نے پورا قصہ سنا تو بڑی شفقت سے پیش آیا اور کہا کہ اس کا علاج میرے پاس ہے۔ میں اکسیر بناتا ہوں جس سے اس قدر خالص سونا تیار ہو جاتا ہے۔ خان عالم دھوکے میں آ گیا اور ایک لاکھ روپے سے بھی زیادہ خطیر رقم اس اکسیر کا سامان تیار کرنے کے لئے دیدی۔ اس نے مختلف جیلوں سے اسے تباہ کر دیا اور کچھ عرصہ بعد خود بھی روپوش ہو گیا۔ ہر چند تلاش کیا مگر وہ نہ ملا۔ خان عالم اپنے اس بُرے خیال پر بہت نامم ہوا۔ اس سفر سے واپسی کے بعد حافظ محمد سن نے جو کہ خان عالم کا متبنی تھا ایک برہمن کو دیکھا جس نے دارھی مونچھ منڈائی ہوئی تھی اور سنسکرت میں گفتگو کرتا تھا۔ پہچان لیا کہ یہ وہی دھوکے باز ہے اس نے اسے انواع و اقسام کے عذاب میں مبتلا کیا۔ آخر کار اس نے اقرار کر لیا اور اس سے کچھ مال بھی برآمد ہوا اور باقی ہاتھ نہ آیا۔ حضرت والا گرامی شاہ عبدالرحیم فرماتے تھے کہ خان عالم نے خواب میں دیکھا کہ وہ ایک بزرگ کی خدمت میں گئے ہیں اور ان کی بیعت کی

ہے۔ وہ چونکہ معنوی جانتے تھے۔ علی الصباح اس بزرگ کی شکل کا غدر پہ بنا کر حضرت خواجہ محمد باقی کی خدمت میں بھیجا اور خواب کی تعبیر پوچھی۔ حضرت خواجہ نے کہا: بھیجا کہ ہم اس بزرگ کو پہچانتے ہیں۔ ان کے ساتھ رابطہ قائم کر لیں۔ پھر شیخ رفیع الدین کی طرف اشارہ کیا۔ شیخ رفیع الدین کے ساتھ ان کے ارتباط کا یہی قصہ سبب بنا۔

سنا گیا ہے کہ ایک مرتبہ ڈاکوؤں نے ارادہ کیا کہ شیخ رفیع الدین محمد کے گھر کو لوٹ لیں۔ اس غرض کے لئے کہ کچھ فاصلہ پر کھڑا ہو گئے اور ایک شخص کو بھیجا تاکہ وہ آمدورفت کا راستہ معلوم کر آئے اور اہل خانہ کی حالت بھی دیکھ لے۔ وہ جاسوس جب ان کے گھر پہنچا تو اندھا ہو گیا اور ہر طرف ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیئے جس کی وجہ سے اہل خانہ جاگ اٹھے اور چراغ کی روشنی میں تمام حقیقت حال معلوم کر لی۔ شیخ نے اپنی طبیعت مہربانی سے کہا اس سے کوئی تعرض نہ کرے اور اسے کہو کہ وہ چلا جائے۔ اس نے کہا کیسے جائف کہ بصارت نہیں ہے اور نہ چلنے کی طاقت ہے۔ شیخ اس کے پاس آئے اور اپنے عصا کو اس کی آنکھوں اور گھٹنوں پر لگایا۔ اس کی برکت سے اس نے اس مصیبت سے نجات پائی اور وہ اپنی جماعت کے ساتھ جا ملا۔ اس کا یہاں تو معاملہ ہی اس کے برعکس ہے جو تم نے خیال کر رکھا ہے۔ تمام شرمندہ اور نامراد واپس آئے۔ اس کے بعد انہوں نے کبھی اس طرف کا رخ نہ کیا۔ حالانکہ شیخ کا مکان آبادی سے الگ اور کچا تھا۔ اور آپ کی دولت مندی کے قصے بھی مشہور تھے اور پیرے کا بھی کوئی انتظام تھا۔

## قدوة العارفين عمدة الواصلين مخدومی حضرت شیخ محمد

### قدس سرہ کے مختصر حالات و کرامات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اٰکْرَمَ اَوْلِیَاءَهُ بِصُنُوفِ الْاٰیَاتِ  
وَاصْطَفٰهُ الْمَقْرِبِیْنَ مِنْ عِبَادَةِ بَانْوَاعِ الْکَرَامَاتِ۔ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَ  
اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ۔ حمد و صلوة کے بعد فقیر ولی اللہ بن شیخ عبدالرحیم العمری الدہلوی کہتا  
ہے کہ یہ چند کلمات ہیں جو کہ العظیمة الصمدیة فی انفس المحمدیة کے نام سے موسوم ہیں جو کہ  
میرے جدادری قدوة العارفين عمدة الواصلين مخدومی حضرت شیخ محمد پھلتی قدس سرہ سے

مناقب و کرامات پر مشتمل ہیں۔

واضح ہو کہ حضرت شیخ کے اجداد پہلے سدھوڑ میں جو کہ یورپ میں ایک شہر ہے بمقیم تھے وہ نسلاً بعد نسل مسند درس و تدریس رونق افروز ہوئے۔ یہاں تک کہ شیخ احمد بن یوسف سلطان کی مجلس میں پہنچے۔ وہاں انہوں نے اعتبار قائم کر لیا۔ انہیں معاش کی خاطر بارہہ کی طرف چند مواضع ملے۔ اسی وجہ سے موضع پھلتی میں انہوں نے مستقل سکونت اختیار کر لی۔ کچھ عرصہ بعد ان کی اولاد نے بھی وہاں سکونت اختیار کر لی۔ شیخ احمد موصوف کے بھائی شیخ محمود کے دو فرزندوں نے بھی شیخ فرید اور شیخ محمد وہاں رہ گئے۔

حاصل کلام شیخ فرید اپنے آبا و اجداد کے طریق پر فضائل کسبی و وہبی سے موصوف تھے۔ ان کے تین فرزند ہوئے۔ شیخ فیروز شیخ ابوالفتح اور شیخ عبدالرحمن۔ ان میں سے شیخ ابوالفتح نے عنفوان شباب میں تحصیل علوم میں مشغول ہوئے اور علم سے کامل حصہ پایا۔ پھر ان کی بلند ہمت علوم سلوک باطن کی طرف مبذول ہوئی اور کئی عرصہ تک اس دور کے صوفیائی خدمت میں رہے۔ چنانچہ صحیح روایت سے ثابت ہے کہ آپ شیخ عبدالعزیز کی خدمت میں پہنچے اور ان سے مستفیض ہوئے۔ اس کے بعد شیخ نظام ناروئی جو کہ مشاہیر مشائخ چشت اور خواجہ حالی گوالیری کے خلفائے ہیں سے تھے۔ کی صحبت میں رہے یہی صحبت ان کے موافق آئی کئی سالوں تک ریاضتیں کیں۔ اور فیوض حاصل کئے اور مرتبہ ارشاد و تکمیل پر پہنچ کر اپنے وطن واپس آئے۔ سننے میں آیا ہے کہ شیخ نظام خود اکتسابی علوم زیادہ نہیں جانتے تھے۔ ان کے گھر میں علمی فیض شیخ ابوالفتح کی بدولت ہے جو شیخ کی اولاد کی تربیت و تکمیل میں کمر بستہ ہوئے اور تھوڑے عرصہ میں دانشمند و نامور بنا دیا۔

یہ بھی سنا گیا ہے کہ ایک صاحب دل بزرگ نے شیخ ابوالفتح کو نظام کی خدمت میں دیکھ کر بہت تعجب کیا اور کہا کہ آفتاب ستارے کی پناہ لٹے ہوئے ہے سا و کما قال۔

یہ بھی سنا گیا ہے کہ شیخ ہیبت اللہ انصاری جو کہ شیخ عبدالعزیز کے خلفائے ہیں سے تھے۔ اور پھلت کے باشندے تھے۔ نے اپنی وفات کے وقت وصیت کی کہ میری نماز جنازہ شیخ ابوالفتح پڑھائیں۔ اس وقت شیخ نارنول میں تھے۔ لوگ انتظار کر رہے تھے اور وضو کر رہے تھے کہ شیخ ابوالفتح بجماعت تمام پہنچے اور نماز جنازہ کے امام بنے۔ ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ

بسرعت تمام وطن پہنچنا چاہیے۔ گویا ان کے وطن پہنچنے کا واقعہ اسی سے متعلق تھا۔ اور یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ دونوں شیوخ نے آپس میں معاہدہ کر رکھا تھا کہ جو شخص پہلے فوت ہوگا۔ دوسرا اس کی نماز جنازہ پڑھانے گا۔ جب شیخ ہیبت اللہ کی مرض الموت میں شیخ ابوالفتح نے جانے کا ارادہ کیا تو شیخ ہیبت اللہ نے انہیں وہ عہد یاد دلایا۔ شیخ نے کہا وہ عہد ضرور پورا ہوگا۔ پس ان کا پھلت پہنچنا اسی غرض سے تھا۔ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ شیخ ابوالفتح کی شادی خواجہ طیفور کی عفت مآب بیٹی سے ہوئی۔ محفل نکاح میں جب گانے کی آواز بلند ہوئی تو شیخ ابوالفتح کی حالت متغیر ہو گئی۔ اور وجد و رقص میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ خواجہ طیفور کا مسلک انکارِ سماع تھا اور سننے والوں کو منع کرتے تھے۔ اس قصہ کو خواجہ طیفور تک پہنچا یا گیا۔ خواجہ نے آکر دیکھا اور فرمایا اس عزیز کو حقیقی وجد ہوا ہے۔ اس پر انکار نہیں کیا جاسکتا۔ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ جب شیخ ابوالفتح کے انتقال کا وقت آیا تو اپنے بھتیجے شیخ ابوالحسن کو اشارہ کیا کہ قرآن مجید سے کچھ پڑھو جب وہ تلاوت سے فارغ ہوا تو شیخ ابوالفتح نے فاتحہ کے لئے ہاتھ اٹھائے اور سبحان ربك رب العزت عما یصفون پڑھتے ہوئے ہاتھ چہرے پر پھیرتے ہی روح قبضِ عنقریب سے پرواز کر گئی شیخ ابوالفتح کا اورادِ مشائخ میں ایک لطیف رسالہ بھی حاصل کلام یہ کہ جب شیخ ابوالفتح کے ایامِ زندگی اختتام پر پہنچے تو ان کے بڑے لڑکے شیخ ابوالفضل نے مسندِ دعوت و ارشاد کو زینتِ بخشی۔ طویلِ زندگی پائی اور وہ تمام حصولِ رضائے الہی دنیا اور اہل دنیا سے عدمِ التفاتِ علوم و دینیہ کی بڑی گہری نظر سے تحقیق و تدقیس اور کتبِ سلوک مثلاً اجیاء العلوم اور عینِ العلم پر عمل میں گذاری۔ آپ آدابِ طریقت میں خوش مشرب تھے۔ فقیرِ شاہ ولی اللہ نے عینِ العلم کا نسخہ جس پر شیخ ابوالفضل نے اپنی قلم سے حواشی کا اضافہ کیا ہے کی زیارت کی ہے۔ ان حواشی کی خوبی سے شیخ کی تحقیق اور نظر کی گہرائی پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔ — سننے میں آیا ہے کہ ایک روز آپ نے اپنے کسی عزیز کو کسی چیز کو لانے کے لئے فرمایا۔ اس شخص نے اس میں سے کچھ اپنے پاس رکھ لیا۔ اور کچھ شیخ کے پاس پہنچا دی۔ اسی دوران میں آپ کے پاس کسی نے حلوہ بھیجا۔ شیخ نے اسے تقسیم کر دیا جب اس شخص کی نوبت آئی تو اسے دوسرے لوگوں سے بہت ہی کم دیا۔ فرمایا کہ یہ تمہاری خیانت کی وجہ سے ہے۔

سننے میں آیا ہے کہ جب شیخ ابوالفضل کی زندگی کے دن پورے ہو گئے تو ان کے بڑے فرزند

شیخ ابوالکریم جو پہلے نوکری کرتے تھے سجادہ نشینی کی کوشش کرنے لگا۔ اور اس کام کو سنبھالنے کا ارادہ کیا اور رشتہ داروں کی ایک جماعت اس کی حمایت میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ شیخ مبارک جو شیخ کا خادم تھا یہ صورت حال دیکھ کر متفکر ہوا۔ اور شیخ کی روح کی طرف متوجہ ہوتا کہ اس مسئلہ کی حقیقت پر مطلع ہو۔ شیخ نے خواب میں اس سے کہا کہ میرا سجادہ نشین وہ ہے جو کل فلاں درخت کے نیچے کھانا تقسیم کریگا۔ شیخ مبارک نے اس خواب کو ایک جماعت کے سامنے بیان کیا۔ اتفاقاً صبح سویرے عجیب اتفاق ہوا کہ شیخ محمد عاقل کے ہاتھوں کھانا تقسیم ہوا۔ آہستہ آہستہ ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ شیخ ابوالکریم کی جمعیت متفرق ہو گئی اور وہ اس مشکل وقت میں جو درویشی کا لارہ ہے صبر نہ کر سکے۔ حاصل کلام یہ کہ شیخ محمد عاقل طلباء اور فقراء کی رعایت فرماتے اور اوراد و وظائف پر سختی سے کار بند رہنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ جو دو سخاوت ترک دنیا میں بہت بلند مقام رکھتے تھے۔ ان کے بڑے فرزند مخدومی شیخ محمد تھے۔

حضرت شیخ محمد۔ آغاز کار ہی سے آر۔ کی پیشانی سے رشد و ہدایت کے آثار ظاہر تھے اور اہل دل ان کے حال پر التفات کرتے چنانچہ شیخ جلال جو کہ شیخ بنوری کے خلفاء میں سے تھے اور اس علاقہ میں گوشہ نشین تھے۔ شیخ محمد عاقل کے ساتھ گہری دوستی رکھتے تھے جب شیخ پیدا ہوئے تو انہوں نے خوشخبری دی اور تصریح اور کنایہ سے خواص کو مطلع کیا کہ یہ نونو لو دہیت بڑے مرتبہ کا مالک ہے۔ ان کی ولادت کے موقع پر ایک دینار بطور ہدیہ دیا اور اپنی وفات کے وقت وصیت فرمائی کہ میرا قرآن مجید ان کو پہنچا دیں۔

جب شیخ سن تیز کر پہنچے تو علوم حاصل کرنے میں مشغول ہوئے۔ آپ نے اپنی تعلیم کا کچھ حصہ ناول میں اور کچھ حصہ مخدومی شیخ ابوالرضا محمد کی خدمت میں رہ کر حاصل کیا۔ اس کے بعد قدوہ ارباب کمال سیدی و والدی شیخ عبدالرحیم قدسی سرہ کی خدمت میں پہنچے۔ یہ صحبت انہیں بہت موافق آئی۔ وہاں سے علوم حاصل کئے۔ پھر انہیں غیرت خدا طلبی کا خیال پیدا ہوا۔ انہوں نے جو ان مردوں کی طرح اس پر لبیک کہا۔ انہوں نے ان تمام سرشپوں سے استفاضہ کیا۔ ساہا سال تک طلب کی کٹائش میں ثابت قدمی سے صوفیا کے تمام اشغال حاصل کئے۔ یہاں تک کہ حکم

کان للہ بودی در ما مضی تاکہ کان اللہ لہ آمد جزا

رہا ماضی میں چونکہ لٹری کے لئے تھا اس لئے کان اٹھانے اس کی جزا ہے۔

مقام تکمیل و ارشاد حاصل کر کے وطن آئے۔ حاصل کلام یہ کہ آپ کی پسندیدہ سیرت برقی کہ جو دو سہا تو واضح و انکساری ترک خواہشات نفس اپنے مرشد کے اجترام اور ایام طلبہ ارشاد و روزوں میں اپنے شیخ کی رضا جوئی افادہ ظاہری و باطنی اور تاثیر تو جبر میں اپنے تمام خاندان کے صوفیاء سے سبقت لے گئے تھے۔ اور اپنے معصروں کیلئے مقابلہ کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی تھی۔

شیخ محمد فرماتے تھے کہ اثنائے تحصیل علوم میں سہ ماہی شیخ کا دل اکثر تہجد کی طرف مائل تھا اس لئے جناب کے اسباق تھوڑے تھوڑے ہوتے تھے۔ اس بات سے دل میں غم پیدا ہو گیا۔ اتفاقاً اسی دوران میں شہر کے ایک فاضل شخص کے مدرس سے میرا گزرا ہوا سبق پران کی پابندی دیکھ کر میرا پختہ ارادہ ہو گیا کہ چند ضروری کتابیں ان سے پڑھی اور سنی جائیں جب میں حضرت کی مجلس میں پہنچا۔ میری طرف اپنے دیکھا اور قلم اٹھا کر کاغذ کے ٹکڑے پر دو تین کلمے لکھ کر وہاں پھینک دیا اور آٹھ کر گھر چلے گئے۔ میں نے دیکھا لکھا تھا۔ آج تو کہاں گیا تھا مجھے تجھ میں ظلمت دکھائی دیتی ہے میں نے توبہ کی اور اس عزم سے باز آیا۔ پھر ایسی صورت ظاہر نہ ہوئی۔

ایک روز حضرت والا مرشد شیخ محمد نے اپنے ایک مرید کو کسی کے گھر ایک بکری پہنچانے کا حکم دیا جب اس نے دیکھا کہ بکری کا ہنکانا اور اٹھانا مشقت سے خالی نہیں تو اس نے سوچا کہ کسی مزدور کو تلاش کرے۔ اس وقت کوئی مزدور دستیاب نہ ہو سکا۔ اس لئے تاخیر ہو گئی جب آپ کو اس بات کا علم ہوا تو بڑی تیزی سے اس بکری کو گردن پر دکھا اور چل دینے جب واپس آئے تو حضرت والا نے دونوں کے حالات سے مطلع ہو کر فرمایا کہ انہیں شیخ محمد کو حسن خدمت کی وجہ سے مقربین کے درجات تک پہنچا دیا اور دوسرے کو اس کے قصور نے اس مرتبہ سے باز رکھا۔ پس یہ ثابت ہو گیا۔

فرماتے تھے کہ آدھی رات کا وقت تھا یا کچھ کم یا زیادہ کہ حضرت والا سجدہ سے اٹھے اور جب دروازہ پر پہنچے تھوڑی دیر مراقبہ کی حالت میں کھڑے رہے پھر فرمایا اگر کوئی طالب تمہاری طرف رجوع کرے تو اس کو تلقین کر تجھے اجازت دیتے ہیں میں نے سوچا کہ میرے دل میں تو اس کا کبھی خیال پیدا نہیں ہوا تھا اس لئے مجھے قدرے توقف ہوا وہ میرے اس خیال

سے مطلع ہو گئے فرمایا کہ اس وقت وہ لوگ جو بالواسطہ یا بلاواسطہ تجھ سے بیعت کریں گے۔ مجھے ان تمام کے نام بتائے ہیں۔ اگر تم چاہو تو ان میں سے کچھ بیان کر دوں۔ جب کوئی کام مقدر ہو گیا ہو تو پھر توقف کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

فرماتے تھے کہ ایک امیر کو جس بیل کی شکایت پیدا ہو گئی۔ ہر چند علاج کیا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اسی اثنا میں شیخ بایزید اللہ گو مساکین کی ایک جماعت کے ساتھ وہاں سے اللہ اللہ کہتے ہوئے گزریں جیسا کہ ان کا دستور تھا۔ ان کے دروازہ پر گزرتے ہوئے۔ اس کے متعلقین بھاگے اور بہت مبالغہ کیا کہ یہاں ایک بہید ہے اس کی طرف توجہ فرمائیے۔ شیخ اس کے گھر میں داخل ہوئے۔ بیمار کے اضطراب اور بے چینی کو دیکھا۔ شفقت کی اور فرمایا کہ خدا کے لئے کوئی چیز لاؤ۔ اس نے کہا جس قدر آپ فرمائیں بسر یا یا فی المحل ایک ہزار روپیہ لے آؤ۔ انہوں نے فوراً حاضر کر دیا۔ شیخ دروازہ سے باہر کھڑے ہو گئے اور آشنا اور بیگانہ جو سامنے آیا ان میں تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ روپے ختم ہو گئے۔ فرمایا کہ اب کیسا؟ انہوں نے کہا اسی طرح ہے۔ فرمایا ایک ہزار روپیہ مزید لاؤ۔ وہ لے آئے تو اسے بھی تقسیم کر دیا۔ پوچھا کہ اب کیسا ہے۔ انہوں نے کہا اسی طرح ہے۔ آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائیے۔ عرض کیا خداوند! مجھے پھر مانگتے ہوئے شرم آتی ہے۔ اپنے فضل سے اس کی ضرورت پوری فرمائیے۔ اسی وقت اس کا پیشاب کھل گیا۔ اور شنا یا ب ہو گیا۔

فرماتے تھے کہ سات سال ہو گئے ہیں کہ میں خود کو خود میں نہیں پاتا اور یہ رباعی پڑھی ہے

لے دوست ترا بہر مکان حے بستم      وز تو خبری ازیں و آن می بستم  
دیم تو خویش را تو خود من بودی      بخلت زدہ ام کن تو نشان حے بستم

حضرت شیخ محمد فرماتے تھے کہ ایک روز حق سبحانہ و تعالیٰ ایک دوست کی شکل میں اس طرح ظاہر ہوئے گویا ایک بچے کو انگلی سے پکڑے ہوئے لار ہے ہیں۔ پھر فرمایا اس بچے کو تمہارے گھر میں پیدا کرونگا میں نے عرض کیا خداوند! تیری مخلوق ہے تو جہاں چاہے پیدا کر دے۔ اس واقعہ کے تھوڑے عرصہ بعد مخدومی شیخ عبد اللہ سلمہ اللہ تعالیٰ پیدا ہوئے جو حضرت شیخ محمد کے سب سے بڑے فرزند تھے۔

فرماتے تھے کہ میرے آقارب میں سے محمد سخی نامی شخص پور کے نواح میں شہید ہوا تھا طابعلی

کے زمانہ میں جو مسجد کے حجرہ میں تنہا بیٹھا ہوا تھا اور دروازہ بند کیا ہوا تھا کہ اچانک وہ عزیز  
تمثل ہو گئے۔ میں نے دیکھا کہ اس کے لباس اور ہتھیاروں سے شعاعیں نکل کر زمین پر پڑتی  
ہیں۔ میں نے کہا اپنے حالات مجھے بتائیے۔ اس نے کہا جس وقت مجھے زخم آتے تھے تو اسی  
لذت پاتا تھا جن کی لذت اب تک میرے دل میں باقی ہے۔ اب بادشاہ کی فوج فلاں مہینا نہ کو  
توڑنے کے لئے نکلی ہے۔ یہیں بھی ان کی رفاقت کا حکم ہو رہا ہے۔ اس تقریب کے راستہ سے ہمارا  
گزر ہوا۔ چونکہ مجھے تمہاری ملاقات کا شوق تھا۔ تمہارے حجرہ میں چلا آیا۔ چپ شیخ محمد نے وفات  
پائی تو والد صاحب ان کی قبر پر بیٹھے اور دوستوں کو ذکر چہر کرنے کی ہدایت فرمائی اس  
صحبت کے بعد فرمایا کہ ان کی روح ظاہر ہوئی اور کہا کہ میرا ارادہ تھا کہ میں تمہارے  
سامنے آؤں۔ مجھے اس بات کی قدرت عطا کی گئی ہے لیکن مصلحت نہیں تھی۔ اب حضرت شیخ  
محمد کے کچھ تصرفات اور بعض کرامات تحریر کرتا ہوں۔

سید علی جو آپ کے خاص مریدوں میں سے تھے ذکر کرتے ہیں کہ عنفوان شباب میں  
میں شراب نوشی میں منہمک تھا اور کسی بُرے کام سے باز نہیں آتا تھا۔ میں نے اپنے دل میں  
فیصلہ کیا کہ اگر کسی بزرگ کی زیارت سے ان بُرے کاموں سے بیزار ہو جاؤں اور تقویٰ کا  
خیال میرے دل میں مستحکم ہو جائے تو میں ان کی صحبت کو لازم پکڑوں گا اور اس سے بیعت  
ہو جاؤں گا۔ حضرت والا کسی کام سے بستی سرانے میں آئے۔ اس تعلق سے کہ میرے والد  
صاحب ان کے معتقد تھے میں بھی آیا حضرت والا نے میری طرف توجہ کی اور فرمایا کہ تم  
کہاں تھے اور کہاں لو کر ہو۔ اس قسم کی دو تین باتیں فرمائیں۔ میرے دل میں ان سے عجیب  
کشش اور ان بُرے کاموں میں نفرت پیدا ہو گئی اور لمحہ بھر بڑھتی رہی۔ میں نے اٹھ کر  
شراب کی تمام بوتلیں توڑ دیں۔ اور بُرے کاموں کے تمام اسباب دور کر دیئے۔ غسل کیا۔  
نئے کپڑے پہنے۔ توبہ اور بیعت کی اور ان کی صحبت کو لازم پکڑا۔ ایک مدت کے بعد مجھے کابل کے سفر  
کا اتفاق ہوا۔ میں نے عرض کیا کہ میں چاہتا تھا کہ آپ کی صحبت سے کچھ وقت پہرہ اندوز ہوتا۔ مگر  
کیا کروں قسمت مجھے کابل کھینچے لئے جاتی ہے۔ آپ نے یہ مشہور شعر پڑھا ہے  
گر در مینی چو با مینی پیش مینی در پیش مینی چو بے مینی در مینی



اور مجھے اجازت فرمائی اور میں کابل چلا گیا۔ وہاں ایک روز مجھے ایک عورت کے ساتھ تنہائی میسر آگئی اور بدکاری کی خواہش مجھ پر غالب آگئی اور قریب تھا کہ توبہ کا عہد ٹوٹ جاتا۔ اس وقت آپ کی صورت مبارک ظاہر ہوئی۔ صورت مبارک کو دیکھتے ہی اس کی شہوت جاتی رہی۔ اس ملک میں مہینے یا چار سال رہا۔ میرے دل میں کبھی عورتوں کا خیال نہیں آیا۔ میں نے خیال کیا کہ شاید میں نامرد ہو گیا ہوں۔ جب میں وطن لوٹا اور اپنی بیوی سے ملا تو مجھے معلوم ہوا کہ میں نامرد نہیں ہوں بلکہ یہ عصمت تھی۔

عظمت اللہ نامی ایک طالب علم خانقاہ میں رہتا تھا جو خوبصورت شکل و صورت کا مالک تھا جب وہ گاتا تو حضرت والا بہت خوش ہوتے۔ ایک رات آپ بہت زیادہ مسرور تھے۔ عظمت اللہ کو گانے کے لئے فرمایا۔ اس نے وضع داری کرتے ہوئے پرواہ نہ کی تین مرتبہ آپ نے مطالبہ کیا۔ اس نے اسی انکا پر اصرار کیا آپ ناراض ہوئے اور غصے سے اس کی طرف دیکھا۔ اسی وقت اس کی عجیب حالت ہو گئی چہرہ کانگ زرد ہو گیا۔ کپکپی طاری ہو گئی اور اس کے دل میں ہلاکت کا خوف طاری ہو گیا۔ اس نے محمد جعفر سے جو آپ کے خاص خدام میں سے تھا التجا کی۔ جب اس نے سفارش کی تو آپ نے غصہ معاف فرمادیا مگر فرمایا کہ وہ رغبت جو مجھے اس کی آواز سے تھی اب نہیں لوٹ سکتی۔ اس کے بعد چہرہ کی خوبصورتی جاتی رہی اور تمام لوگوں کی نظروں میں مردود ہو گیا اور انواع و اقسام کے برے کاموں اور فساد عقیدہ میں مبتلا ہو گیا اور کسی جگہ سے بھی وہ کچھ حاصل نہ کر سکا۔ والعیاذ باللہ

ایک مرتبہ سید برہان بخاری کو تونج کا عارضہ ہو گیا۔ سخت بیقرار ہوا حضرت والا کی خدمت میں التجا کی۔ آپ اس کے گھر تشریف لے گئے اور اس کے سر ہانے بیٹھے اور اس کی بیماری کو سلب کر لیا۔ جس سے وہ شفا یاب ہو گیا لیکن کبھی وہ عارضہ حضرت والا کو لاحق ہو جاتا تھا۔

میر عبد اللہ جو کہ آپ کے خاص مریدوں میں سے تھا بیان کرتا تھا کہ حضرت والا ایک بستی میں تشریف لے گئے اور میں ان کی خدمت میں تھا جب وہاں اپنی کارادہ پختہ ہو گیا تو مجھے سخت بخار آ گیا اور حرکت کی طاقت نہ رہی۔ میرے لئے سواری تلاش کی گئی لیکن میسر نہ آئی فرمایا اگر چل سکو تو میرے گھوڑے کے آگے چلو عجیب واقعہ مشاہدہ کرو گے۔ بڑی مشکل سے مجھے کھڑا کیا میں نے ان کی نظر مبارک کے سامنے پہلے کچھ کمی محسوس کی۔ ان کے گھوڑے کے آگے چلنا شروع کیا ہر لمحہ زیادہ کمی ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ مجھے مکمل شفا حاصل ہو گئی اور تمام راستہ سنوٹہ کی بستی

تک چلا۔ آپ کے ایک مخلص نے دعوت کی اور کھانا تیار کیا۔ جو پندرہ آدمیوں کو کفایت کرتا تھا۔  
 دسترخوان پر بیٹھے ہوئے تھے کہ نلو مہر کا حاکم ایک بڑی جماعت کے ساتھ آپ کی زیارت کے لئے آیا۔  
 صاحب طعام مضطرب ہوا۔ فرمایا اس کام کا فکر نہ کرو۔ اس کی ذمہ داری ہم پر ہے۔  
 پھر فرمایا بہت سی صحنکیں لاؤ۔ تمام لوگوں کو کافی کھانا ملے گا۔ اور تمام سیر ہو جائیں گے۔  
 چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پھر آپ نے تبسم فرمایا اور کہا فقیر کبھی کبھی ایسا بھی کرتے ہیں۔

شیخ الشیخ ان کے قبیلہ کا ایک شخص تھا جو معتبر اور وجیہہ تھا۔ ایک روز آپ کی  
 خدمت میں بیوقوفی کی اور گستاخی دکھائی۔ آپ کی طبیعت اس سے کھٹی ہو گئی۔ فرمایا خداوند! مجھے  
 دوبارہ اس کا منہ نہ دکھانا۔ اسی وقت سوار ہونے اور چلے گئے۔ وہ شخص بیمار ہو گیا اور حالت  
 نزع کو پہنچ گیا۔ تیسرے روز واپس آئے تو مرحہ کا تھا اس کے جنازہ پر نماز پڑھی۔

شیخ عبدالوہاب جو آپ کا چچا بھائی تھا۔ اس نے ایک مکان تعمیر کیا۔ اس علاقہ کے ایک  
 رئیس رستم نامی نے اس کی عدم موجودگی میں اس کے گرانے کا ارادہ کیا۔ یہ قصہ آپ کے گوش گزار  
 کیا گیا۔ فرمایا یہ بات بہت ناپسند ہے کہ ہماری موجودگی میں شیخ عبدالوہاب کی عمارت کو گرا دیں۔  
 جنگ کرنا بھی فقیروں کا کام نہیں میں ایسا نہ صرف کرتا ہوں کہ وہ ہرگز یہاں نہیں پہنچ سکے گا۔  
 جب رستم عمارت گرانے کے لئے فوج اکٹھی کر کے نکلا۔ تو سید لشکر خاں کے عاملوں میں سے ایک  
 شخص جو اس کام میں اس کے ساتھ متفق نہیں تھا۔ راستہ میں درستی کی اور نوبت یہاں تک  
 پہنچی کہ اس عامل کا بھائی قتل ہو گیا۔ اس قتل کے بدلہ اس سے مواخذہ ہو گیا اور اسی مواخذے  
 میں مر گیا۔

سید محمد وارث ذکر کرتا ہے کہ مجھے ایک سفر پیش آ گیا میں نے جناب کی خدمت میں رجوع  
 کیا۔ مجھے آپ نے عافیت کی خوشخبری دی۔ اتفاقاً راستہ میں ایک رات ڈاکوؤں نے حملہ کیا۔ اور  
 ہلاکت کا خوف طاری ہو گیا میں آپ کی طرف متوجہ ہوا۔ اسی اثنا میں مجھے پرکپسی طاری ہو گئی  
 میں نے آپ کو خواب میں دیکھا۔ فرماتے تھے اے فلانے! تجھے کس نے منح کیا ہے اٹھو اور  
 جاؤ اور دولت و جوڑ سٹھانی کی ایک قسم ہے۔ مجھے عنایت فرمائے میں نے انہیں اپنی جیب  
 میں محفوظ رکھا۔ جب میں بیدار ہوا تو وہ دولت و میرے پاس تھے میں اٹھا اور سوار ہو کر

چل دیا۔ تمام ڈاکو مجھ سے غافل رہے۔ اور کسی شخص نے تعرض نہیں کیا۔ وہ لڈو عرصہ تک میرے پاس رہے جب آپ نے انتقال فرمایا تو میں نے انہیں کھالیا۔

آپ کی ایک مخلص متوصلہ کو جو کہ ایک بوڑھی عورت تھی۔ آپ کی وفات کے بعد تپ لرزہ نے آیا۔ اور بہت کمزور ہو گئی۔ ایک رات پانی پینے اور کھانے کی اسے ضرورت ہوئی لیکن اس میں اتنی طاقت نہ تھی وہاں کوئی موجود بھی نہیں تھا۔ اب متمثل ہوئے پانی دیا اور کھانے اور پانی اور کھانے ہو گئے۔

جن دونوں شاہ عالم اور اعظم آپس میں لڑ رہے تھے حضرت والا کے ایک مخلص نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ ان دونوں میں سے جس کی فتح ہوگی وہ بتائیے تاکہ میں اس کا ساتھ دوں۔ آپ نے صراحت سے لکھا کہ فتح عالم شاہ کو ہوگی چنانچہ اسی طرح ظہور پذیر ہوا۔ کفار مانکیاں نے متبعین پیدا کر کے ایک گروہ تیار کر لیا تھا جو اکثر اس علاقہ کی بستیوں کو لوٹا کرتے تھے بستی والے تمام پریشان ہو گئے تو دعا اور توجہ کی درخواست کی فرمایا اس سے پہلے تو جس چیز کی طرف چاہتا تھا ہمت متوجہ ہو جاتی تھی۔ اب تو ہمت اور ارادہ ہی باقی نہیں رہا جو کسی چیز سے متعلق ہو لیکن خدا تعالیٰ کے حکم کی اتباع کرتے ہوئے اس کے اسماء سے تمسک کرنا چاہیے۔ پھر ختم خواجگان میں مشغول ہوئے۔ فراغت کے بعد فرمایا دعا قبول ہو گئی اور حق سبحانہ و تعالیٰ نے اس قوم کو ہماری طرف سے پھیر دیا ہے۔ چند دن بھی نہیں گزرے تھے کہ ایسا ہی ہوا۔

حضرت والا جب کسی کی طرف نظر کرم سے دیکھتے تھے تو جلد ہی وہ غیبوت میں پہنچ جاتا اور عجیب حالات رونما ہوتے تھے۔

ایک مرتبہ موضع سنبلہ پٹہ کے باشندوں نے تاثیر اور توجہ کی استدعا کی۔ ایک ہی نظر مبارک سے سید نور علی اور سید ملتانی وغیرہ سترہ اشخاص بخود ہو کر گر پڑے۔ ایک مرتبہ قصبہ لادکا شیخ مانگے آپ کی خدمت میں آیا اور کہا حضرت! میں آپ کے تاثیر کے امتحان کے لئے آیا ہوں حضرت ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ اشراق کے وقت سے جمعہ کے وقت تک بے خود پڑا رہا۔ جب اسے حرکت دی اور متنبہ کیا تو بھی مستانہ وار چلپتا

تھا جب وہ اپنی حالت پر آیا تو اس سے پوچھا تو کہنے لگا اگر ایک ساعت اور میری طرف متوجہ رہتے تو میری روح قفسِ عنصری سے پرواز کر جاتی۔

سید عبدالرحیم اور سید ہاشم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صحبت اور صحبت کیلئے ربط پیدا کیا۔ آپ کی صحبت کی تاثیر سے ہر ایک میں عجیب حالت سرایت کر گئی سید عبدالرحیم کو دلوں اور قبور کا کشف حاصل ہوا جس قبر کے پاس جانا اس کا حال بیان کرتا۔ ایک مرتبہ اس کا تالی کے نزدیک کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ زمین سے ایک شعلہ نکلا ہے اور آسمان سے جا کر مل گیا ہے۔ جب قبر کے نزدیک پہنچا تو کہا کہ شعلہ اس قبر سے نکلتا ہے جب تحقیق کی تو وہ صاحبِ قبر ظلم و فسق سے متصف نکلا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ کسی شخص کے سامنے جانا اور اس کے دل میں پوشیدہ باتوں کو بیان کرتا۔ آہستہ آہستہ اس کی عقل جاتی رہی اور مجذوبوں کی طرح پھرتا تھا۔ اس کی والدہ نے حضرت کی خدمت میں بہت گریہ و زاری کی۔ فرمایا کہ اسے چند روز میرے پاس رہنا چاہیے۔ اسے ایک مدد تک آپ کی نظر مبارک کے سامنے رکھا۔ چند دنوں میں افاقہ ہو گیا اور سید ہاشم کی یہ کیفیت ہو گئی کہ جس شخص کو جن پریشان کرتا اسے دیکھتے ہی جن بھاگ جاتا ایک دنیا ان کی نظر کے سبب جن کے آسبک نجات پاتی تھی۔ آہستہ آہستہ وہ بھی مجذوب ہو گیا۔ صبح اور بیابان میں پھرتا تھا۔ ایک رات ایک ہندو فقیر کے تکیہ پر پہنچا جو ہندوؤں کا معتقد تھا۔ اس نے جادو کر دیا۔ تلاب کے کنارے سے سنگریزوں پر خشک چمڑے کے گزرنے کی آواز آتی تھی۔ اس نے کوئی پودا نہ کی۔ اس کے بعد ایک خوفناک بھینے کی شکل میں دیو متشکل ہوا اور اس پر حملہ کر دیا وہ پوریستی میں حتیٰ کہ کہتا ہوا اس کی طرف بڑھتا تھا۔ ایک ساعت میں ریزہ ریزہ ہو کر ہو میں پھیل گیا۔ جب ہندو نے یہ واقعہ مشاہدہ کیا تو مسلمان ہو گیا۔

ایک مرتبہ ایک شخص عبدالسبحان نامی ان سے بلا۔ اس پر ایسا تصرف کیا جس سے اس پر عقید کی ایک قسم منکشف ہوئی۔ دیوانہ وار کوچہ و بازار میں پھرتا تھا اور ہر چیز کو خدا کہتا تھا اور تمام شرعی اور عرفی حدود سے نکل گیا۔ لوگ اس وجہ سے تنگ آ گئے اور اسے دوبارہ آپ کی نظر کے سامنے لانے۔ آپ نے وہ تمام کیفیت کھینچ لی تو اسے افاقہ ہو گیا۔

سید عنایت اللہ ساکن سنبلہ پٹہ کو آپ کی توجہ سے تھوڑے زمانہ میں غیب کی باتوں کا

کشف حاصل ہو گیا کہتے ہیں کہ ایک بار وہ بیمار تھا حضرت دالہ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ اسے آپ کے سوار ہونے کے وقت سے وہاں پہنچنے کے وقت تک کے تمام حالات منکشف ہو گئے گویا وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے جب سوار ہوئے تو اس نے کہا۔ اب سوار ہوئے، پھر کہا اب فلاں جگہ پہنچے ہیں، پھر کہا اب ہمارے شہر میں آگئے ہیں۔ دوستو! جلد ان کے استقبال کے لئے جاؤ پھر کہا اب ہمارے دروازے پر پہنچ گئے ہیں۔ مجھے بٹھا دو۔

سید بلتانی آپ کی خدمت میں رہے اسے عجیب و غریب غیبت حاصل ہوئی، لوگوں کے شور و غل کا اسے کوئی احساس نہیں ہوتا تھا۔ اس پر توحید کا غلبہ ہو گیا کسی نے اس سے توحید کی مثال پوچھی تو بتایا اس کی مثال ایسی ہے کہ ریت سے گھڑا بھر دیں۔ اور اس میں پانی ڈال دیں تو جس طرح پانی تمام ذرات میں سرایت کر جاتا ہے ایسے ہی اس کی مثال ہے۔

محمد محسن نے آپ کے ساتھ تعلق پیدا کیا، تھوڑے وقت میں آگاہی ذات سے مشرف ہوئے اور ہمہ اوست کی معرفت کا ان پر غلبہ ہوا، آپ نے محمد جعفر کو اس پر متعین کر دیا تاکہ اس کی نماز فوت نہ ہو۔ چند دنوں کے بعد اس سکر سے کچھ افاقہ ہوا۔ اس کے بعد محمد محسن کی توجہ یہاں تک پہنچی کہ ایک مرد ایک عورت کی محبت میں گرفتار ہوا اور دیوانہ وار روتا پھرتا تھا، بعض دوستوں نے اس سے کہا افسوس ہے کہ اگر یہ مرد ہاتھ سے جاتا رہے، محمد محسن نے اسے اپنے پاس بلایا اور ایک ساعت اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس عورت کی محبت اس کے دل سے بالکل نکل گئی۔ اور اس کی جگہ محبت الہی پیدا ہو گئی۔

عبدالہادی نامی شخص جو سماع و وجد کا منکر تھا ان کی خانقاہ میں ٹھہرا۔ اتفاقاً ایک روز آپ بھی مجلس سماع میں مدعو تھے۔ راستہ میں خوش طبعی سے اسے فرمایا کبھی تم نے وجد بھی کیا ہے، اس نے کہا نہیں۔ فرمایا کیا تم وجد کرنا چاہتے ہو۔ اسے بہت تعجب ہوا، سماع کے وقت اس کی طرف متوجہ اور اس میں تصرف کیا، مستانہ وار حرکتیں اس سے ظاہر ہونے لگیں اور ان میں لمحہ مضاف ہوتا رہا، دور و نزدیک اسی طرح بے خود رہا۔

نھو نامی ایک شخص ساکن جہان آباد، آپ کی خدمت میں آیا، اس کی طرف متوجہ ہوئے بے خود ہو گیا۔ اس دوران میں جوں سے دیکھتا متاثر ہوتا، حاصل کلام یہ کہ آپ کے تصرفات اور

کرامات حد و شمار سے باہر ہیں۔ مشتے نمونہ از خرد اسے کے طور پر یہ چند ذکر کی گئیں۔  
حضرت شیخ محمد ۸ جمادی الاول ۱۲۲۵ھ ہجری میں فوت ہوئے۔ رضی اللہ عنہ وارضاه  
والحقنا بہ۔

## حرین شریفین کے متاخرین مشائخ کے مختصر حالات

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد لله الذی جعل الحرمین خیر بلادہ  
واسکن فیہما فی کل قرن صفوۃ عبادہ وصلى الله على سيدنا محمد وآله  
وصحبه اجمعين۔ حمد و صلوة کے بعد فقیر ولی اللہ عنہ کہتا ہے کہ یہ چند کلمات جنہیں  
”انسان لعین“ی مشائخ الحرمین کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ حرین شریفین کے بعض ان مشائخ  
صوفیاء اور علماء محدثین کے حالات پر مشتمل ہیں جن سے اس فقیر کو سلسلہ خرقہ صوفیاء اور اسناد و  
حدیث پہنچی ہیں۔ جزا ہم اللہ تعالیٰ عنی خیر الجزاء

آپ علی بن عبد القدوس بن محمد عباس شنادی کے فرزند  
ہیں آپ کے آباؤ اجداد کبار اولیاء سے ہوتے ہیں۔ شیخ

عبدالوہاب شعراوی نے ان کے کچھ حالات قلمبند کئے ہیں۔ آپ علم شریعت اور طریقت کے جامع  
تھے۔ آپ نے علم حدیث شمس علی اپنے والد سید غضنفر اور شیخ محمد بن ابی الحسن سے حاصل کیا  
اور اپنے والد سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ ان کے بعد سید صبغۃ اللہ کی صحبت کا التزام  
کیا اور ان سے بھی خرقہ خلافت پہنا اور انکی صحبت میں درجات عالیہ کو پہنچے اور ان سے خلافت حاصل  
کی اور سائیکس کی تربیت کے لئے ان سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا۔

لوکان الشعراوی حیامنا وسعہ الا اتباعی راگر شعراوی زلدہ ہوتے تو ان کیلئے بھی  
میری اتباع کے بغیر چارہ کار نہ ہوتا، انہوں نے فرمایا عہد نا بحفظ وان لم یحفظ  
کاتب حروف کہتا ہے کہ متاخرین اہل حرین کی اصطلاح میں قبول بیعت اخذ عہد کو کہتے  
ہیں یعنی جب بھی مشائخ صوفیہ اس کی بیعت قبول کرتے ہیں اس طریقہ کے مشائخ کی برکت زندہ  
ہم یا گئے ششہ کی برکات اس کے شامل حال ہو جاتی ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ لا یدخل النساء

من رآنی ودای من رآنی الی یوم القیمة (وہ شخص دوزخ میں داخل نہیں ہوگا جس نے مجھے دیکھا یا۔ اس کو دیکھا جس نے مجھے دیکھا یہ سلسلہ قیامت کے دن تک رسے گا) کہتے ہیں کہ ایک روز اپنے حجرہ میں سوئے ہوئے تھے کہ اپنے ایک گرگٹ کو دیوار پر جاتے ہوئے دیکھا۔ حکم شرعی کے مطابق اسے مارنا چاہا مگر شہود وحدت نے اس خیال کو کمزور کر دیا پھر اسے مارنا چاہا مگر شہود وحدت نے اس خیال کو مضحک کر دیا۔ خلاصہ کلام یہ کہ ان دو خیالات میں متردد ہو گئے۔ آخر کار شرعی حکم کی اتباع کا مصمماً ارادہ کر کے ایک پتھر اس کی طرف ملا۔ اتفاقاً نشانہ خطا ہو گیا اور گرگٹ بھاگ گیا۔ بہت خوش ہوئے اور کہا الحمد للہ الذی جمع لنا بین الامرین۔ شیخ احمد قشاشی نے اس حکایت کے بعد کہا اگر میں وہاں ہوتا تو ہرگز توقف نہ کرتا اور اس گرگٹ کا سر پتھر سے کچل دیتا۔

کاتب حروف کہتا ہے کہ قشاشی کی مراد اس سے یہ تھی کہ وحدت حقیقت میں ایسے طریقہ سے واقع ہے کہ کثرت اور اس کے احکامات سے کوئی منافات نہیں رکھتی۔ اگرچہ پانی اور آگ وجود میں ایک ہوں لیکن جب ہر ایک ایک خاص فیض کا منبع ہو گئی اور خاص استعداد کا مظہر ہو گئی پانی آگ سے معصوم نہ ہو جاتا اور آگ پانی سے بھج جاتی ہے۔ شرح کا حکم ان احکام کثرت میں ضبط ارتباط ہے اور شہود کامل یہ ہے کہ وہ وحدت کثرت کی مزاحم نہ ہو اور نہ ہی کثرت وحدت کی مزاحمت کرے۔

چوبے رنگی اسیر رنگ شد موسوی با عیسوی در جنگ شد

آپ شہداء میں فوت ہوئے اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

**شیخ احمد قشاشی** | آپ محمد بن یونس القشاشی المعروف بعبد النبی ابن شیخ احمد الدجانی کے فرزند تھے دجاہ (تخفیف جمیم) بیت المقدس

کے مواضع میں سے ایک موضع ہے۔ شیخ احمد دجانی اسی بستی کے بہت بزرگ آدمی تھے شیخ عبدالوہاب نے طبقات میں ان کے حالات لکھے ہیں۔ اور شیخ یونس کو عبد النبی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ لوگوں کو اجرت دے کر مسجد میں بٹھاتے تاکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجیں۔ قشاشی اس لئے کہتے ہیں کہ اپنے آپ کو چھپانے کے لئے مدینہ منورہ میں قشاشہ فروشی کرتے تھے اور قشاشہ پرانی بیکار گری پڑی چیزوں کو کہتے ہیں۔ جیسے

دوا میں اور پرانے جوتے وغیرہ اور محمد مدنی بھی عالم اور صالح تھے۔ شیخ احمد قشاشی علم حقیقت اور شریعت میں امام تھے۔ حقائق معرفت میں باتیں کرتے تو وہ آیات احادیث سے مدلل ہوتے انہوں نے بہت سے مشائخ کی صحبت حاصل کی ماورائے والد سے خرقہ پہنا۔ لیکن انہیں شیخ احمد شناوی سے مقصد حاصل ہوا۔ اسی لئے انہوں نے خود کو ان کی طرف منسوب کیا۔

کہتے ہیں کہ شیخ احمد قشاشی سیاحت کے لئے گئے ہوئے تھے تاکہ مشائخ صوفیہ سے ملیں۔ جب واپس آئے تو جدہ میں پہنچے تو خواب میں انہیں دکھایا گیا کہ شیخ احمد شناوی ہیں اور ان کی شرمگاہ سے منی بہہ رہی ہے اور ان کے پاؤں اور کپڑے آلودہ ہو گئے ہیں۔ جب بیدار ہوئے تو انہوں نے سمجھ لیا کہ شیخ مرتبہ کمال کو پہنچ گئے ہیں۔ لیکن ان کا فرزند کوئی معنوی پیدا نہیں ہوا بلدی سے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے شناوی نے جب انہیں دیکھا تو کہا۔

مرحبا بمن جاء بقتبس مناعلو مننا۔ رہم اس شخص کو خوش آمدید کہتے ہیں جو ہم سے ہمارے علوم حاصل کرتا ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک رات انہوں نے خواب میں دیکھا کہ شیخ محی الدین بن عربی نے انہیں خرقہ پہنایا اور اپنی بہن ان کے نکاح میں دیدی۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ ان کی وحدت الوجود کی معرفت درست ہو گئی ہے اور ابن عربی کی ہمیشہ کی یہی تعبیر ہے۔ شیخ احمد قشاشی کے ہاتھ سے لکھا ہوا پایا گیا جس سے قلبی لذت محکم ہوتی ہے۔ اور ختمیت حاصل ہوتی ہے۔ وہ مرتبہ الہیہ کا خاص مقام ہے اس کا حامل وقت اور زمانے کے موافق اس سے متصف ہوتا ہے۔ ایسا فرد ابدالاً بآداب تک پہنچا۔ یہاں تک کہ روٹے زمین میں اللہ اللہ کہنے والا باقی نہ رہے۔ کیونکہ مراتب الہیہ سے متصف لوگوں سے دنیا کا خالی ہونا ممکن نہیں یہاں تک کہ اس کا حامل نہ رہے، وہ اگلے پچھلے لوگوں کے مرتبہ عددی کا محی فظ ہوتا ہے۔ ان کی برکتوں سے جمیع مصالح تکمیل کو پہنچتے ہیں اور حاجات پوری ہوتی ہیں۔ اگرچہ وہ لاکھوں کی تعداد میں ہوں فرد واحد کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ہم نے حق بات کو ثابت کیا ہے اور سچی بات اختیار کی ہے اور بیان کی ہے جو شخص میری طرف سے ہے وہ مجھ سے ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو بکشتے والا رحم کرنے والا ہے۔ اہل ختمیت کے گروہ میں سے جن کو میں نے دیکھا ہے اور ہم سے ان تک سند کا



سلسلہ اللہ کے حکم سے ملا ہوا ہے منقطع نہیں ہے۔ وہ پانچ افراد میں جن کا چھٹا ان کا کتا ہے۔  
 (شاید اپنی ذات مراد لی ہے) یہ بات اسکل سے نہیں کہی گئی۔

کہتے ہیں کہ اپنی کسی ضرورت میں انہوں نے کاغذ کے ایک ٹکڑے پر لکھا یا رسول اللہ صلی  
 اللہ علیہ وسلم عليك انت اقرب الی متی ام هذا فی من قریبك منی وان بعدت  
 الا ما شفعت فی و فی قضاء حاجتی کلها الدنیویة والاخریة لی ومن  
 احب امین

اس کے چھ ماہ بعد سید محمد بن علوی نے آپ کو لکھا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی  
 زیارت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ احمد قشاشی سے میرا سلام کہو اور اسے میری شفاعت کی  
 خوش خبری دو اور اس سے اگلے روز دوبارہ سید محمد بن علوی نے کہا میں نے دوسری مرتبہ  
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ احمد قشاشی سے میرا سلام کہو  
 دو اور اسے یہ خوشخبری سناؤ کہ وہ جنت الفردوس میں میرا جلیس ہوگا۔

کہتے ہیں کہ جب مقامات کا ذکر آتا تو شیخ احمد فرماتے۔ ہمارا کوئی مقام نہیں کیونکہ اہل شرب  
 سے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ یا اهل یثرب لا مقام لکم گویا اس سے مقام  
 بے نشان کی طرف اشارہ کرتے تھے۔ اور اس بات کی طرف کہ وہ حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ  
 وآلہ وسلم کے نقش قدم پر ہیں۔

شیخ احمد قشاشی کی عجائب روزگار کرامات میں سے ایک یہ ہے کہ تمام قرآن مجید اپنے حضور  
 صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا تھا۔ اس طرح فقہ مالکیہ میں قدرہ عثمانیہ بھی۔

شیخ ابراہیم سے منقول ہے کہ ایک روز قشاشی نے اپنی مجلس میں یہ حدیث بیان کی۔  
 ما علی احدکم ان یکون فی بیتہ محمد و محمدان ثلثہ۔

اسی وقت میرے دل میں خیال گزرا کہ خدا تعالیٰ مجھے تین فرزند دے گا اور ہر ایک کا نام  
 محمد ہوگا۔ اس کے بعد مجھے تامل ہوا کہ ایک کو دوسرے سے کس چیز کے ذریعہ تمیز کروں گا۔ میرے  
 اس خیال سے آپ واقف ہو گئے۔ فرمایا ان میں سے ایک ابو سعید دوسرا ابو الحسن اور تیسرا

ابو طاہر کفایت اختیار کرے گا۔ ایک مدت کے بعد یہی صورت متحقق ہوئی۔

شیخ ابراہیم سے یہ بھی منقول ہے کہ قشاشی نے ایک روز میرے دل کی بات کہی۔ میرے دل میں خیال آیا کہ کاش یہ معاملہ اس سے پہلے ہوتا۔ شیخ نے میری طرف کوئی توجہ نہ فرمائی۔ اور فرمایا۔ ولو شاء الله ما تلوتہ علیکم ولا ادرکم بہ

شیخ قشاشی کی اس قسم کی کرامات اور تصرفات بے شمار بیان کئے گئے ہیں۔

الغرض قشاشی کی سیرت نہ تو فقہا، زمانہ کی طرز پر تھی اور نہ ہی خشک مزاج زاہدوں کی طرح بلکہ ان کا طریقہ متوسطہ اور بے تکلفی کا تھا کہ راہ سنت ہے ہے۔ امرار کے گھر میں نہیں جاتے تھے اور اگر وہ ان کی زیارت کے لئے آتے تو خندہ پیشانی اور بشارت سے ملتے، اور ہر شخص کے مقام و مرتبہ کے مطابق سلوک کرتے اور اسی قوم کے مغز شخص پر مزید اکرام کرتے اور بالمعروف انتہائی ملامت سے کرتے اور اپنے زاہرین کو نصیحت سے محروم نہ رکھتے۔ شیخ عینی نے کہا۔ ما خرجت من عند القشاشی قط الا والدنيا في عيني احقر من كل حقير ونفسي اذل من كل ذليل ولو تكررت خولي عليه مرات۔

میں جب بھی قشاشی کی مجلس سے اٹھا تو دنیا میری نظر سے سب سے زیادہ حقیر اور میرا نفس سب سے زیادہ ذلیل ہوتا خواہ متعدد بار میں ان کی مجلس میں حاضر ہوتا۔ آپ ۱۹ ذی الحجہ ۱۲۸۷ھ میں فوت ہوئے۔

**سید عبد الرحمن اللادری الشہیر بالجوب** رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ کی ولادت مغرب کے شہر کناسہ میں ہوئی تھی

مغرب مصر، روم اور شام کی سیاحت کی اس کے بعد کئی سال تک حرمین شریفین کی مجاورت کی۔ اس کے بعد اولیاء کی زیارت کے لئے یمن گئے۔ کیونکہ کہتے ہیں کہ یمن میں اولیاء یوں پیدا ہوتے ہیں جیسے زمین سے سبزی۔ انہیں یہاں ان کے ساتھ عجیب واقعات و لچسپے لچسپے رنگیں صحبتیں میسر آئیں۔ پھر جب مکہ واپس آئے اور یہاں قیام کیا تو اہل مکہ نے آپ سے استفادہ کیا اور خرقہ صوفیاء حاصل کیا۔ آپ سے بے شمار روایت بیان کرتے ہیں۔

شیخ زین العابدین شافعی فقہی مدینہ سے ہیں نے سنا۔ وہ اپنے والد سے جو سید محمد

کے خادم تھے۔ اور وہ سید محمد سید عبدالرحمن کے معتقد تھے۔ سے نقل کرتے ہیں کہ شریف مکہ کو کوئی ضرورت پیش آئی۔ اس نے سید عبدالرحمن محبوب کی طرف رجوع کیا۔ اور دعا کی درخواست کی۔ سید کچھ دیر تک سوچتے رہے پھر فرمایا کہ فلاں محلہ میں اس قسم کا مکان ہے۔ بریت الممال کے افسر کو پابیتے کہ اس میں سے شریف مکہ کو جس قدر ضرورت ہے لے لے اور باقی کو وہاں احتیاط سے چھوڑ دیں۔ لوگ اسی وقت گئے اور گھر کو اسی طرح پایا جیسا کہ انہوں نے بتایا تھا۔ وہاں سے بیس ہزار اشرفیاں لے لیں اور صندوق پر مہر لگا دی۔ اور سید صاحب کے پاس لے آئے۔ آپ نے اسے شریف مکہ کو دیدیا۔ تاکہ اپنی ضرورت میں خرچ کرے۔ شریف مکہ کا اس کے بعد ارادہ ہوا کہ باقی رقم بھی اپنے تصرف میں لائے۔ لیکن وہاں سے اسے نہ گھر ملا نہ ہی مال۔ بہت حیران ہوئے۔ سید صاحب سے اس کا راز پوچھا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ ایک ایرانی شخص اپنے وطن میں مر گیا اس کا کوئی وارث نہیں تھا۔ میں تصرف کر کے اس کے مکان کو مکہ میں لایا۔ جو ضرورت پوری ہو جانے کے بعد واپس چلا گیا۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ سید عبدالرحمن محبوب سیدی احمد بن ملوایں کے روضہ کی زیارت کیلئے گئے۔ سیدی احمد نے اپنے خادم کو خواب میں ان کے آنے کی خبر دی۔ اور فرمایا کہ کل ان کا استقبال کرو اور تعظیم بجا لؤ۔ خافدا ان کے استقبال کے لئے شہر سے باہر گیا۔ اس نے انہیں بہت تلاش کیا مگر وہ اسے نہ ملے۔ ناامید ہو کر واپس آ گیا۔ اس نے دیکھا کہ سید عبدالرحمن سید احمد کے روضہ میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ حالانکہ دروازہ بند تھا۔ اور اس کی کنجی خادم کے پاس تھی۔

شیخ البوطا ہر بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ شیخ ابراہیم کو تشدید قبض ہوئی۔ چھ ماہ مسلسل روتے رہے اور کسی شخص کو اس کا سبب معلوم نہیں تھا۔ جب حج کا موسم آیا اور آپ کے بعض شاگرد شام سے قافلہ حج کے ساتھ آئے۔ ان کے لئے شیخ قشاشی سے اجازت لی تاکہ وہ حج پر جائیں۔ انہوں نے اجازت دیدی۔ جب شیخ ابراہیم کے بھائی عبدالرحمن نے شیخ ابراہیم کی جانے نشست سے کتابیں اٹھانا چاہیں تو ان کتابوں کے نیچے سے ایک کاغذ کا ٹکڑا ملا۔ جو شیخ قشاشی کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ یا ابراہیم قد اغرقنا نصفك فان لم ترجع اغرقناك کلک۔ اس وقت انہیں معلوم ہوا کہ رونے کا کیا سبب ہے۔ جب شیخ ابراہیم مکہ میں پہنچے اور سید عبدالرحمن محبوب کو ملے تو سید نے عرق گلاب کے طور پر پانی چھڑکنا شروع کیا کیونکہ

وہ محروم تھے اور خوشبو کا استعمال منع ہے پانی ڈالتے ہی شیخ ابراہیم کی قبض جاتی رہی یہاں تک کہ  
 اپنی اصلی حالت پر آگئے۔ یہ گویا صلح تھی جو سعید نے قشاشی اور شیخ ابراہیم کے درمیان کرائی۔  
 سید صیے کمالات باطنی سے متصف تھے۔ کمالات ظاہری بھی حد کمال کو پہنچاتے تھے  
 جو دو گرم میں بے نظیر تھے۔ ان کے دستروان پر صبح و شام کثیر جماعت حاضر ہوتی۔ وہ تمام کے  
 ساتھ غندہ پیشانی اور خوش خلقی سے پیش آتے اور اطراف و جوانب سے ان کے لئے نذریں  
 لاتے تھے جنہیں وہ فخر پر تقسیم کر دیتے تھے تقریباً دو علاقوں کو آزاد کیا تھا جو شخص ان کے ساتھ  
 بیٹھتا تھا ان کی خوش خلقی اور شیریں کلامی کی وجہ سے ان سے جدائی گوارا نہیں کرتا تھا۔ عقل  
 اور بہت ذہین تھے۔ جو شخص آپ سے ملاقات کرتا اگرچہ موسم حج ہوتا اسے پھر پہچان لیتے۔  
 اور جو شخص آپ کی زیارت کے لئے آتا اس کی استعداد کے مطابق درود و تلاوت اور استغفار  
 نیکی کے کاموں کی راہنمائی کرتے۔ اور جسے منور جانتے اسے صوفیاء کے کلام اور ان کے عقائد  
 خصوصاً شیخ اکبر ابن عربی قدس سرہ پڑھنے پر براہِ نیگتہ کرتے آپ کا لقب محبوب کھول تھا ہر چند  
 ہم نے تلاش و جستجو کی مگر معلوم نہیں ہو سکا لیکن یہ بات قریب قیاس ہو۔ کہ آپ سماع کے وقت  
 اپنے چہرہ کو ڈھانپ لیتے تھے جب محفل سماع گرم ہوتی چہرہ سے پردہ اٹھا دیتے تھے۔ اور  
 عجیب انوار اس سے ظاہر ہوتے تھے اور اس کا اثر اہل مجلس پر بھی پڑتا تھا اس حقیقت کی  
 طرف شیخ احمد نخلی نے اشارہ کیا ہے۔ والٹر اعلم

شمس الدین محمد بن العلاء البالی | حافظ حدیث تھے اپنے زمانہ میں مصر و حرمین

خلاق پسندیدہ سے متصف تھے۔ کہتے ہیں کہ آغاز کار میں انہیں لیلۃ القدر دکھائی دی اور اس  
 رات کے بعض عجیب آثار مشاہدہ کئے۔ اس وقت انہوں نے دعا کی کہ بار خدایا! مجھے حافظ ابن حجر  
 عسقلانی کی طرح کر دے۔ چنانچہ آپ کی یہ دعا قبول ہوئی آپ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کوئی  
 شخص ان سات اقسام کے علاوہ کسی موضوع پر کتاب تصنیف نہ کرے۔ یا تو اس چیز میں  
 کتاب تالیف کرے جس کی طرف پہلے کسی شخص کا ذہن نہ گیا ہو یا کسی ناقص چیز کی تکمیل کرے  
 یا کوئی چیز دشوار ہو۔ اس کی شرح لکھے یا طویل کو مختصر کرے۔ مگر اختصار اس قسم کا ہو جس سے

معانی میں خلل پیدا نہ ہو۔ یا خلطِ مبحث ہو تو اسے صحیح ترتیب سے جمع کرے یا پہلے مصنف نے غلطی کی ہو۔ اس کی تصحیح کرے۔ یا کوئی منتشر ہو تو اسے جمع کر دے۔ ورنہ تفسیح اوقات کے سوا کچھ حاصل نہیں۔ آپ نے صحیح بخاری، موطا اور دوسری تمام کتابیں سنہوری اور دوسرے علما سے روایت کیں۔ بخاری اور موطا میں آپ کے پاس صحیحہ مسلسلات تھیں اور بعض دوسری کتابیں تمام مسلسل سماع سے حاصل کی تھیں۔ شیخ عیسیٰ مغربی نے ان کی رسائید کو اپنے رسالہ میں ضبط کیا ہے۔ گویا متاخرین کے ثبوت کی اصل یہی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمانِ نصر اللہ امراءِ سمع منی الحدیث کے مطابق آپ کو شان و عظمت اور جلالت و بزرگی کے متعلق عجیب معاملہ عطا کیا گیا تھا۔ شریف مکہ اسراء اور وزراء آپ سے تبرک حاصل کرتے تھے اور آپ کے فرمان سے انحراف نہیں کر سکتے تھے۔ قرآن مجید کی تلاوت ہمیشہ کیا کرتے تھے۔ آپ نے مصر کے ایک بابل میں عتقہ میں انتقال کیا۔

**شیخ عیسیٰ جعفری مغربی** آپ کی جائے پیدائش اور نشوونما مغرب میں ہے۔ قرآن مجید اور علوم متعارفہ کے کچھ متون اسی جگہ یاد کئے۔ پھر

الجزائر میں چلے گئے اور سلماسی کے پاس دس سال سے زیادہ عرصہ ان کے پاس رہے اور اسی جگہ متبحر عالم بنے۔ علماء قسطنطنیہ، مصر اور حرمین شریفین سے بھی روایت کی بلکہ کو اپنے اپنا وطن بنایا۔ مقالید الاسالید کے نام سے آپ کی ایک معجم ہے۔ الغرض وہ ایک متقی عالم تھے۔ اور جمہور اہل حرمین کے استاد تھے۔ ادعیہ حدیث اور قرأت میں ایک کتاب بھی تصنیف کی۔ یہ عمر نے ان کے حق میں کیا عمدہ رائے دی ہے کہ "جو شخص یہ چاہتا ہے کہ کسی ایسے شخص کو دیکھے جس کی ولایت میں کوئی شک و شبہ نہ کیا جائے تو وہ اس شخص کو دیکھے" اور سید محمد علوی کہتے تھے۔ وہ اپنے زمانہ کے باکمال شخص ہیں "انہیں اعمالِ حسنہ پابندی نماز باجماعت کثرت طواف و صدیام و قیام پر عمل کرنے کی عجیب توفیق عطا کی گئی تھی۔ تمام امور میں متوسط تھے۔ عزت و ناموس میں نہ تو مبالغہ کرنے اور نہ تساہل بہت سے مشائخ کے ساتھ اپنے اپنا ربط و تعلق قائم کر رکھا تھا۔ لیکن اوراد و شاذلیہ آخر عمر تک پابندی سے پڑھتے رہے اس طریق کا آپ پر غلبہ تھا۔ آپ نے امام ابو حنیفہ کے مسلک کے مطابق ایک مسند بھی تالیف

فرمانی وہاں آپ نے متصل عنعنہ کے ساتھ حدیث روایت کی جس سے ان لوگوں کے گمان کی تردید ہوتی ہے۔ جو کہتے ہیں کہ سلسلہ حدیث اب متصل نہیں رہا۔ آپ نے نسخہ میں انتقال فرمایا۔

محمد بن محمد سلیمان مغربی | حافظ حدیث تھے۔ دینی اور دنیاوی دونوں علوم کے جامع تھے آپ شیخ ابو مدین مغربی کی طرف سے خرقہ مدینہ رکھتے تھے۔ درحقیقت کتب حدیث کی تصحیح کا طریقہ اور نسخہ نبویہ اتقان در معرفت ان حرمین شریفین میں وہی لائے۔

جمہور اہل حرمین کے استاد اور متبحر ثقہ عالم تھے کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ استنبول گئے ہوئے تھے۔ وہاں ایک شخص نسخہ نبویہ فروخت کر رہا تھا۔ قدر شناسی اور علم کی حرص نے انہیں زرخیر قریباً تین ہزار روپے تک کے عوض اسے حاصل کرنے پر ابھارا اور اسے حاصل کیا۔ اس نسخے کے ساتھ آپ کو انتہائی محبت تھی۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مسجد حرام میں سیلاب آگیا جس سے لوگوں کو غرق ہونے کا خوف طاری ہو گیا۔ محمد بن سلیمان نے تیزی سے نسخہ نبویہ سر پر رکھا اور طوفان میں مشغول ہو گئے تاکہ اسے کوئی اچانک گزند پہنچے تو وہ بہترین حالت میں ہو۔ اس فقیر شاہ ولی اللہ نے اس نسخہ کی زیارت کی ہے اور اس سے کچھ پڑھا بھی ہے۔

شیخ تاج الدین قلعی فرماتے تھے کہ جس طرح شیخ محمد بن سلیمان علم روایت میں کمال رکھتے تھے۔ اسی طرح وہ عجیب و غریب علوم بھی جانتے تھے۔ اور حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کے اس قول و زاد لا بسطة فی العلم والجسم کے مصداق واقع ہونے تھے اور معاش کا علم بھی کامل رکھتے تھے۔ آخر میں تمام مکہ کا انتظام ان کے ہاتھ میں آگیا۔ حاسدین کو موقع مل گیا اور جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ واللہ اعلم

اس فقیر شاہ ولی اللہ نے شیخ مذکور کے فرزند محمد و فدا اللہ سے ان کی تمام روایات کی اجازت لی ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے والد سے قرأت سماعت اجازت کے لحاظ سے انہیں حاصل کیا تھا۔ اس کے علاوہ میں نے مکمل موطا بروایت یحییٰ بن یحییٰ بھی تمام ان کے سامنے پڑھی۔ انہوں نے شیخ حسن عجمی وغیرہ مشائخ سے پڑھی تھی والحمد للہ۔

شیخ ابراہیم کردی قدس سرہ۔ آپ عالم و عارف تھے فقہ شافعی حدیث اور عربی

ادب میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور ہر فن میں ان کی تصنیف موجود ہے اپنے وطن میں تحصیل علم کی پھر حج کے ارادہ سے نکلے کم و بیش دو سال تک بغداد میں قیام پذیر رہے اور سید عبدالقادر قدس سرہ کے مزار پر توجہ رہے اور یہیں سے اس راہ کا ذوق و شوق پیدا ہوا اور چار سال شام میں رہے اور مصر سے ہوتے ہوئے حرمین شریفین میں آئے شیخ احمد قشاشی سے ملاقات کی۔ دونوں کے درمیان حیرت انگیز رابطہ و تعلق پیدا ہو گیا۔ ان سے حدیث روایت کی۔ اور خرقہ پہنا۔ اور ان شیخ احمد قشاشی کی صحبت کی بدولت علمی کمالات کو پہنچے فارسی، کردی، ترکی اور عربی تمام زبانیں جانتے تھے۔ آپ ذہانت تبحر علمی، زہد و تواضع اور صبر و حلم سے متصف تھے کہتے ہیں کہ شام میں قیام کے دوران شیخ محی الدین ابن عربی کے مزار کی طرف اس نیت سے توجہ ہوئی کہ آگے سفر جاری رکھیں یا نہ۔ آپ نے دیکھا کہ شیخ ابن عربی ان کے جوتوں کی خاک صاف کر رہے ہیں۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ وہ اقامت کے لئے فرماتے ہیں شیخ ابوطاہر کہتے ہیں کہ زمانہ حج میں مصری لوگ مدینہ منورہ میں آئے تو شیخ ابراہیم نے اپنے اصحاب اور احباب کے ساتھ اہل مصر کی ایک جماعت کو ملنے کا ارادہ کیا۔ راستہ میں ان کا گزر ایسی لڑکیوں پر ہوا جو گانے بجانے اور لہو و لعب میں مشغول تھیں۔ سید محمد بزنجی جو آپ کا ایک حلیل القدر شاگرد تھا۔ اس نے ڈنڈا اٹھا کر اس بُرے کام سے روکا۔ شیخ نے اس کام سے اسے منع کیا اور فرمایا کہ کیونکہ اس ہنگامہ میں فتنہ و فساد کا خوف ہے۔ سید محمد بزنجی قدرے خشک مزاج تھے۔ اس منع کرنے سے بہت تنگ دل ہوئے جب منزل مقصود پر پہنچے تو ایک لڑکی نے اپنے گانے میں یہ شعر پڑھا۔

ان شرفوا ساوتی وان غرلوا لویلی وان عاشروا غیرنا ویلا علی ویلی

یہ شعر عمدہ قاعدہ عروض پڑھا۔ بلکہ متاخرین کے قاعدہ کے موافق تھا جب شیخ ابراہیم نے اسے سنا تو ان کی حالت بدل گئی۔ اپنے چہرہ کو ڈھانپ کر روزا شروع کر دیا۔ اس مجلس میں جس شخص نے بھی شیخ کی آواز کو سنایا ان کی صورت دیکھی رونے لگا۔ رفیق قلب تھا یا سخت دل تھا۔ سید محمد بزنجی بھی رونے لگا۔ اور اس کے دل سے اعتراض کی سیما ہی دھل گئی۔ شیخ ابوطاہر بیان کرتے ہیں کہ شاہ روم کا استاد جسے خواجہ کہتے ہیں۔ مدینہ منورہ کی زیارت

کے لئے آیا اور شیخ ابراہیم کی صحبت میں علماء و اجابہ کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ حاضر ہوا جب اس نے شیخ سے ملاقات کی تو اس نے کہا کہ میں نے شام میں ایک کھلم کھلا بدعت دیکھی اس کے قلع قمع میں بہت کوشش کی۔ شیخ نے فرمایا وہ بدعت کیا تھی اس نے کہا مسجد میں لوگ ذکر بالجہر کرتے تھے شیخ نے یہ آیت پڑھی۔ **ومن اظلم ممن منع مساجدا للہ ان ینذرو فیہا اسئلہ وسعی فی خرابہا۔** خوہر کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ اسے یہ بات بڑی معلوم ہوئی بعض فقہی عبارتیں جو قاضی خان وغیرہ سے نقل کی تھیں جیب سے نکال کر شیخ کو دیں شیخ نے فرمایا۔ اگر بات تقلید کہتے ہیں تو میں کسی امام کا مقلد ہوں اور آپ کسی دوسرے کے۔ آپ کی محبت مجھ پر لازم نہیں اور اگر بات تحقیق کہتے ہو تو یہ گزند پر میدان پس آپ نے جلد ہی ایک جامع رسالہ تحریر فرمایا۔ اور اس خوہر کے شبہات کا مسکت جواب دیا۔ شیخ کے اجاب نے خوہر کی خفگی کو جو کہ سلطنت عثمانیہ میں بلند رکھتا تھا ملاحظہ کیا اور شیخ سے کہا کہ تردید میں اس قدر مبالغہ مناسب نہیں ہے۔ شیخ نے فرمایا۔ حق سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی جو ہوتا ہے ہونے دو۔ الغرض خوہر اور اس کے ساتھی کو ٹی جواب نہ دے سکے اور بہوت رہ گئے کلمہ الحق یحلو ولا یعلیٰ۔ حق سر بلند ہوتا ہے۔ سزنگوں نہیں ہوتا۔ کا منظر سامنے آ گیا۔

شیخ ابو طاہر یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ شیخ یحییٰ شادی حرمین شریفین میں آیا ہوا تھا اور شیخ ابراہیم سے ملاقات کرنے کے بعد روم گیا۔ رومی وزیر نے جو شیخ ابراہیم کا معتقد تھا۔ اسے کہا۔ آپ نے ہمارے شیخ ابراہیم کو کیسے پایا۔ اس نے کہا میں نے اسے بت پایا۔ وزیر غضب ناک ہوا اور اسے اپنی مجلس سے ذلت و خواری کے ساتھ نکال دیا اور اس واقعہ کے بعد یحییٰ شادی کو شیخ ابراہیم کے ساتھ سخت کینہ ہو گیا اس نے ارادہ کیا کہ انہیں ایذا دینے کے لئے حرمین شریفین آئے۔ یہ قصہ شیخ ابراہیم کے گوش گزار کیا گیا۔ فرمایا۔ مجسہ حابس الفیل دہا تھیوں کو روکنے والا اسے روک لے گا، جب وہ طور میں پہنچا تو بیمار ہو گیا اور اسی جگہ اس جہاں سے انتقال کر گیا۔

الغرض شیخ ابراہیم کی سیرت یہ تھی کہ وہ خود پسند فقہاء اور صوفیوں کی طرح بٹے بٹے عمامے لمبی آستینیں اور پھٹے پرانے لباس سے بیزار تھے۔ آپ اہل حجاز کے عوام کی طرح



درجہ کالباکس جو مختصر سی پگڑھی اون کی دھاری دار عبا اور بڑے رومال پر مشتمل ہوتا تھا۔ پہنتے تھے۔ آپ کبھی کسی محفل میں نمایاں جگہ پر بیٹھنے اور گفتگو میں پہل کرنے وغیرہ کے ذریعے اپنی حیثیت کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ آپ اپنے معتقدین کو مناظرہ و مذاکرہ کے ذریعہ فیض پہنچاتے تھے۔ فرماتے تھے۔ بہر حال یہ ایسے ایسے ہے کیا تمہیں فلاں فلاں بات سے اس کی سمجھ نہیں آتی۔ اگر کوئی شخص ان سے کسی مسئلہ کے متعلق سوال کرتا تو توقف فرماتے یہاں تک کہ تحقیق و انصاف کے ساتھ اس اشکال کو حل فرمادیتے عبداللہ عباسی نے کہا۔ کان مجلسہ روضۃ من یاض الجنة "آپ کی مجلس جنت کے باغات میں سے ایک باغ تھی جب مسائل حکمت بیان فرماتے تو حقائق صوفیہ اس کے ضمن میں ضرور بیان کرتے۔ اور کلام صوفیہ کو حکما کی تحقیق پر ترجیح دیتے اور فرماتے کہ ہولاء الفلاسفة قاربوا عشورا علی الحق ویہتدوا الیہ۔

یہ فلاسفہ گرتے پڑتے حق تک پہنچے اور ہدایت پائی، ایک خطیب نے آپ کی تاریخ وفات ان الفاظ سے نکالی ہے واللہ اعلم فوافک یا ابراہیم لمحزونون۔

**شیخ حسن عجمی رحمۃ اللہ علیہ** آپ شیخ الحدیث فصاحت و بلاغت، حفظ اور جودت فہم میں جامع فنون علم تھے۔ آپ کا زیادہ تر استفادہ و صحبت شیخ عیسیٰ مغربی سے ہے۔ بہت سے شیوخ مثل شیخ احمد قشاشی، شیخ محمد بن العلاء، بابلی، شیخ زین العابدین بن عبدالقادر طبری شوافع کے امام و مفتی کی صحبت میں بھی رہے اور ان سے روایت کی ہے۔ شیخ ابوطاہر بیان کرتے ہیں کہ شیخ حسن عجمی نے شیخ نعمت اللہ قادری وغیرہ صوفیاء سے ملاقات کی۔ دعوت اسمار بھی جانتے تھے اور یہ بھی فرماتے تھے کہ شیخ حسن جنفی تھے لیکن سفر میں ظہر عصر اور مغرب عشاء میں جمع کرتے تھے۔ اور امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھتے تھے ہمیں صحبت کرنے تھے کہ اپنی عورتوں کو تنگی میں نہ ڈالا کرو۔ احناف کی بعض سہولتوں سے نہیں مطلع کرو تا کہ وہ نماز ادا کر سکیں یعنی قدر درہم نجاست وغیرہ میں جو اجازت ہے۔ کاتب حروف کہتا ہے کہ ان کا مطلب یہ ہے کہ باوجود ان تمام باتوں کے ایک مذہب کا التزام تمام امور میں ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ فریقین میں کوئی حقیقت ممنوع ہے یا نہیں کا لحاظ کئے بغیر اقوال لے لیا کرتے تھے۔ شیخ ابوطاہر یہ بھی کہتے تھے کہ میرے شیخ سیدی حسن عجمی خوبصورت نہیں تھے۔

بلکہ ان کی آنکھ میں عیب تھا۔ اس کے باوجود جب وہ حدیث پڑھتے تھے تو ان کے چہرے پر انوار دیکھے جاتے تھے اور دنیا بھر سے حسین دکھائی دیتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد نضر اللہ عبد الحدیث کا یہی راز ہے۔ آپ نے اپنی اسانید کو ایک رسالہ میں جمع کیا جس سے آپ کے تبحر علمی کا پتہ چلتا ہے۔ فرماتے تھے لوگ کہتے ہیں کہ عالم کافر زندقہ نصف عالم ہوتا ہے تو یہ صحیح ہے۔ کیونکہ عالم کے دو نصف ہوتے ہیں۔

ہر سال ماہ رجب میں مدینہ منورہ کی زیارت کے لئے آتے اور مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات میں صحاح سنہ میں سے ایک کتاب بطور سر و ختم کرتے تھے اور اہل مدینہ آپ سے روایت کرتے تھے شیخ ابوطاہر آپ کے قاری ہوتے اور اگر کوئی دوسرا روایت کرتا تو خوش نہ ہوتے۔ واضح ہو کہ کتب حدیث کے درس کے علماء حرمین شریف کے نزدیک تین طریقے ہیں ایک طریق سرور ہے کہ شیخ قاری یا سامع ہوتا ہے۔ وہ کتاب کی تلاوت کرتا ہے لیکن لغوی فقہی اور اسماء رجال وغیرہ مباحث سے تعرض نہیں کرتا۔

دوسرا طریق بحث و حل ہے کہ ایک حدیث کی تلاوت کے بعد لفظ غریب، مشکل ترکیب، قلیل الوقوع اسم، اسماء استاذ ظاہری شان نزول اور منصوص علیہ مسئلہ پر توقف کرتا ہے اور اسے اعتبار کے ساتھ حل کر دیتا ہے پھر آگے بڑھتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔

تیسرا طریق امان تعمق ہے کہ ہر کلمہ پر مالہ و ما علیہا اور اس کے متعلقات کو پوری تشریح و توضیح سے بیان کرتے ہیں۔ مثلاً کلمہ غریبہ اور مشکل ترکیب کی وضاحت میں شعرا کے کلام کو دلیل لاتے اور کلمہ کے دوسرے الفاظ کے اشتقاق و محال کے استعمال کو ذکر کرتے ہیں۔ اور اسماء الرجال میں اس قول کے حالات اور سیرت بیان کرتے ہیں اور مسائل فقہیہ کو ان منصوص احادیث سے استخراج کرتے ہیں۔ اور معمولی مناسبت سے عجیب قصص اور نادرجحایات بیان کرتے ہیں۔ اور اسی طرح اور چیزیں بیان کرتے ہیں۔ علماء حرمین شریفین میں یہ تینوں طریقے پائے جاتے ہیں۔ شیخ حسن عجمی، احمد قطان اور شیخ ابوطاہر وغیرہ کا پسندیدہ طریقہ سرور تھا۔ صاحبان علم و فضل اور فقہی طلبائے حدیث کے لئے یہ طریقہ زیادہ موزوں ہے۔ کیونکہ جلد از جلد سامع حدیث اور سلسلہ روایت کو درست کر لیتے ہیں اور دوسرے مباحث کو

شرح کے سپرد کر دیتے ہیں۔ کیونکہ آج کل ضبط حدیث کا مدار شرح کے مطالعہ پر ہے لیکن مبتدیان اور متوسط طلبائے حدیث کے لئے طریقہ بحث وصل ہے۔ تاکہ علم حدیث کے بارے میں جو چیزیں ضروری ہیں ان کا احاطہ کر لیں اور اس سے فائدہ حاصل کر لیں۔ اس صورت میں وہ غالباً کوئی شرح پیش نظر رکھتے ہیں۔ اور بحث کے دوران وہ اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ لیکن تیسرا طریقہ یہ طریقہ قصاص ہے۔ کیونکہ اس سے مقصد دوسروں پر علم و فضل کا اظہار ہے۔ واللہ اعلم۔ روایت اور تحصیل علم مقصد نہیں ہوتا۔ ان کلمات کے ضمن میں جاننا چاہیے۔ کہ محدث کا اسماء کی تصریح اور ان کی ثقاہت کی معرفت خصوصاً صحیحین اور ان جیسی دوسری کتابوں میں ہے کے بعد اسماء الرجال کے حالات۔ لیس منا من فعل کذا اور لفظ فان اللہ قبل وجہہ اور ان جیسے اور کلمات کی تاویل فقہی فروعاً فقہاء کے مذاہب کا اختلاف اور اختلاف روایات کی صورت میں بعض روایات کی بعض پر ترجیح دینا معان و تعمق سے متعلق ہے امت مرحومہ کے متقدمین ان امور میں مشغول نہیں تھے۔ بل اور متکلمین ان امور میں غور و خوض کرتے ہیں۔ لیکن آج کل اس کی ضرورت بھی نہیں رہی۔ واللہ اعلم۔

شیخ حسن اپنے مشائخ سے بہت متواضع تھے۔ اور ان کی خاطر داری کی انتہائی کوشش کرتے تھے۔ انہوں نے کہا میں نے شیخ عیسیٰ سے پوچھا کہ جب کسی شخص کا کوئی شیخ ہو تو کیا اس کے لئے جلتز ہے کہ وہ دوسرے شیخ کی بیعت کرے۔ فرمایا باپ تو ایک ہی ہوتا ہے اور چچا بہت سے ہوتے ہیں۔ کاتب حروف کہتا ہے کہ کلام کا مفہوم یہ ہے کہ پہلے شیخ کا مرتبہ جس کے ذریعہ وہ بیضۃ بشریت سے نکلا یا علم میں کامل ہوا۔ بسبب دوسرے مشائخ جن سے بیضۃ بشریت سے خروج کے بعد دوسرے فوائد حاصل کئے۔ والد کی مانند ہے۔ اور اس کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے۔ جو والد کے مناسب ہے اور دوسرے مشائخ کے ساتھ چچاؤں کا سا سلوک کرے شیخ حسن نے آخری عمر میں مکہ کی سکونت چھوڑ کر طائف میں گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی اور کہا کہ لیس بکۃ من یقرالیہ وہم۔

۱۱۳ ۱۱۳ طائف میں وفات پائی۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مزار کے

شیخ احمد نخلی علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے بہت سے مشائخ طریقت و علمائے شریعت کی صحبت حاصل کی اور سید عبدالرحمن سید محمد رومی سید

عبداللہ ستغاف اور میر کلال بن میر محمود بلخی وغیرہ سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ اور حدیث محمد بن علامہ بابلی اور شیخ عیسیٰ مغربی اور اس طبقہ کے دوسرے علماء سے حاصل کی۔ اور سماع بخاری اور موطا میں تسلسل حاصل کیا ان کے پاس مشائخ صوفیہ کے بہت سے اور اوتھے شریع ہی سے علم و علماء کی صحبت اور نیکی پران کی نشوونما ہوئی تھی۔ ان کی صحبت کا التزام اور صوفیانہ کرام سے عقیدت رکھتے اور ان کے اعمال و اشغال کو باقاعدگی سے ادا کرتے تھے آپ کو مشائخ حرمین شریفین اور باہر سے آنے والے مشائخ کی بھرپور صحبتیں حاصل ہوئیں۔

الغرض آپ مکہ معظمہ کے سربراہ اور وہ لوگوں میں سے تھے اور برکات اور قبولیت دعائیں مشہور تھے شیخ عبدالرحمن نخلی ولد شیخ احمد نخلی بیان کرتے ہیں کہ شیخ احمد نخلی کے والد کے ہاں زینہ اولاد زندہ نہیں رہتی تھی اس لئے وہ بہت غمگین رہتے تھے جب شیخ احمد پیدا ہوئے تو ان کیلئے اہل اللہ سے دعا کروانے لگے۔ اور اس سے استمداد اور روحانی توجہ سے طلب کرتے تھے۔ انہیں ہر جمعہ شیخ تاج الدین سنجلی کی خدمت میں بھیجتے تھے۔ اتفاقاً ایک روز شیخ تاج الدین سنجلی نے تل کیا اور اس خادم کے ذریعہ کہا بھیجا جو انہیں لایا تھا کہ ”یہ بچہ آپ جیسا نہیں ہے بلکہ آپ سے افضل اور سعادت مند ہے لیکن اس کی عمر کم ہے۔ جب خادم اپنے آقا کے پاس پہنچا اور حقیقت حال بیان کی تو آقائے اسے واپس بھیجا اور کہا میری طرف سے شیخ کی خدمت میں درخواست کرو کہ میں نے اپنی زندگی اس بچہ کو دیدو۔ اور آپ سے اس معاملہ میں سفارش کا خواستگار ہوں۔“

شیخ نے جب یہ پیغام سنا تو توجہ کی اور کچھ دیر کے بعد کہہ کر ان کی نیت قبول ہو گئی اپنی طرف سے انہیں سفر آخرت کی تیاری کے لئے تین مہینہ کی مہلت دی شیخ احمد کے والد اسی عرصہ میں فوت ہو گئے اور شیخ احمد نے نوے سال عمر پائی۔

شیخ عبدالرحمن ولد شیخ احمد نخلی یہ بھی بیان کرتے تھے کہ میں اپنے والد کی طرف سے قرضوں کا وکیل تھا جب شیخ کی عمر آخر کو پہنچی اور نصف غالب آگیا تو ایک روز میں نے قرض خواہوں کے مطالبہ کی شکایت کی اور عرض کیا مجھے خوف ہے کہ اچانک حادثہ رونما ہو جائے۔ آپ

فوت ہو جائیں اور وہ تمام قرض میرے ذمہ پڑ جائیں گے اور میرے اقارب میری وکالت کا اعتبار نہیں کریں گے۔

شیخ نے فرمایا اس خدشہ کو ذہن سے نکال دو۔ مجھے امید ہے کہ جب تک میرا یہ تمام قرضہ ادا نہیں ہو جائیگا میں نہیں مروں گا اور میرا خیال ہے کہ وہ رات جس میں مجھ پر کوئی قرض نہیں ہوگا۔ آخری رات ہوگی۔ اس کے بعد ان کی وفات کے وقت ایسی جگہ سے جہاں کوئی توقع نہیں تھی۔ اتنی رقم مل گئی جس سے تمام قرض ادا ہو گیا۔ اور وہ رات جس میں وہ اپنے قرضوں سے فارغ ہوئے زندگی کی آخری رات تھی۔ شیخ احمد نخلی نے کہا کہ میرے شیخ شیخ عیسیٰ بن کنان نے مجھے جب طریقہ خلوتیہ میں اجازت دی اور مجھے مکہ معظمہ میں اپنا خلیفہ بنایا تاکہ تمام خلوتی میرے پاس جمع ہوں اور اس طرز پر جو اس گروہ کے لئے مقرر ہے کہ نماز تہجد کے بعد اوراد میں مشغول ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے میرے دل میں بہت تردد پیدا ہوا۔ کیونکہ میرے دل کی رغبت مکمل طور پر نقشبندیہ طریق کی طرف تھی۔ شیخ کی میں مخالفت بھی نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت خاتم کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوا۔ اس سال مجھ کو وضو مطہرہ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ جمعہ کے روز نماز جمعہ سے پہلے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ گویا آپ زیارت عثمانیہ میں چاروں خلفاء کے ساتھ موجود ہیں۔ میں تیزی سے اس طرف بڑھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء شہین کی دست بوسی کا شرف حاصل کیا۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر ایک جدید سجادہ پر جو روضہ مبارک کے سر کے قریب صف اول کے مقابل بچھا ہوا ہے لائے اور فرمایا۔ "یہ شیخ تاج الدین کا سجادہ ہے اس پر بیٹھ جاؤ" میں سمجھ گیا کہ یہ طریقہ نقشبندیہ کی طرف اشارہ ہے اور اس طریقہ کی اجازت ہے۔

صحیح عبدالسدن سلم البصری آپ نے بہت سی کتب احادیث کو زندہ کیا ان میں سے ایک مسند امام احمد ہے قریب تھا کہ روئے زمین سے اس کا نسخہ کامل نہ مل سکے آپ نے مصر عراق اور شام کی پرانی لائبریریوں سے اس کے اجزاء کو جمع کیا اور ان تمام سے ایک نسخہ لکھا۔ اسے صحیح کر کے اصلی نسخہ کی صورت میں عام کر دیا۔ اور کتب ستہ کی روشنی میں صحت کے

اصول مقرر کئے اور نسخہ نبویہ سے اپنے خط کے ساتھ اصل سے بہتر لکھا۔ ان کی بخاری کی ایک شرح "خيار الساری" کے نام سے بھی ہے جسے وہ ضعیف پیری کی وجہ سے مکمل نہ کر سکے اور تمام زندگی طریقہ سرور اور بحث کے طور پر روایت کتب حدیث میں گزار دی۔

الغرض آپ اس آخری زمانہ میں حافظہ حدیث تھے۔ اس اجمال کی تفصیل اور اس گفتگو کی شرح یہ ہے کہ وہ ضبط جو صحت حدیث میں ملحوظ ہے۔ امرت مرحومہ میں اس کی تین حالتیں تھیں۔ پہلی حالت یہ تھی کہ صحابہ و تابعین کے زمانہ میں احادیث یاد کرتے تھے، اس وقت ضبط جو مدت حفظ میں تھا، دوسری حالت تبع تابعین سے ساتویں آٹھویں دور کے محدثین کا زمانہ ہے کہ وہ انہیں لکھتے تھے اور اس کا حفظ صفائی تحریر لفظوں حرکات و سکنات اور سہیت حروف کی حفاظت اصول صحیحہ کے ساتھ مقابلہ اور کتاب کو ہر قسم کے عوارض سے محفوظ رکھنے میں تھا۔ تیسرا حال یہ ہے کہ حفاظ حدیث نے اسما و رجال مشکل اور غریب الفاظ مشککہ کے ضبط میں کتابیں تصنیف کیں اور متصل شرحیں لکھیں۔ ان میں مشکل اور پیچیدہ مقامات حدیث حل کئے پس اب ضبط یہ ہے کہ ان تصانیف اور شرح کو نظر میں رکھ کر ان کے مطابق روایت کرے اس کے لئے بھی اہل حدیث نے اس میں تساہل کیا جس پر متقدمین سختی سے عمل درآمد کرتے تھے۔ چنانچہ متوسطین نے حفظ میں تساہل کیا اور لکھائی پر اکتفا کر لیا۔ اسی لئے ان میں وجاہت اور اجازت مجرہ وغیرہ عام ہو گئی۔ بخلاف طبقات سابقہ کے

حاصل کلام یہ ہے کہ اس قسم کا ضبط شیخ عبداللہ کے ہاں تمام درکمال پایا جاتا تھا اور اس سلسلہ کے بقا کا سبب ان کی ذات ہوئی۔ بچپن سے ہی شیخ عبداللہ علم و علماء اور صلح و تقویٰ کو پسند کرتے تھے روزانہ دس سیدھے قرآن مجید کے تلاوت کرتے تھے جب بوڑھے ہو گئے جس قدر پڑھ سکتے تھے۔ درس تلاوت نماز یا ضروری باتوں سے کوئی وقت ان کا خالی نہیں ہوتا تھا۔ میں نے سنا ہے کہ جب شیخ عبداللہ کے بڑے لڑکے شیخ سالم نے شریف مکہ کی ملازمت اختیار کی تو شیخ عبداللہ شیخ سالم کے کھانے میں شریک ہونا تو درکنار اس کے نمک مصالحے سے بھی پرہیز کرتے تھے۔ صحیح بخاری شریف کو دو مرتبہ خانہ کعبہ میں ختم کیا۔ ایک مرتبہ اس وقت جب کعبۃ اللہ کی مرمت کر رہے تھے اور دوسری مرتبہ جب

جب اس کا دروازہ درست کر رہے تھے اور سند امام احمد کو اس کی تصحیح اور جمع کے بعد مسجد شریف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک کے نزدیک پھینک دیا اور وہ تمام خدا تعالیٰ کی رضائیں گزری۔ آخری عمر تک سوجھ بوجھ حافظہ اور تمام حواس درست تھے البتہ قوت سماعت قدرے کمزور ہو گئی تھی۔ عمر کے آخری حصہ میں شیخ عبد اللہ مغربی نے آپ سے صحاح ستہ پڑھیں اور اکثر اہل مکہ نے آپ سے سماع کیا۔ آپ ۳۳۳ھ میں فوت ہوئے۔

## شیخ ابوطاہر محمد ابراہیم الکردی المدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ

آپ شروع سے ہی علم اور علماء کی طرف راغب تھے۔ اپنے والد سے خرقہ مخالفت پہنا آپ کے والد نے ان کے لئے بہت سے بزرگوں سے خرقہ اور اجازت حاصل کی۔ ان میں سے شیخ محمد بن سلیمان مغربی ہیں۔ اور عربی کہتے ہیں سید احمد ادریس مغربی سے جو سیبویہ زمانہ تھے پڑھیں۔ شیخ ابوطاہر سید احمد ادریس سے بیان کرتے تھے کہ آپ کے شاگردوں میں سے ایک امام نے مسجد نبوی کے محراب میں سورہ تبت پڑھی جب وہ سید کے پاس آیا تو سید اس پر بہت ناراض ہوئے اور کہا۔

” میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں وہ سورت پڑھو جس میں ان طرتی سے مذکور ہے۔ کیونکہ جس طرح چاہے اپنے رسول سے خطاب کرے۔ ہمارا یہ مقام نہیں۔ کاتب حروف کہتا ہے کہ اس قسم کی چیزیں اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے پیدا ہوتی ہیں لیکن یہ باتیں تعقی فی الدین کے باب سے ہیں۔ ان چیزوں میں معیار صحابہ اور تابعین کی عادت ہیں۔ ایسا کیوں نہیں کہتے کہ اس سورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم منقبت اور بہت بڑی فضیلت ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے آپ کے ایک دشمن کی آپ سے بے ادبی کی بنا پر لعنت کی ہے۔“

آپ نے فقہ شافعی علی طولوی سے حاصل کی اور علم معقول نجم باشی سے جو روم کے منہجر علماء میں سے تھے علم حدیث اپنے والد سے حاصل کیا۔ اس کے بعد شیخ حسن عجمی سے حاصل کیا اور اکثر آپ نے ان سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد احمد نخلی اور شیخ عبد اللہ بصری سے اخذ کیا اور شیخ عبد اللہ بصری سے شمال النبی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھی اور آپ سے دو ماہ سے بھی کم

مدت میں مسند امام احمد کا سماع کیا اور حرمین شریفین میں باہر سے آنے والے علماء مشائخ سے بھی بہت کچھ اخذ کیا۔ ان میں سے شیخ عبداللہ ہوری ہیں جن سے آپ نے ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کی کتب روایت کی ہیں۔ ان کا سلسلہ شیخ عبداللہ البیب کے ذریعہ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی سے ملتا ہے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی کتب بھی اسی واسطے سے مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی سے روایت کرتے ہیں۔ مولانا سیالکوٹی نے خود ان سے اجازت اور روایت حاصل کی۔ اعلان میں سے شیخ سعید کوٹنی سے بعض عربی کتابیں اور فتح الباری کا چوتھا حصہ پڑھا۔

الغرض آپ سلف صالحین کے تمام اوصاف تقویٰ عبادت میں کوشش علم میں معقولیت اور مذاکرہ میں انصاف سے متصف تھے۔ اگر کوئی مسئلہ ان سے دریافت کیا جاتا تو جب تک پورا غور و فکر اور کتابوں سے تحقیق نہیں کر لیتے تھے۔ جواب نہ دیتے تھے۔ آپ اس قدر رقیق القلب تھے کہ جب بھی کوئی رقت کی حدیث پڑھتے تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے لباس وغیرہ میں کوئی تکلف نہیں کرتے تھے۔ اپنے شاگردوں غلام اور دوسروں سے تواضع سے پیش آتے۔ صحیح بخاری کی قرأت کے دوران روایات احادیث اور فقہ کے درمیان اختلاف کا ذکر حل پڑا۔ شیخ ابوطاہر نے کہا کہ یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ حقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی جامعیت کی وجہ سے ہے اور فرط جمعیت سے اضراد پیدا ہو سکتے ہیں۔ اولیٰ قال۔ یہ بہت گہرا نکتہ ہے جس میں تدریس کی ضرورت ہے۔

ایک روز احوال صوفیاء کا ذکر حل نکلا۔ اور اس باہمی تنقید و ترویج جو بعض دفعہ ان کے متبعین میں شروع ہو جاتی ہے کے متعلق بات ہوئی ہے تو شیخ ابوطاہر نے فرمایا میں صوفیاء پر اعتراض کرنے سے بہت ڈرتا ہوں۔ اگرچہ میرے بعض اسلاف نے بعض صوفیاء کے بارے میں تنقید کی ہوگی۔ لیکن میں ان کے خلاف گراں خاطر نہیں ہوتا۔ پھر آپ نے ایک قصہ بیان کیا کہ شیخ یحییٰ شاوی میرے والد سے کچھ اختلاف رکھتے تھے جس کا اثر مجدد پر بھی تھا۔ اسی اشارہ میں شیخ یحییٰ شاوی فوت ہو گئے۔ ایک عرصہ بعد جب انہیں قبر سے نکالا تو اس طرح صحیح و سالم تھے گویا آج ہی سوئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی پر کسی عارف کے اختلاف کے سبب طعن نہیں کرنا چاہیے۔ انہوں نے مزید فرمایا کہ شیخ محی الدین ابن عربی نے اس سلسلہ میں عجیب و غریب



وصیت فرمائی ہے۔ پھر آپ نے شیخ ابن عربی کے اپنے قلم سے لکھا ہوا فتوحات کا نسخہ نکالا اور اس بحث کو پڑھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ۔

شیخ اکبر فرماتے تھے کہ مجھے ایک شخص سے اس لئے عداوت تھی کہ وہ شیخ ابو مدینہ پطعن کمرتا تھا۔ جبکہ مجھے شیخ مغربی کی بزرگی کا یقین تھا۔ ایک روز پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواب میں نے زیارت کی۔ گویا آپ فرماتے ہیں کہ تم فلان شخص سے کیوں بغض رکھتے ہو میں نے عرض کیا کیونکہ وہ ابو مدینہ سے دشمنی رکھتا ہے اور میں انہیں بزرگ سمجھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کیا وہ اللہ اور اس کے رسول کو دوست نہیں رکھتا میں نے عرض کیا۔ ہاں رکھتا ہے آپ نے فرمایا تو ابو مدینہ کے ساتھ بغض کی وجہ سے اس سے عداوت رکھتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ محبت کی وجہ سے اس کے ساتھ دوستی کیوں نہیں رکھتا شیخ اکبر نے کہا میں نے اس کے بعد اس دشمنی سے اللہ کے حضور توبہ کی اور اس کے گھر گیا۔ اس سے معذرت کی اور قصہ بیان کیا قیمت کی پڑا کھنڈ پیش کر کے اسے راضی کیا۔ پھر میں نے ابو مدینہ کے متعلق ناراضگی کا سبب پوچھا تو اس نے ایسی وجہ بتائی وہ ایسی نہ تھی جس کی وجہ سے ابو مدینہ کے ساتھ دشمنی رکھی جائے میں نے اسے حقیقت سمجھائی بس اس نے اللہ تعالیٰ کے ہاں توبہ کی۔ اور طعن و تشنیع سے رجوع کر لیا اور تمام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت جاری و ساری ہو گئی۔ واللہ اعلم

جس روز میں شیخ ابو طاہر کی خدمت میں رخصت ہونے کے لئے حاضر ہوا تو آپ نے

یہ شعر پڑھا  
نسبت کل طریق کنت اعرفه  
الاطریق ایوود بنی لربعکم

میں تیرے گھر کی طرف جانے والے راستہ کے علاوہ تمام راستے بھول گیا، یہ شعر سنتے ہی شیخ پر گریہ وزاری طاری ہو گیا اور بہت متاثر ہوئے۔ آپ رمضان المبارک ۱۲۵۵ھ میں فوت ہوئے۔

شیخ تاج الدین قلع حنفی۔ آپ مکہ کے مفتی اور قاضی عبدالحسن کے فرزند تھے بہت سے مشائخ حدیث کی خدمت میں پہنچے اور ان سے علوم حاصل کئے اور ہر ایک سے اجازت

اصل کی آپ خور و سال ہی تھے کہ آپ کے والد نے ان کے لئے شیخ عیسیٰ مغربی سے اجازت حاصل کی۔ آپ نے فرمایا کہ میں شیخ محمد بن سلیمان مغربی کے درس ختم سنن نسائی کے موقع پر حاضر ہوا۔ آپ نے ختم کے بعد تمام حاضرین مجلس کو اجازت دی جن میں میں بھی حاضر تھا۔ آپ نے علم حدیث کی اکثر تعلیم شیخ عبداللہ بن سالم مصری سے حاصل کی۔ فرماتے تھے کہ یہ تمام بحث و تنقیح کے طور پر ان سے بڑھی ہیں۔ اور صحیحین کو شیخ عجمی کے پاس پڑھا ہے اور ہر وہ حدیث جو روایت کے لحاظ سے صحیح ہے۔ اس کی اجازت ان سے حاصل کی ہے۔ اس کے علاوہ شیخ صالح زنجانی کی خدمت میں ایک مدت رہا اور بڑے عظیم فوائد حاصل کئے اور علم فقہ میں ان سے بہت بڑا حصہ حاصل کیا ہے۔ شیخ احمد نخلی سے بھی انہیں اجازت و روایت حاصل ہے شیخ احمد قطان بھی ان کے مشائخ سے ہیں کئی سال تک ان کی صحبت میں رہے اور درس و تدریس کا طریقہ ان سے سیکھا۔ فرماتے تھے کہ شیخ احمد قطان کی وفات کے بعد میرے تمام مشائخ شیخ عبداللہ بصری اور شیخ احمد نخلی وغیرہ مانے اصرار کیا کہ میں شیخ احمد کی جگہ پر کعبۃ اللہ کے سایہ میں مالکی مصلوں پر بیٹھوں اور حدیث کا درس دوں جیسا کہ شیخ کی عادت تھی۔ لیکن مجھے ان اکابر کی موجودگی میں اس عظیم القدر کام کی انجام دہی دشوار معلوم ہوتی تھی۔ اس لئے میں قبول نہیں کرتا تھا۔ اس کے باوجود ان کی طرف سے از حد مبالغہ ہوا۔ اور شیخ حسن عجمی جو ان دنوں طائف کی طرف گئے ہوئے تھے۔ انہیں میں نے یہ سب حالات لکھے۔ آپ نے پھر مشائخ کا حکم ماننے کی تاکید لکھی۔ لہذا محالہ ہر طرف سے استمداد اور استخارہ کے بعد تسلیم غم کر دی۔ بزرگوں کے اشارہ پر شیخ کی جگہ پر صبح بخاری کی قرأت شروع کی اور اسے اس مقام سے شروع کیا جہاں شیخ کی قرأت ختم ہوئی تھی۔ مجلس ختم میں تمام علماء مشائخ موجود تھے۔ شیخ ابراہیم کر دی سے بھی ان تمام علوم کی اجازت حاصل کی اور حدیث مسلسل بالاولویت ان سے حاصل کی۔ کاتب حروف نے شیخ تاج الدین سے عجیب قصہ سنا ہے اور وہ یہ ہے کہ۔

” ایک مرتبہ میں سخت بیمار ہو گیا اور بیماری لمبی ہو گئی۔ ضعف و کمزوری نے ہلنے چلنے کے قابل نہ چھوڑا۔ اس حالت میں ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا کوئی شخص آیا ہے اور وہ کہتا ہے کہ اس مرض کی شفا کے لئے ایک مرغی پکائی جائے اور اس پر تمام قرآن پڑھا جائے۔ یہ بیمار اسے کھائے تو شفا پائیگا۔ جب میں بیدار ہوا تو میں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ خواب کے حکم کے

مطابق عمل کرنا چاہئیے آئندہ صحت جب میں سویا تو گویا امام محمد بخاری بہا کے گھر تشریف لائے ہیں۔ اپنے دست مبارک سے ایک دیگ رکھی اور اس کے نیچے آگ جلائی اور صبح سے شام تک اس میں مرغی پکانی میرے سامنے لارکھی اور فرمایا ہم نے اس مطبوخ پر تمام قرآن پڑھا ہے۔ اسے کھا لو میں نے اسے کھایا تو تندرست ہو گیا اور مجھ میں بیماری کا اثر نہ تھا میں صبح و تندرست ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ مجھے ازالہ مرض سے زیادہ اس بات کی خوشی ہوئی کہ حضرت امام بخاری نے مجھ پر اس درجہ لطف و عنایت فرمایا۔

کاتبِ حروف کہتا ہے کہ شیخ تاج الدین کی مجلس درس میں جس زمانہ میں وہ بخاری کا درس دیا کرتے تھے۔ دو تین روز مسلسل حاضر ہوا۔ صحیح سنن اور موطا امام مالک کے کچھ حصے مسند دارمی کتاب الآثار امام محمد اور موطا محمد کی آپ سے سماعت کی۔ آپ نے ان کتابوں کی اجازت تمام اہل مجلس کو دی اور اس جماعت میں یہ فقیر بھی شامل تھا اور وہ حدیث جو حدیث مسلسل بالا ولایت سے مشہور ہے شیخ ابراہیم سے سماعت کی۔ اور یہ پہلی حدیث شریف ہے جو میں نے روضہ نبوی کی زیارت کے بعد ان سے سنی ۱۱۴۲ھ میں۔

## حضرت شاہ ولی اللہ کے خود نوشت حالاتِ زندگی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بَدَأَ بِالنَّعْمِ قَبْلَ اسْتِحْقَاقِهَا وَخَصَّ مِنْ شَاءَ بِعَرَفَةَ الْاَسْمَاءِ وَادْوَقَهَا وَالصَّلٰوَةَ وَالسَّلَامَ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ الْمَتَّحِلِ بِتَیْبَانَ الْکَرَامَاتِ وَاطْوَقَهَا الْمَکْرَمِ بِصَنُوفِ الْعَطِیَّاتِ وَاطْبَاقِهَا عَلٰی الْاَلِہِ وَاصْحَابِہِ الَّذِیْنَ بِہُمْ قِیَامُ الْمَلَّةِ وَرَوَاجُ اسْوَاقِہَا۔  
 (ما بعد فقیر ولی اللہ بن عبد الرحیم غفرلہ والوالد میر و حسن ایہما والیہ) کہتا ہے کہ یہ چند کلمات "جزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف" کے نام سے اپنے حالاتِ زندگی میں تحریر کیے ہیں۔

واضح ہو کہ میری ولادت بروز بدھ ۴ شوال ۱۱۴۲ھ طلوع شمس کے وقت ہوئی بعض ستارہ شناسوں نے علم نجوم کے مطابق یہ حکم لگایا ہے کہ مرا طالع ولادت توت کے دوسرے

درجہ میں تھا اور شمس بھی اسی درجہ میں تھا۔ زہرہ اکٹھویں عطار و اکیسویں زحل دسویں اور حمل دہشتہری پندرہویں درجے میں تھے اور وہ حال علویین کے قرآن کا سال تھا۔ یہ قرآن درجہ اول میں تھا اور مرتبہ اس سے دوسرے درجہ میں تھا اور اس سرطان تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بعض اجاب نے میری تاریخ پیدائش "عظیم الدین" سے نکالی ہے میرے والدین فقیر اللہ تعالیٰ ترہما اور صلحا کی ایک جماعت کو اس فقیر کی ولادت سے پہلے اور بعد بہت سی بشارتیں ہوئیں۔ چنانچہ ایک عزیز اور مخلص دوست نے یہ ساری تفصیلات دوسرے واقعات کے ساتھ اپنے رسالے "قول جلی" میں بیان کی ہیں۔ اللہ اسے اس کی بہترین جزا عطا فرمائے۔ اور اسے اور اس کے اسلاف کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ اور اس کے دینی و دنیاوی مقاصد پورے کرے، جب پانچواں سال شروع ہوا تو یہ فقیر مکتب میں بیٹھا اور ساتویں سال حضرت والد صاحب نے نماز پڑھنے کے لئے کھڑا کیا۔ اور روزہ رکھنے کے لئے فرمایا۔ ختمہ بھی اسی سال ہوا۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ اسی سال کے آخر میں میں نے قرآن مجید ختم کیا۔ فارسی کی کتاب اور مختصرات پڑھنی شروع کیں۔ دسویں سال شرح ملا جامی پڑھتا تھا اور مطالعہ کار راستہ قدرے کھل گیا۔ اور چودہویں سال شادی عمل میں آئی۔ والد صاحب نے میری شادی میں بڑی عجلت سے کام لیا۔ جب میرے سسرال والوں نے سامان مہیانا ہونے کا عندر کیا۔ تو حضرت والانے انہیں لکھا کہ اس عجلت میں راز ہے یہ راز اس کے بعد واضح ہو گیا کہ شادی کے فوراً بعد میری بیوی کی والدہ فوت ہو گئی۔ اس کے بعد میری کے ناما اور اس کے بعد اس فقیر کے علم تہذیب و تاریخ ابوالرضا محمد قدس سرہ کے خلف الصدق شیخ فخر العالم فوت ہو گئے۔ اس کے بعد جلد ہی اس فقیر کے بڑے بھائی شیخ صلاح الدین کی والدہ وفات پا گئی۔ اس کے بعد جلد ہی حضرت والاکے والد بزرگوار کمزور ہو گئے اور مختلف امراض نے آپ پر غلبہ کیا۔ اس کے بعد آپ کی وفات کا واقعہ پیش آ گیا۔ غرضیکہ یہ جمعیت منتشر ہو گئی اور ہر خاص و عام کو معلوم ہو گیا کہ اگر اسی وقت شادی نہ ہوتی تو اس کے بعد ساہا سال تک اس کا امکان نہیں تھا کہ یہ وقوع پذیر ہوتی۔ پندرہویں سال تھا کہ میں نے والد بزرگوار سے بیعت کی اور شغالب صوفیہ میں

صورتاً نقشبندیہ میں مشغول ہوا اور توجہ تلقین، تعلیم آداب طریقت اور خرقہ صوفیاً  
 پہن کر ربط درست کیا۔ اسی سال بیضاوی کا کچھ حصہ پڑھا حضرت والد ماجد نے بہت سا کھانا  
 تیار کیا اور خاص وعام کی دعوت کی۔ اور درس دینے کی اجازت فرمائی۔  
 الغرض علوم متعارفہ سے اس ملک کے دستور کے مطابق پندرہ برس کی عمر میں فراغت  
 حاصل کر لی۔ علم حدیث، کتاب البیوع سے کتاب الآداب تک تھوڑا سا حصہ چھوڑ کر تمام  
 مشکوٰۃ پڑھ لی۔

صحیح البخاری کم و بیش کتاب الطہارۃ تک مکمل اور شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت  
 والد صاحب کے سامنے بعض اصحاب کے پڑھنے پر میں نے سنی اور علم تفسیر سے بیضاوی کا  
 کچھ حصہ اور کچھ تفسیر مدارک پڑھی اور اس تکلیف پر احسانات عظمیٰ ہیں سے ایک یہ تھا کہ  
 چند مرتبہ مدرسہ میں قرآن مجید معانی کے غور و فکر اور شان نزول کے متعلق تفاسیر کی طرف  
 رجوع کے ساتھ والد صاحب کی خدمت میں پڑھا۔ یہ بات فتح عظیم کا سبب ہوئی۔ واللہ اعلم  
 علم فقہ میں شرح وقایہ اور ہدایہ تھوڑا سا چھوڑ کر مکمل پڑھا گیا۔ اصول فقہ میں سے  
 حسامی اور توضیح تلویح کا کچھ حصہ منطبق میں سے شرح شمسیہ مکمل اور شرح مطالع کا  
 کچھ حصہ۔ علم کلام میں شرح عقائد مکمل خیالی اور شرح مواقف کے کچھ حصے سلوک میں  
 عوارف المعارف کا کچھ حصہ اور رسائل نقشبندیہ کے کچھ حصے وغیرہ متعلق ہیں شرح  
 رباعیات مولانا جامی، لوائح اور مقدمہ شرح لمعات اور مقدمہ نقد النصوص اور خواص اسماء  
 و آیات میں حضرت والد بزرگوار کا خاص مجموعہ جس کی آپ نے کئی بار مجھے اجازت فرمائی اور طب  
 سے موجب القانون اور حکمت میں سے شرح ہدایتہ الحکمت وغیرہ۔ نحو میں کافیہ اور اس پر شرح ملا  
 جامی اور معانی سے مطول کا اکثر حصہ اور مختصر معانی کا وہ حصہ جس پر ملا زادہ کا حاشیہ ہے اور  
 ہندسہ اور حساب میں بعض رسائل مختصرہ پڑھے۔ اس دوران میں سرفن میں اونچے نکات میر  
 ذہن میں ہوتے تھے۔ اور زیادہ تر کوشش سے حل ہو جاتے ہیں۔ فقیر کے سترہویں سال حضرت والد  
 بزرگوار بیمار ہو گئے اور اسی بیماری میں رحمت خداوندی کی آغوش میں چلے گئے۔ مرض موت میں بیعت  
 و ارشاد کی اجازت فرمائی اور یہ کلمہ یدہ کیدی (اس کا ہاتھ میرے ہاتھ کی مانند ہے) کئی مرتبہ

فرمایا۔ وہ نعمت جسے تمام نعمتوں سے بڑا سمجھنا چاہیے۔ یہ ہے کہ حضرت والد بزرگوار مجھ سے بہت ہی خوش تھے اور اسی حالت میں رخصت ہوئے۔ آپ کی توجہ مجھ پر اس قدر تھی کہ کسی باپ کی اپنے بیٹے پر نہیں ہو سکتی۔ اس کے باوجود کسی باپ کو کسی استاد کو اور کسی مرشد کو میں نے نہیں دیکھا کہ اپنے بیٹے، شاگرد اور مرید سے اس قدر شفقت سے پیش آتا ہو جیسا کہ حضرت والد صاحب مجھ سے پیش آتے تھے۔ اللہم اغفر لی والوالدی وارحمہما کما ربیبانی صغیرا و جازہما بكل شفقتہ ورحمۃ و نعمة مہیما علی مائة الف اضعا فہا انک قریب مجیب۔

حضرت والا کی وفات کے بعد کم و بیش بارہ سال کتب دینیہ و عقلیہ کے درس و تدریس پر مواظبت کی۔ اور ہر علم میں غور و فکر کا موقع ملا۔ حضرت والد بزرگوار کے مزار پر توجہ کرنا اپنا دستور بنا لیا۔ ان دنوں توجید کے مسائل کھئے۔ جذب کاراستہ کشا وہ ہوا۔ اور سلوک میں سے کافی حصہ ملا۔ وجدانی علوم تو ذہن میں فوج در فوج نازل ہوتے تھے۔ مذاہب اربعہ کی کتابوں ان کے اصول فقہ اور وہ احادیث جن سے وہ تمسک کرتے ہیں کو ملاحظہ کرنے کے بعد فوراً غیبی کی مدد سے فقہاء محدثین کی روش اختیار کرنے کا فیصلہ ہوا۔ بارہ سال کے بعد حرمین شریفین کی زیارت کا شوق دامگیر ہوا۔ ۱۳۳۱ھ کے اواخر میں حج کا شرف حاصل ہوا۔ ۱۳۳۲ھ میں مجاورت مکہ مکرمہ، زیارت مدینہ منورہ اور شیخ ابو طاہر قدس سرہ وغیرہ حرمین شریفین سے روایت حدیث کی توفیق ملی۔ اس اثناء میں حضرت سید البشر علیہ افضل الصلوٰۃ و اتم التحیات کے روضہ منورہ پر توجہ مرکوز کی اور فیوض حاصل کئے۔ علماء حرمین سے دلچسپ صحبتوں کا اتفاق ہوا۔ اور شیخ ابو طاہر سے خرقہ جامعہ حاصل کیا جو تمام صوفیاء کے خرقوں کا جامع کہا جاسکتا ہے۔ اس سال کے آخر میں حج گزار کر ۱۳۳۵ھ کے آغاز میں وطن روانہ ہوا۔ بروز جمعہ چودہ رجب صحیح و سالم وطن پہنچ گیا۔ واما بنعمة ربک فحدث اور اپنے رب کی نعمت کا اظہار کرو، اس فقیر پر سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ مجھے خلعت فاتحیۃ عطا فرمائی اور اس آخری دور کا آغاز میرے ہاتھوں کر آیا۔ اور فقہ میں پسندیدہ مسلک کی طرف راہنمائی کی۔ اور اسے جمع کر کے فقہ حدیث کی نئے سرے سے بنیاد رکھی۔ اسی طرح اسرار حدیث

مصالح احکام ترغیبات اور جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے اور تعلیم فرمائی ہے۔ ان تمام کے اسرار و رموز کا بیان ایک مستعمل فن ہے۔ اس فقیر سے پہلے کوئی شخص اتنی عمدگی سے اسے نہیں کر سکا۔ اگر کسی کو اس فن کی عظمت و بلندی میں شبہ ہو تو اسے شیخ عزیز الدین بن عبدالسلام کی کتاب "قواعد کبریٰ" دیکھنی چاہیے کہ اس میں اس نے کس قدر کوشش اور سعی کی ہے۔ پھر بھی اس فن کا وہ عشر عشیر بھی نہیں کر سکے اور طریقہ سلوک جو کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ برہان ہے۔ اور جسے اس دور میں رائج ہونا ہے وہ مجھے الہام کیا گیا ہے۔ جسے میں نے اپنے دور سالوں لمعات اور اللطاف القدس میں صحیح کیا ہے۔ میں نے قدیم علماء اہل سنت کے عقائد کو دلائل و براہین سے اس طرح ثابت کیا ہے کہ اسے معقولوں کے شک و شبہات کے گرد و غبار سے صاف کر دیا ہے اور اس طرح منور کیا ہے کہ بحث کی گنجائش نہیں رہی اور مجھے علم کمالات اربعہ یعنی ابداع الخلق، تدبیر و تدلیل پورے طول و عرض کے ساتھ اور نفوس انسانیہ کی استعداد کا تمام علم اور ہر شخص کے کمال اور انجام کا علم عطا فرمایا۔ یہ دونوں علوم اس قدر اہم ہیں کہ اس فقیر سے پہلے کسی کو ان کی ہوا بھی نہیں ملے گی۔ اور حکمت عملی جس کے ذریعہ اس دور کی اصلاح کی جاسکتی ہے مجھے پوری سمعت کے ساتھ عطا فرمائی گئی ہے اور مجھے کتاب و سنت اور آثار صحابہ کے ذریعہ اسے مستحکم کرنے کی توفیق دی گئی ہے جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے اور جو کچھ اس میں داخل کیا گیا ہے اور جو سنت ہے یا ہر فرقہ نے جو نئی باتیں دین میں ایجاد کر لی ہیں۔ ان تمام کا علم مجھے دیا گیا ہے۔ اگر میرا بال بال زبان بن جائے تو بھی اس کی حمد و شکر کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ والحمد لله رب العالمین۔

# نوری کتب ڈپو لاہور کی باقاعدہ کتابیں

تذکرہ مشائخ نقشبندیہ	کشف المحجوب
سیرت سیدنا مومن عظیم	کشف المحجوب
تحفہ شیعہ (اول)	شمع شمسانِ ضیاء
شرح قصیدہ بردہ	حکایات گنج بخش
شرح قصیدہ غوثیہ	تذکرہ داماد گنج بخش
تذکرہ غوثیہ	ارشادات گنج بخش
تاریخ مدینہ	فتوح الغیب
۱۲ تقریریں	ذکر حبیب
تاریخی مناظرہ بہاولپور	انفاس العارفين
کفریات ابی وہاب	پستی حکایات
مسئلہ نور و بشر	مجموعہ نعت
حرمت سجدہ تعظیم	نماز حنفی
تذکرہ وزیدیہ	کتاب الحج
جماعت اسلامی	یزید تاریخ کے آئینہ میں
مواعظ القرآن	بزرگان لاہور
اکابر تحریک پاکستان	رسالہ رحمی

حضرت داماد صاحب  
 مکتبہ ملی نسخہ قدیم  
 اقبال احمد زوی  
 بشیر حسین ناظم  
 میاں محمد دین سلیم  
 پیر سید معصوم شاہ  
 سیدنا غوث عظیم  
 شاہ عبدالعلیم میرٹھی  
 شاہ ولی اللہ  
 رضا المصطفیٰ چشتی  
 سید محمد عثمان پیرزادہ  
 علامہ نسیم البتوی  
 اعلیٰ حضرت بریلوی  
 یزید تاریخ کے آئینہ میں  
 پیر غلام حسین گیلانی  
 حضرت سلطان بہر

علامہ بخش علی  
 " "  
 " "  
 " "  
 مولانا عبدالمکرم  
 شہ گل حقاری  
 شیخ عبدالحق مدنی  
 محمد شرف زوی  
 علامہ سید محمد قری  
 اعلیٰ حضرت بریلوی  
 عیادت چشتی  
 اعلیٰ حضرت  
 علامہ شمس  
 ارشد قادری  
 پیر سید معصوم شاہ  
 علامہ سید صاحب

مکمل تراجم، عمدہ کاغذ، مضبوط جلد، آفٹ طباعت، سے مریض کتب آپ کے مطالعہ کی منتظر ہیں

نوری کتب ڈپو بازار حضرت لاہور  
 نوری کتب خانہ لاہور  
 نوری کتب ڈپو لاہور



# تفسیر عن الی

## ”سورۃ یوسف“

— ان تصنیف —

حجۃ الاسلام و المسلمین امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ

— ترتیب و تدوین —

مولانا محمد حفیظ نیازی، ایڈیٹر، مصطفیٰ گورنمنٹ کالج لاہور

— حسب الارشاد —

حضرت الحاج سید محمد حسن شاہ گیلانی و تادری نوری

ناشر

معصوم اکیڈمی، معصوم منزل اسلام گنج لاہور

تقسیم کار نوری بک پوزیٹو سائے حضرت امام گنج بخش لاہور



ناشر  
نورنی بک ڈپو، داماد صاحب لاہور

ذکرِ حبیب

از  
والد ماجد علامہ شاہ احمد نورانی  
صدر جمعیت العلماء پاکستان

اصول شیعہ شہستانِ رضا  
مکملہ

اعلیٰ حضرت بریلوی  
کے عملیات کا مجموعہ



سیرت سیدنا غوثِ عظیم

علامہ محمد نور بخش توگلی

ایم، اے

شرح  
قصیدہ غوثیہ

از  
علامہ محمد عبدالملک رتھاندیہ



تحفہ شیعہ

از  
علامہ محمد نور بخش توگلی

ایم، اے

بزرگانِ لاہور

از

علامہ غلام دستگیر نامی

# ذکر صدیق اکبر

کامل

مبلغ اشرف علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی قادری

والد ماجد

قائد اہلسنت علامہ شاہ احمد نورانی مدظلہ العالی

نوری بک ڈیو، لاہور

